بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبول و معروف دینی درسگاہ جامعہ نظامیہ

شعبہ نشر و اشاعت جامعہ نظامیہ حیدرآباد الھند

فون : ۲۴۴۱۶۸۴۷ ، ۲۴۵۷۶۷۷۲ فیاکس : ۰۰۹۱-۴۰-۲۴۵۰۳۲۶۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علوم اسلامیہ کی ۱۳۳ سالہ قدیم وعظیم اقامتی یونیورسٹی

جامعہ نظامیہ

کا علمی، دینی، ادبی اور اصلاحی سالانہ مجلہ

انوار نظامیہ

جلد: ۷ شمارہ: ۱

جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ م جولائی ۲۰۰۴ء

مراسلت کا پتہ: مدیر مسؤل انوار نظامیہ، جامعہ نظامیہ، حیدر آباد۔ فون: ۲۴۴۱۶۸۴۷، فیاکس: ۲۴۵۰۳۲۶۷

کتابت: محمد وحید الدین کمپیوٹر آپریٹر جامعہ نظامیہ

طباعت: مطبعۃ ابوالوفاء الافغانی جامعہ نظامیہ

web: www.jamianizamia.org

E-mail: fatwa@jamianizamia.org

تجلیات انوار نظامیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی سید الانبیاء و المرسلین و علی الہ الطبین و اصحابہ الأکرمین اجمعین امابعد،

الحمد للہ سالنامہ "انوار نظامیہ" کا یہ شمارہ بھی سابق کی طرح اپنے علمی وقار کے ساتھ قارئین کی خدمت میں آرہا ہے۔

جامعہ نظامیہ کا یہ کاروان علم و ادب بفضلہ تعالیٰ (۱۳۲) سال سے رواں دواں ہے جس کے فیوض و برکات سے ہر کوئی واقف ہے۔ حضرت شیخ الاسلام نے اس جامعہ کو اشاعت علوم اسلامیہ کے لئے قائم فرمایا تھا۔ جس کے منجملہ ذرائع میں یہ سالنامہ "انوار نظامیہ" بھی ہے۔ اس سالنامہ میں مختلف موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ جن کے مطالعہ سے علم میں اضافہ اور ایمان و یقین میں بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ اس سالنامہ میں جامعہ کے اساتذہ، طلباء اور فارغین کے ہی مضامین شامل کئے گئے ہیں۔ نیز سال گذشتہ کے علمی مذاکرہ بعنوان "اسلام اور خاندانی حقوق" کے مقالات بھی شامل ہیں۔

اس کا ایک حصہ عربی زبان کے لئے مختص ہے۔ چونکہ جامعہ کا نصاب تعلیم عربی زبان کی بڑی اور معیاری کتابوں پر قائم کیا گیا۔ طلباء میں عربی زبان و ادب کا ذوق پیدا کرنے کیلئے ایک مجلس بنام " المنتدی " قائم ہے جس میں طلباء تقاریر کرتے ہیں بعض طلباء و اساتذہ اشعار بھی کہتے ہیں اس لئے ان طلباء کی ہمت افزائی اور ناظرین کے ذوق مطالعہ میں اضافہ کے لئے عربی مضامین و اشعار کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔

یہ سالنامہ علم و ادب کے ساتھ ساتھ مسلک اہل سنت و جماعت کا پاسبان ہے۔ اس میں مسلک اہل سنت کی ترویج و اشاعت کی طرف توجہ کی گئی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول عام عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین و آلہ الطیبین و اصحابہ الأکرمین فقط

مدیر مسؤل
(حضرت مولانا) مفتی خلیل احمد
شیخ الجامعہ، جامعہ نظامیہ

جامعہ نظامیہ کے شب و روز

ادارہ

☆ ہوتا ہے جادہ پیمانہ کارواں ہمارا (تعلیمی رپورٹ ۱۴۲۴ھ م ۲۰۰۳ء)

☆ جامعہ نظامیہ کی جانب سے دینی تعلیمی گرمائی کورس کا اہتمام

تعلیمی رپورٹ سال ۱۴۲۴ھ مطابق اکٹوبر ۲۰۰۳ء جامعہ نظامیہ

الحمدللہ جامعہ کو قائم ہوئے (۱۳۳) سال ہوئے۔ مورخہ ۹/ شوال المکرم ۱۴۲۴ھ م ۴/ڈسمبر ۲۰۰۳ء کو نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوا۔ اس سال (۴۳۲) جدید طلبہ کو داخلہ دیا گیا۔ دار الاقامہ میں چھ سو (۶۰۰) طلبہ کیلئے مفت قیام وطعام کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ مابقی طلبہ بیرونی حیثیت سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اسطرح کل تعداد (۱۰۹۴) رہی۔

امتحانات سالانہ منعقدہ ماہ شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ مطابق ماہ اکٹوبر ۲۰۰۳ء میں جملہ (۲۰۱۷) طلبہ شریک ہوئے جنکی تفصیل یہ ہے۔

(۱) سال آخر سندی درجات میں شرکاء امتحان کی جملہ تعداد (۳۰۹) رہی اور کامیاب (۳۱۷) نتیجہ کامیابی ۸۴ فیصد رہا۔ جن میں مولوی (۱۴۵) ، عالم (۸۰) ، فاضل (۶۳) ، کامل الفقہ (۲۴) ، کامل التفسیر (۲) ، کامل الحدیث (۲) کامل التاریخ (۱)۔

(۲) مولوی تا کامل سال اول غیر سندی درجات میں شریک امیدواروں کی تعداد (۵۴۰) رہی جن میں کامیاب امیدواروں کو سال آخر سندی درجات میں شرکت کا اہل قرار دیا گیا۔ کامیاب طلبہ کی تعداد (۳۴۰) رہی اور نتیجہ کامیابی ۶۲ فیصد رہا۔

(۳) تحتانی ، وسطانی و اہلخدمات شرعیہ درجات میں شریک امیدواروں کی تعداد (۲۶۸) رہی جن میں (۱۹۸) طلبہ نے کامیابی حاصل کی۔ کامیاب طلبہ کو آگے کی جماعت میں شرکت کا اہل قرار دیا جاکر ترقی دی گئی اور نتیجہ کامیابی ۷۴ فیصد رہا۔

نیز جامعہ کے ملحقہ مدارس دارالعلوم عربیہ کاورم پیٹ ، دار العلوم النعمانیہ شاہ علی بنڈہ نئی روڈ ، انوارالعلوم الجیبیہ ، بندل گوڑہ ، عثمان باغ ، دارا العلوم البرکاتیہ چندرائن گٹہ ، مدرسہ عربیہ سراج العلوم رائچور اور مصباح العلوم عالیہ کمالیہ اورنگ آباد سے شعبہ وسطانی میں جملہ (۱۱۷) طلبہ شریک رہے اور مختلف درجوں سے کامیابی حاصل کی۔

(۴) جامعہ کے شعبہ " تحفیظ القرآن الکریم " میں شریک امیدواروں کی تعداد (۹۹) رہی جن میں سے جملہ (۱۳) طلبہ نے حفظ قرآن مجید کی تکمیل کی۔

نیز جامعہ کے ملحقہ مدارس دار العلوم عربیہ کاورم پیٹ ، دارالعلوم محبوبیہ امجد الدولہ مصری گنج ، مدرسہ عربیہ انوار العلوم بھوانی نگر ، مدرسہ انوار العلوم لطیفیہ امان نگر (بی) مدرسہ نہر الیہ عیدی بازار ، مدرسہ خیر العلوم مسجد قطب شاہی لنگر حوض ، مدرسہ رحمت العلوم قلعہ گولکنڈہ ، مدرسہ باب العلم انوار محمدی بہادر پورہ ، مدرسہ حفاظ محمودیہ کشن باغ ، مدرسہ جمالیہ تعلیم القرآن ہرا دروازہ مستعد پورہ ، مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم بی۔ ایچ۔ ای۔ ایل حیدرآباد ، مدرسہ انوار الحسنات محبوبنگر ، مدرسہ عربیہ معراج العلوم محبوبنگر ، مدرسہ اسلامیہ فضل العلوم ناگر کرنول ، مدرسہ جیلانیہ شمس العلوم جیلانی گڈہ میدک ، مدرسہ عربیہ سراج العلوم رائچور ، مدرسہ عربیہ مظہر الاسلام رائچور ، مدرسہ مصباح العلوم عالیہ کمالیہ اورنگ آباد و دیگر ملحقہ مدارس سے جملہ (۱۰۱) طلبہ شریک رہے جن میں (۹۲) طلبہ نے حفظ قرآن مجید کی تکمیل کی جن میں (۲۵) طالبات بھی شامل ہیں۔

(۵) "امتحانات قراءت سبعہ وعشرہ وقرات سیدنا امام عاصم کوفی رحمۃ اللہ کے شرکاء امتحان کی تعداد (۱۳۲۹) رہی جن میں ذکور کی تعداد (۴۹۰) اناث کی تعداد (۸۳۹) ہے۔

امتحانات قرات میں جملہ (۱۰۵۶) امیدواروں نے مختلف درجوں سے کامیابی حاصل کی اور نتیجہ کامیابی ۸۳ فیصد رہا۔

(۶) "امتحانات نصاب اہل خدمات شرعیہ" ان امتحانات میں شریک امیدواروں کی تعداد (۶۷۴) رہی۔
جنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نام امتحان	تعداد شرکاء امتحان	کامیاب شدگان
نائب قضائت	۱۳۵	۹۹
خطابت	۶۴	۵۸
امامت	۲۹۷	۲۴۹
مؤذنی	۵۲	۳۰
ملا	۱۲۶	۱۰۲
جملہ شرکاء امتحان۔	۶۷۴	کامیاب۔ ۵۳۸

اور نتیجہ کامیابی ۸۹ فیصد رہا۔

ہر سال کی طرح امسال بھی قرات سیدنا امام عاصم کوفی رحمۃ اللہ اور نصاب اہل خدمات شرعیہ کے امتحانی مراکز شہر کے علاوہ اضلاع وتعلقہ جات، کاروم پیٹ، محبوب نگر، رائچور، ورنگل، میدک، ناگر کرنول، گلبرگہ شریف، ناندیڑ، اورنگ آباد وغیرہ میں قائم کئے گئے۔

(۷) "ڈپلوما ان عربک" یہ امتحان عربی زبان سیکھنے کے خواہشمند اصحاب کیلئے مقرر کیا گیا ہے تاکہ عوام میں عربی زبان اور قرآن فہمی کا شوق پیدا ہو۔

سال حال اس امتحان میں جملہ (۱۶۰) طلبہ وطالبات شریک رہے جن میں (۱۱۶) امیدواروں نے کامیابی حاصل کی اور نتیجہ کامیابی ۷۳ فیصد رہا۔

(۸) "کلیۃ البنات جامعہ نظامیہ" کلیۃ البنات جامعہ نظامیہ واقع قاضی پورہ میں سال گذشتہ شریک امتحان طالبات کی تعداد (۲۵۵) رہی جن میں کامیاب طالبات کو آگے کی جماعتوں میں ترقی دیگئی اور نتیجہ کامیابی ۷۷ فیصد رہا۔

مولوی (۷۵) عالم (۱۰) فاضل (۵) ڈپلوما ان عربک (۳۰) قرات عاصم کوفی رحمۃ اللہ (۸) اہلخدمات شرعیہ (۵۴)۔

سال حال زیر تعلیم طالبات کی تعداد (۳۲۵) ہے۔

مندرجہ بالا تفصیلات کی روشنی میں شرکاء امتحانات سالانہ منعقدہ ماہ اکٹوبر ۲۰۰۳ء کی جملہ تعداد (۴۰۱۷) رہی جن میں کامیاب طلبہ کی تعداد (۳۱۴۸) رہی اور نتیجہ کامیابی ۸۰ فیصد رہا۔

سندی درجات مولوی تا کامل میں جملہ (۳۱۷) امیدواروں اور حفظ قرآن مجید سے فارغ (۱۰۵) طلبہ وطالبات کو اسناد اور حسب روایت قدیم (۶۳) فاضلین جامعہ اور (۱۰۵) حفاظ جامعہ کو دستار فضیلت وخلعت حفظ شیوخ کرام جامعہ نظامیہ کے دست مبارک سے عطا کی گئی۔

خصوصی توجہ

جماعت عالم، فاضل وکامل میں درجۂ امتیازی کامیاب ہونے والے طلبہ کو "مرکز صوفیہ شاہ ولی اللہی سکندرآباد" کی جانب سے تین گولڈ میڈلس نیز محترم احمد الدین اویسی صاحب و برادران (مدینہ منورہ) کی جانب ایک اور محترمہ اختر دردانہ بیگم صاحبہ کی جانب سے ایک گولڈ میڈل اور بیگم امیر النساء غنی صاحبہ کی جانب سے ایک گولڈ میڈل جملہ چھ گولڈ میڈلس عطا کئے جارہے ہیں۔

نام امیدوار	جماعت	منجانب	گولڈ میڈل
۱۔ حافظ سید محمد علی بغدادی	کامل الفقہ	مرکز صوفیہ شاہ ولی اللہی سکندرآباد	حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی صوفیؒ
۲۔ حافظ سعید بن مخاشن	فاضل دوم	" " "	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صوفیؒ
۳۔ حافظ سید نذیر احمد قادری	عالم دوم	" " "	حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی صوفیؒ
۴۔ حافظ محمد خالد علی قادری	فاضل دوم	محترم احمد الدین اویسی صاحب برادران (مدینہ منورہ)	فرزلت حضرت محمد عبدالواحد اویسیؒ
۵۔ سیدہ عطیہ فاطمہ بنت سید شاہ سجاد حسینی	عالم دوم	برائے ایصال ثواب محترمہ کنیز فاطمہ اویسی صاحبہ	خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہراءؓ
۶۔ رفیعہ بنت حبیب موسیٰ الحسینی	فاضل دوم	محترمہ بیگم امیر النساء غنی صاحبہ	خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہراءؓ

علاوہ ازیں امتیازی درجہ سے کامیاب شدہ (۳۴) طلبہ کو انعام تعلیمی اور گولڈ میڈلس بدست حضرت امیر جامعہ صاحب قبلہ عطا کئے گئے۔

و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقه و نور عرشه سیدنا محمد النبی الامی و علی آله و اصحابه و بارک و سلم اجمعین و الحمد للہ رب العالمین۔

”دینی اور اخلاقی تعلیم سے دوری قوم میں بگاڑ کا سبب“

جامعہ نظامیہ اور سیاست کی جانب سے دینی تعلیمی گرمائی کورس کے اختتامی اجلاس سے مفکر اسلام مفتی خلیل احمد صاحب شیخ الجامعہ کا بیان

زمانہ کے انقلاب کے بعد مسلم حکومتیں ختم ہوگئیں تعلیمی نصاب سے دینیات اور اخلاقیات کا اخراج کر دیا گیا۔ علاوہ ازیں دور حاضر میں اخلاقی بگاڑ کا سارا سامان موجود ہے۔ علم دین سے معاشرہ دور ہوتا جارہا ہے۔ ایسے میں روز نامہ سیاست اور جامعہ نظامیہ کے اشتراک سے شہر میں دینی گرمائی کلاسیں کا انقعاد خوش آئند ہے اور اس کا مقصد قوم کے نونہالوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنا ہے مولانا مفتی خلیل احمد شیخ الجامعہ نظامیہ نے جامعہ نظامیہ میں دینی گرمائی کلاسیں کے جلسہ تقسیم اسناد سے خیر مقدمی خطاب کرتے ہوئے ان خیالات کا اظہار کیا۔ جس کی صدارت امیر جامعہ نظامیہ مولانا سید شاہ علی اکبر نظام الدین حسینی صابری نے کی اور بطور مہمان خصوصی جناب ظہیر الدین علی خان مینجنگ ایڈیٹر روزنامہ سیاست موجود تھے۔ مولانا مفتی خلیل احمد نے اپنی تقریر میں بتایا کہ سال گزشتہ دینی تعلیم کے ۵۰ مراکز قائم کئے گئے تھے۔ سال حال اس میں اضافہ کیا گیا اور ۲، مراکز پر ۶۸۹۰ طلباء نے داخلہ حاصل کیا۔انھوں نے کہا کہ اپریل اور مئی کے مہینہ میں مسلم انتظامیہ کے تعلیمی اداروں میں نونہالوں کو ضروری دینی مسائل جیسے کلمہ، وضو، نماز، اخلاق، ماں، باپ، پڑوسی رشتہ داروں اور بڑوں کے آداب پر مشتمل مختصر مدتی نصاب ترتیب دے کر تعلیم دی گئی اور کورس کے اختتام پر ۲۹ مئی کو امتحان لیا گیا جس میں ۵۳۴۰ طلبہ نے شرکت کی اور ۵۱۳۰ طلبہ نے اس میں کامیابی حاصل کی جنھیں اس اختتامی جلسہ میں صداقت نامے دیئے جارہے ہیں۔ مولانا نے کہا کہ اس طرح کی کوششیں مشترکہ ہونی چاہئے یہ ہر ایک کی ذمہ داری ہے۔انہوں نے کہا کہ مذہب اسلام جس سے ہم وابستہ ہیں اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ہماری ہی ہے۔ جناب ظہیر الدین علی خان مینجنگ ایڈیٹر سیاست بحیثیت مہمان خصوصی نے اپنے خطاب میں کہا کہ دو سال قبل کسی کے گھر جانے کا اتفاق ہوا یہ دیکھنے کا اتفاق ہوا کہ ہماری قوم کے نونہال ٹی وی کے روبرو وقت گزاری کررہے ہیں انھیں فلمی اداکاروں اور کھلاڑیوں کے نام یاد ہیں لیکن انھیں دین کے بنیادی مسائل اور فضائل سے واقفیت نہیں ایسے میں ایڈیٹر سیاست جناب زاہد علی خان نے جامعہ نظامیہ سے رابطہ کیا اور اس پر فوری کام شروع ہوگیا۔اس سلسلہ میں انہوں نے ارباب جامعہ کا شکریہ ادا کیا۔ اس تعلیمی سلسلہ کو آئندہ برس اضلاع میں بھی توسیع دی جائے گی کیونکہ اضلاع سے مسلسل اصرار جاری ہے اور خواتین وطالبات کے استفادہ کے لئے بھی آئندہ اہتمام کیا جائے گا۔امیر جامعہ نظامیہ مولانا سید شاہ علی اکبر نظام الدین حسینی صابری نے صدارتی

خطاب میں کہا کہ دختران ملت کی درسگاہ کلیۃ البنات کے تعاون سے آئندہ برس خواتین وطالبات کی تربیت کا بھی انتظام کیا جائے گا اور اضلاع میں جامعہ نظامیہ کے ملحقہ مدارس کے تعاون سے گرمائی دینی کلاسیس منعقد کی جائیں گی۔ امیر جامعہ نے اس تعلیمی تحریک کے آغاز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ادارہ سیاست کی جانب سے جب یہ پروگرام ترتیب دیا جارہا تھا اس وقت جامعہ نظامیہ کو ترجیح دے کر پروگرام کا آغاز کیا گیا ۔ انہوں نے کہا کہ جناب زاہد علی خان اور جناب ظہیر الدین علی خان کی جانب سے تعطیلات میں بچوں کی اصلاح اور دینیات سے واقفیت کی تجویز کو فوری قبول کرلیا گیا ۔ انہوں نے مسلم انتظامیہ کے مدارس کے ذمہ داروں کو مشورہ دیا کہ وہ بانی جامعہ حضرت انواراللہ فاروقی کی نگرانی میں تیار کردہ ضروری مسائل پر مبنی نصاب اہل خدمات شرعیہ کو مدارس میں دینیات کی جماعت میں رائج کریں ۔انھوں نے کہا کہ اس کا انگریزی ترجمہ معتمد جامعہ جناب سید احمد علی نے کیا ہے اس سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے ۔

مشہور فقہی و آسان کتاب
"نصاب اہل خدمات شرعیہ" کا انگریزی ترجمہ

مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ کے زیر اہتمام مسائل پر مشہور کتاب نصاب اہل خدمات شرعیہ کا بزبان انگریزی ترجمہ کیا گیا یہ کتاب انگریزی داں حضرات بالخصوص نوجوانوں کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوگی ۔ اس کے دو حصوں کا ترجمہ شائع ہوچکا ہے اب حصہ سوم کا ترجمہ کیا جاکر اس کی رسم اجرائی بموقع جلسہ تقسیم اسناد و عطائے خلعت و دستاربندی منعقدہ ۱۸ جولائی ۲۰۰۴ء عمل میں لائی گئی ۔ نصاب اہل خدمات شرعیہ معہ بیان حج سات حصوں پر مشتمل ہے ۔ انشاء اللہ بتدریج باقی تمام حصوں کا بھی ترجمہ کیا جائے گا یہ کتاب انگریزی داں حضرات کے لئے لکھی گئی ہے ۔ اس کتاب کو جامعہ نظامیہ کے ویب سائٹ پر بھی پیش کیا گیا ہے تاکہ یورپ اور امریکہ میں مقیم انگریزی داں حضرات کے مطالعہ میں آسکے ۔ اور حسب ضرورت ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ بھی کرسکیں ۔ اس کتاب کا ترجمہ مولوی سید احمد علی صاحب معتمد جامعہ نظامیہ نے کیا ہے۔

عارف اور درجات عرفان

افادات: شیخ الاسلام حضرت العلام ابوالبرکات حافظ محمد انوار اللہ فاروقی قدس سرہ العزیز بانی جامعہ نظامیہ

عارف کی پہلی حرکت جو عالم قدس کی طرف ہوتی ہے اس کو ارادہ کہتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جب اس کے نزدیک خواہ دلیل سے یا تقلیدی ایمان سے ثابت ہوجاتا ہے کہ اصل سعادت یہ ہے کہ آدمی ماسوی اللہ سے اعراض کر کے خدا کی طرف توجہ کرے تو اس کے دل میں رغبت پیدا ہوتی ہے کہ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے جو ترقی مدراج کے لئے عروۃ الوثقے ہے مدد لے کر اس کی طرف کا قصد کرے یہی رغبت اور شوق اس کی حرکت کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ سر اس کا عالم قدس کی طرف متحرک ہوتا ہے۔ اس غرض سے کہ روح اتصال حاصل کرے جب تک وہ اس درجے میں ہے اس کو مرید کہتے ہیں۔

اس کے بعد اس کو ریاضت کی طرف احتیاج ہوتی ہے۔ جس سے تین غرضیں متعلق ہیں۔

(۱) پہلی غرض یہ ہے کہ ماسوی اللہ کے اپنے مقصود کے راستے سے ہٹا دے۔

(۲) دوسری نفس امارہ کو نفس مطمئنہ کا فرمانبردار کردے تاکہ قوائے تخیل و وہم کو مناسبات سفلیہ سے پھیر کر امر قدسی کے مناسب توہمات کی طرف ان کو کھینچے۔

(۳) تیسری یہ کہ سر لطیف ہوجائے تاکہ ہر وقت تنبیہ اور آگہی ہوا کرے۔

پہلی غرض کو زہد حقیقی سے مدد ملتی ہے۔ کیونکہ جب کوئی چیز ہی نہ رہے تو راستہ صاف ہے۔ (۱)

(۲) دوسری غرض کو ان امور سے تائید ملتی ہے عبادت جو فکر کے ہمراہ ہو۔ (۲) سماع خوش الحان جو نفس کی قوتوں سے کام لیکر عمدہ کلام کو قبولیت تک پہنچادے۔

(۳) نفس کلام وعظ کسی ذکی کا جس کی عبادت بلیغ ہو اور اس کے ساتھ نغمہ لطیف ہو اور کلام بھی پر اثر ہو۔

تیسری غرض پر تائید دینے والی فکر لطیف اور عشق عفیف سے ہے کیونکہ شمائل معشوق مجازی معشوق حقیقی کی طرف رہبری کرتے ہیں بشرطیکہ اس میں شہوت کا غلبہ ہو۔

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ آدمی جانوروں کو ایسے مرتاض بناتا ہے کہ وہ اپنی خواہشوں کو ترک کر کے اپنے فرائض اور آقا کی خواہشوں کے تابع ہوتے ہیں۔ چیتا، باز، بہری، شکاری وغیرہ جانوروں کو سب جانتے ہیں کہ کس قدر مہذب اور عاقلانہ حرکات کرتے ہیں۔ جو ان کی شان درندگی سے کچھ مناسبت نہیں۔ پھر جو قوتیں ان حیوانوں میں ہیں آدمی میں بھی وہی قوتیں ہیں۔ مگر ان کے ساتھ عقل بھی اس کو دی گئی ہے جس سے جانوروں میں ممتاز اور سب کا فرمانروا ٹھیرا۔ پھر جو قوت حیوانیہ انسان میں

مبداء، تمام اور د اکات اور افعال حیوانیہ کا ہے ۔ اگر عقل کے تابع نہ ہو اور حیوانی قوتیں مثلاً غضب، شہوت وغیرہ اس کو جس طرح نچائیں وہ انھیں کے اشاروں پر عقل کو بالائے طاق رکھ کر ناچا کرے تو ایسے آدمی کو وہ جانور کہنا چاہیئے جو غیر مرتاض اور خود سر ہے ۔ اب غور کرنا چاہیئے کہ اگر آدمی ریاضت کر کے حیوانی قوتوں کو عقل کے تابع نہ بنائے ۔ اور انہیں کا مسخر بنا رہے تو اس کو آدمی سمجھنے کی ضرورت ہی کیا ۔ ہم نے مانا کہ عقل کی وجہ سے وہ بڑا ہی فیلسوف زماں ہے ۔ مگر جب حرکات اس کی ان جانوروں کی سی ہوں جو غیر مہذب اور وحشی نش ہیں تو کم سے کم یہ ضرور سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنی آدمیت کو حیوانیت کے حوالے کر دیا ۔ اگر بجائے اس کے کہ وہ اپنی حیوانیت کو مسخر بناتا جس طرح آدمی حیوانی صفات اس کو قوت عاقلہ سے ایسے رذیل رذیل کام لیتے ہیں کہ جن کا دیکھنا اور سننا بھی عقلاء پر شاق گذرتا ہے ۔ جو لوگ اپنے قوائے حیوانیہ کو مرتاض کر کے اپنی قوت عاقلہ کے تابع نہیں بناتے عقلا ان سے وہ جانور بہتر سمجھے جاتے ہیں جو دوسرے کی قوت عاقلہ کے تابع ہو کر مہذب ہو جاتے ہیں ۔

مراتب عرفان

غرض کہ عارف جب اپنے قوائے حیوانیہ کو مرتاض کرتا ہے اور زہد حقیقی کی وجہ سے قوائے شہوانیہ میں وہ غلبہ ہی نہیں رہتا جو عقل کو مجبور کر سکے ۔ اس لئے ممکن نہیں کہ عشق مجازی یا سماع خوش الحان اس کو ناجائز حرکات پر مجبور کرے ۔

پھر جب ارادت اور ریاضت کسی حد تک پہنچتی ہے تو عالم قدس سے نورانی تجلیات شروع ہوتی ہیں اس طور پر کہ جیسے بجلی چمک گئی اور اس سے اس قدر لطف آتا ہے کہ ربودگی ہو جاتی ہے اس کو وہ حضرات وقت کہتے ہیں ۔ اس وقت ایک وجد کی حالت پیدا ہوتی ہے پھر اس حالت کے زائل ہونے پر غم طاری ہوتا ہے ۔ اس کے بعد جس قدر ریاضت زیادہ ہوتی ہے یہ حالتیں پے در پے اس پر طاری ہوتی رہتی ہیں پھر اس حالت پر ترقی ہوتی ہے اور جلد جلد تجلیات بغیر ریاضت کے بھی ہونے لگتی ہیں یہاں تک کہ جس چیز کو وہ دیکھتے ہیں جناب قدس کی طرف توجہ ہو جاتی ہے اور کوئی بات وہاں کی یاد آنے پر بیہوش ہو جاتے ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ہر چیز میں حق کو دیکھتے ہیں ۔

اس حد تک اس پر واردات اور تجلیات کا غلبہ رہتا ہے اور سکون اور قرار اس کو نہیں رہتا جس سے دیکھنے والوں کو بھی اس کی حالت کی کچھ خبر ہو جاتی ہے ۔ اس کے بعد جب ریاضت کا غلبہ ہوتا ہے اور کسی قدر عادت ہو جاتی ہے تو وہ خود داری کر کے اس حالت کو چھپا سکتا ہے جس کی خبر دیکھنے والوں کو نہیں ہوتی ۔

پھر ریاضت اس کو اس درجے تک پہنچا دیتی ہے کہ اس کا وقت ہمہ تن تسکین ہو جاتا ہے اور ربودگیوں سے اسے الفت ہوتی ہے اور وہ تجلیاں بمنزلہ شہاب روشن کے ہو جاتی ہیں اور مقامی معرفتیں پیدا ہوتی ہیں جو ثابت رہتی ہیں اور یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ وہ ایک استمراری صحبت ہے جس میں اس کو بہجت حاصل ہوتی ہے پھر جب اس حالت سے پھرتا ہے تو نہایت حسرت اور افسوس کرتا ہوا پھرتا ہے ۔

شاید کہ اس حد تک اس پر اندرونی حالتوں کا اثر ظاہر ہوتا ہو مگر جب ان معارفوں میں اس کو بخوبی دستگاہ ہوجاتی ہے تو اس کو اندرونی حالت بہت کم ظاہر ہوتی ہے یہاں تک کہ دیکھنے والے اس کو حاضر سمجھتے ہیں اور وہ غائب ہوتا ہے اس کو مقیم سمجھتے ہی اور وہ سفر میں ہوتا ہے۔

شاید اس حد تک اس کو وہ معارف کبھی کبھی حاصل ہوتے ہوں مگر بتدریج یہ حالت بھی ہوجاتی ہے کہ جب چاہتا ہے وہ بات اسے حاصل ہونے لگتی ہے۔

پھر اس رتبے سے وہ آگے بڑھتا ہے وہاں اس کو مشیت اور خواہش کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ جب کسی چیز کو دیکھتا ہے تو گو اس کا خیال اعتبار کی طرف نہ ہو مگر ایک دوسری چیز اس کے پیش نظر ہوجاتی ہے اور ہر چیز میں اس کو اس عالم زور و باطل سے عالم حق کی طرف ترقی ہونے لگتی ہے اس کا قرار اس عالم میں ہوتا ہے اور یہاں اس کو غافل لوگ گھیرے رہتے ہیں اور ان کو خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے۔

امام رازی کا نفیس نکتہ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ محققین اصحاب طریقت کا قول ہے " ما رایت شیئا الا و رایت اللہ بعدہ "۔ پھر جب ترقی ہوئی تو کہاں " ما راینا شیئا الا و راینا اللہ معہ " پھر جب اس سے بھی ترقی ہوئی تو کہا " ما راینا شیئا الا و رایت اللہ قبلہ " پھر جب اس درجے سے بھی ترقی ہوئی ہے تو سوائے اللہ کے کچھ دیکھتا ہیں نہیں "۔ انتہی۔

جب وہ اپنے نفس کو دیکھتے ہیں تو ان کو خوشی ہوتی ہے۔ پھر جب ریاضت ختم ہو جاتی ہے اور عارف اپنی مقصود کو پہنچ جاتا ہے تو اس کا سر گویا ایک جلادار آئینہ ہوتا ہے جس پر ادھر کی لذتوں کا فیضان اور بارش ہوتی رہتی ہے اس وقت اپنے نفس سے وہ نہایت خوش ہوتا ہے اس وجہ سے کہ اثر حق اس میں نمایاں ہے کبھی وہ اپنے نفس کی طرف نہیں دیکھتا ہے اور کبھی حق کو طرف۔

مشاہدہ جناب قدس۔ اس کے بعد وہ اپنے نفس سے بھی غائب ہوجاتا ہے اور صرف جناب قدس ہی کا اس کو مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور اگر نفس پر نگاہ پڑھ بھی گئی اور اس کا خیال آ بھی گیا تو اس لحاظ سے کہ وہ حق تعالی کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ نفس کی زینت پر اس کی نظر ہو جیسے اس سے سابق کے درجے میں اس کو ایک ترددی حالت تھی کہ کبھی نفس کی زینت پر نظر پرتی تھی اور کبھی حق پر غرض کہ اس مقام پر وصول تام ہوجاتا ہے۔

مراتب کا باہمی تفاضل۔ یہ بات ظاہر ہے کہ وصول کے سابق کے مدارج گو اپنے اپنے موقع موقع میں اعلی درجے کے ہوں مگر بہ نسبت وصول کے ناقص ہی ہوں گے۔ دیکھئے زہد میں جو ہر چیز سے علحدگی حاصل کی جاتی ہے وہ خود ایک قسم کی مشغولی ان اشیاء کے ساتھ ہے۔ اور نفس کو مرتاض بنانا ایک قسم کی عاجزی ہے کہ وہ بھی اس قابل سمجھا جا رہا ہے کہ اطاعت نہ کرے گا جس سے ہم عاجز ہوجائیں گے۔ اور اپنی ذات کی زینت اگرچیکہ حق تعالی ہی کی وجہ سے حاصل ہوئی ہو اس سے خوش

ہونا گمراہی ہے۔ ان تمام خرابیوں سے رہائی اسی میں ہے کہ ہمہ تن حق تعالی کی طرف متوجہ ہوجائیں۔

درجات عرفان خداوندی۔ عرفان کی ابتداء تفرق سے ہے یعنی جو چیز عارف کو حق کی طرف سے پھیرے اس سے علحدگی۔ پھر نفض یعنی دامن جھٹک دینا اس غبار سے جو خاطر کو مکدر کردے اور حق تعالی کے ساتھ جو صفائی حاصل ہے اس میں تفرقہ انداز ہو۔ پھر ترک یعنی ہر قسم کی لذتوں کو چھوڑ دینا پھر رفض یعنی اپنے نفس کی طرف بھی التفات نہ کرنا۔

پھر جب عرفان اس سے بھی دور بڑھ جاتا ہے تو وہ جمع کا مقام ہے یعنی تمام صفات حق مرید صادق کی ذات میں جمع ہوجاتے ہیں۔

پھر انتہا عرفان کی واحد کی طرف ہوتی ہے۔ اس کے بعد وقوف ہے۔ جو شخص عرفان کو عرفان ہی کیلئے اختیار کیا ہو تاکہ معلوم کرے کہ عرفان کیا چیز ہے تو وہ دو کا قائل ہو گیا اور جس نے عرفان کو اس درجے میں رکھا کہ گویا اس کو پایا ہی نہیں بلکہ معروف یعنی حق تعالی کو پایا سو یہ شخص البتہ بحر وصول میں غوطہ زن ہے۔

وصول کے بعد کے حالات قابل بیان نہیں۔ پھر وصول کے بعد جو مدارج ہیں وہ بھی ماقبل کے مدارج سے کم نہیں مگر ہم اختصار کے لحاظ سے ان کو ترک کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اس مقام کی باتوں کو سمجھانے والی نہ کوئی عبادت ہوسکتی ہے نہ گفتگو اور نہ ان کا کشف ممکن ہے البتہ کچھ خیال کرلے سکتے ہیں۔ اگر ان مدارج کو معلوم کرنا منظور ہو تو بتدریج ترقی کرے یہاں تک کہ اہل مشاہدات اور ان لوگوں سے ہوجائے جو واصلین حق ہیں جو آثار کے سننے پر کفایت نہیں کرتے۔

عارف ہمیشہ خوش رہتا ہے۔ عارف ہمیشہ ہشاش بشاش اور شادان و فرحاں رہتا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ حق تعالی کے ساتھ بلکہ ہر چیز کے ساتھ فرحان ہے اس لئے کہ ہر چیز میں وہ حق کو دیکھتا ہے جس طرح وہ بزرگوں کی بزرگی کرتا ہے تواضع کی راہ سے چھوٹوں کی بھی تعظیم کرتا ہے اور عقلمند اور بیوقوفوں کے ساتھ اس کا انبساطی معاملہ ایک ہی قسم کا ہوتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک سب ایک وجہ سے برابر ہیں۔

عارف کی حالتیں: عارف کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ایک حالت یہ کہ دوسرے شواغل تو درکنار کسی کی آہٹ سننے کا بھی متحمل نہیں ہوسکتا۔ جب نفس کی طرف سے کوئی حجاب واقع ہوا ہو یا سر کو کسی طرف حرکت ہوگئی ہو اور چاہتا ہے کہ اس کو حق تعالی کی طرف متوجہ کرے تو اس موقع میں ادنی حرکت بھی اس کے لئے مضر ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے جب وصول الی الحق ہوجائے تو اس وقت اس کو حق تعالی کے ساتھ اس قسم کی مشغولی ہوتی ہے کہ کسی چیز کی طرف توجہ ہوتی ہی نہیں اور اگر ہو بھی گئی تو مضر نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ ماسوی اللہ میں بھی وہ مشاہدہ حق کرسکتا ہے اور ایک حالت یہ ہے کہ خلعت کرامت سے مشرف ہوکر جب رجوع الی الخلق کرتا ہے تو اس وقت جو بہجت اور فرحت اس کو ہوتی ہے شاید ہی کسی کو ہوتی ہو۔

عارف کسی کے حال کی تلاش اور تجسس نہیں کرتا اور نہ کسی بری بات کے دیکھنے سے اس کو غصہ آتا ہے اس لئے کہ اس کی نظر اس سر الہی پر ہوتی ہے جو قضا و قدر میں ہے جب وہ امر بالمعروف کرتا ہے تو نہایت نرمی سے خیر خواہانہ طور پر

کرتا ہے نہ اس میں سختی ہوتی ہے نہ عار دلانا اور جب کوئی معروف اور عمدہ چیز بہت بڑی ہو تو وہ غیرت کی راہ سے نہیں چاہتا کہ کسی نااہل کو یسر ہو جو اس حق میں باعث ضرر ہو۔

عارف شجاع و دلیر ہوتا ہے کیونکہ اس کو موت کا کچھ خوف نہیں اور جواد ہوتا ہے کیونکہ وہ مال کو ایک حقیر اور باطل چیز سمجھتا ہے جو محبت کے قابل نہیں۔ اگر کوئی قصور کرے تو وہ معاف کر دیتا ہے کیونکہ کسی بشر کی لغزش کو وہ قابل مواخذہ نہیں سمجھتا۔ وہ کینوں کو بھول جاتا ہے کیونکہ یاد الہی سب چیزوں کو بھلا دیتی ہے۔

عارفوں کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ لباس فاخرہ اور ترفہ اور مبتذل حالت ان کے نزدیک یکساں ہے بلکہ اکثر ردی حالت ہی کو پسند کرتے ہیں اور کبھی زینت اور لباس فاخرہ بھی اختیار کرتے ہیں۔ اور کبھی عطر و خوشبو کا استعمال بھی کرتے ہیں اور ہر چیز میں نفاست کو درست رکھتے ہیں اور کبھی ایسی حالت میں رہتے ہیں کہ لوگوں کو کراہت ہو غرض کہ ان کو ظاہری حالت سے کوئی تعلق نہیں جس طرح اسباب و دواعی ان کے باطن میں خطور کرتے ہیں اس کے مطابق وہ اپنی ظاہری حالت رکھتے ہیں۔

عارف سب سے غافل ہو جاتا ہے۔ عارف جب عالم قدس سے متصل ہوتا ہے تو اس کو تمام چیزوں سے غفلت ہو جاتی ہے یہاں تک کہ غیر مکلف لوگوں کے حکم میں ہو جاتا ہے کیونکہ تکلیف شرعی آدمی کو اسی حالت میں ہے جس میں وہ تکلیف کو سمجھتا ہے یا گناہ کرتا ہے۔

مسائل تصوف کی حقیقت: نادان و غبی تصوف کے مسائل پر تمسخر کرتے ہیں۔ بارگاہ آلہی ایسی نہیں کہ ہر شخص کا وہاں گذر ہو یا ہر شخص اس پر مطلع ہو سکے اسی وجہ سے اس فن کے مسائل پر نادان اور غبی لوگ تمسخر کرتے ہیں اور محصلین اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

آدمی کو لازم ہے کہ اگر کوئی بات اس کی سمجھ میں نہ آئے تو اپنے نفس کو متہم کرے کہ شاید ہمیں اس سے مناسبت نہیں اور یہ خیال کرے کہ ہر شخص پر وہی چیز آسان ہوتی ہے جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

یہ نمط تاسع کا ماحصل تھا اس کے بعد نمط عاشر میں اولیاء اللہ سے جو عجائب و مذاہب امور صادر ہوتے ہیں ان کا ذکر کیا ہے اس کا ماحصل بھی بمناسبت مقام ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

لکھا ہے کہ اگر تمہیں خبر پہنچے کہ کوئی عارف اپنی معمولی مختصر قوت کو بھی اتنی مدت چھوڑ دیا جس کا ترک عادتاً خلاف عقل ہے تو اس کی تصدیق کر لو اور یہ سمجھو کہ امور طبعیہ میں بھی اس قسم کی بات ہوا کرتی ہے۔ دیکھئے جب طبیعت مواد فاسدہ کو ہضم کرنے کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور مواد محمودہ کو حرکت دینے کی نوبت نہیں آتی تو وہ اکثر محفوظ رہتے ہیں اور بہت کم تحلیل ہوتے ہیں جس سے ایک مدت تک بدل تحلیل کی ضرورت نہیں ہوتی اس وجہ سے بعض بیمار اتنی مدت تک غذا نہیں کھاتے کہ اس کے دسویں حصے میں آدمی غذا نہ کھائے تو ہلاک ہو جائے۔ اس سے ثابت ہے کہ صرف غذا کھانے پر آدمی

کی زندگی کی موقوف نہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ عارف کی زندگی کے اسباب غذا نہ ملنے کی حالت میں کچھ اور ہی ہوں۔

یہ بات نمط ثالث میں ثابت ہو چکی ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ہیئات نفس میں اولاً واقع ہوتی ہے اس کے بعد قوائے بدنیہ پر اس کا نزول ہوتا ہے جیسا کہ اس کا عکس بھی ہوتا ہے کہ قوائے بدنیہ کی ہیئات نفس تک صعود کر جاتی ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ جب نفس پر خوف شدید طاری ہوتا ہے تو شہوت ساقط ہوجاتی ہے اور ہضم میں فساد اجاتا ہے اور قوائے طبعیہ کے افعال خلل پذیر ہوجاتے ہیں۔

جب نفس مطمئنہ قوائے بدنیہ کو مرتاض کرتا ہے تو جن کاموں میں وہ مصروف ہوجاتا ہے اس کے ساتھ دو قوتیں بھی کھچ جاتی ہیں اور جس قدر نفس کا جذبہ شدید ہوا ان کا انجذاب بھی اسی درجے کا ہوگا۔ جس کی وجہ سے قوائے بدنیہ اپنے کاموں سے بیکار رہیں گے۔ رہا بدل ما یتحلل سو جس قدر مرض کی حالت میں تحلل ہوتا ہے یہاں اس سے بھی کم ہوتا ہے اس وجہ سے کہ مرض حار میں گو طبعیت کا تصرف نہ سہی مگر حرارت غریبہ کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تحلیل ضرور ہوگی اور وہ یہاں مفقود ہے۔

اور دوسرے یہ کہ مرض کا وجود جب جسم میں ہوتا ہے تو وہ جتنی قوتیں جسمانی ہیں سب کو ضعیف بلکہ ساقط کر دیتا ہے۔ اور اس کا وجود یہاں نہیں۔ غرض کہ عارف میں نہ سوئے مزاج حار ہے جو باعث ضرورت بدل ما یتحلل ہو نہ قوی اس کو سکون بھی حاصل ہے تو ظاہر ہے کہ عارف بیمار سے زیادہ مدت تک غذا کو ترک کر سکتا ہے اور قوت بھی اس میں باقی رہ سکتی ہے اس سے ظاہر ہے کہ عارف کا ایک مدت دراز تک بھوکا رہنا مذہب طبعیت کے بھی خلاف ہے۔

عارف کے کام کی حکمت اگر تم سے کوئی کہے کہ عارف نے کام یا تحریک یا حرکت ایسی کی جو اوروں سے نہ ہوسکے تو بالکل اس کا انکار مت کرو کیونکہ مذہب طبعیت میں بھی اس کا سبب مل سکتا ہے۔ دیکھئے آدمی جب اپنی حالت اعتدالی میں ہوتا ہے تو اس کی ایک محدود قوت ہوتی ہے جس سے وہ معمولی کام کیا کرتا ہے۔ پھر جب اس کے نفس کو ایک خاص قسم کی ہیئات عارض ہوتی ہے تو اس کی قوت اتنی کمزور ہوجاتی ہے کہ اعتدالی حالت میں جو کام کرتی تھی اب اس کا دسواں حصہ نہیں کر سکتی ہے۔ جیسے خوف و غم کی حالت میں مشاہد ہے اور کبھی نفس کو ایسی ہیئات عارض ہوتی ہے کہ اپنی معمولی قوت سے کئی حصے زیادہ کام کرتا ہے جیسے غصہ یا مناقشہ و تعلی کی حالت میں یا معتدل نشے کے وقت یا طرب انگیز فرحت کی حالت ہے۔

غرضکہ قوت خالص حالتوں میں کم و زائد ہوا کرتی ہے۔ پھر اگر عارف کو نشاطی حالت جو کمال فرحت کے وقت ہوتی ہے عارض ہو اور اس کو قوتیں ایک قہری غلبے کی قوت دیں یا عزت کی وہ کیفیت حاصل ہو جو مناقشے کے وقت ہوتی ہے اور قوی حمیت کی وجہ سے مشتعل ہوں تو یہ حالت اس حالت سے جو غضب یا طرب کے وقت ہوتی ہے۔ بڑھ جائے گی کیوں نہ ہوں اس کا ظہور تو خاص حق کی جانب سے ہے جو قوتوں کا پیدا کرنے والا اور اصل رحمت ہے۔

(از مقاصد الاسلام حصہ ہفتم)

الاستفتاء

حضرت مولانا مفتی محمد عظیم الدین صاحب
مفتی جامعہ نظامیہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرغ کو ذبح کرنے کے بعد گرم پانی میں ڈال کر اس کے پر اور بال نکالے جاتے ہیں اس طرح کے عمل کے بعد مذکورہ مرغی کا کھانا حلال ہے یا مکروہ ۔ نیز مرغ کو اس کی جلد کے ساتھ کھانا کیسا ہے ؟ بینوا توجروا۔

الافتاء

مذبوحہ مرغ کو گرم پانی میں ڈالنے کے بعد اس کی گرمی صرف پروں تک محدود ہو اور پر نکالے جائیں تو کوئی حرج نہیں ۔ گرمی اگر اندرون اعضاء مثلا معدہ وغیرہ تک پہنچ کر گوشت میں سرایت کر جائے تو ایسا گوشت نجس ہوجائیگا شرح مراقی الفلاح ص ۹۲ میں ہے لو القیت دجاجۃ حال غلیان الماء قبل ان یشق بطنھا لنتف الریش قبل ان یغسل ان وصل الماء الی حد الغلیان و مکثت فیہ بعد ذلک زمانا یقع فی مثلہ التشرب و الدخول فی باطن اللحم لاتطھر ابدا.... و ان لم یصل الماء الی حد الغلیان او لم تترک فیہ الا مقدار ماتصل الحرارۃ الی سطح الجلد لاغلال مسام السطح عن الریش و الصوف تطھر بالغسل ثلاثا" صورت مسؤل عنھا میں مذبوحہ مرغ کو بسہولت پر نکل جانے کی غرض سے اسی قدر گرام پانی رکھا جائے جس سے گرمی صرف جلد تک پہنچ جائے اور پر اس کے بآسانی نکل آئیں ۔ تو اس عمل سے کوئی حرمت و کراہت لازم نہیں آتی اس کا گوشت حلال ہے ۔ اگر کوئی بہت زیادہ گرم پانی میں اس کو ڈالے یا زیادہ دیر تک گرم پانی میں رکھے جس سے گرمی معدہ اور آنتوں تک پہنچ کر نجاست گوشت میں پھیل جائے تو دھونے سے پاک نہیں ہوگا اور اس کا کھانا درست نہیں ہوگا ۔ عام طور پر پہلی صورت ہی پر عمل ہوتا ہے البتہ اس کو تین مرتبہ دھولیا جائے ۔ مرغ کی جلد بھی حلال ہے ۔ فقط واللہ اعلم

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حضرت محمد غوث محی الدین قادری ایک متقی شخص تھے جنکے سینکڑوں ارادتمند موجود ہیں ۔ موصوف نے اپنی تدفین کیلئے ایک اراضی پسند کی تھی جو انکی ملک تھی ، اور اسمیں تدفین کی وصیت بھی کی تھی ۔ لیکن انکے انتقال پر انکے برادر زادہ نے اپنے کچھ مفادات کے تحت ایک غیر مسلم شخص کی اراضی پر جسکی ملکیت کے یہ دعویدار ہیں

اس غیر مسلم کی اجازت واطلاع کے بغیررات کی تاریکی میں دفن کردیا جبکہ مرحوم کی اہلیہ واولاد اورارادتمندوں نے اسکی مخالفت کی تھی۔
اب وہ غیر مسلم نے انتباہ دیا ہیکہ مرحوم کے جسد کو یہاں سے منتقل نہیں کیا گیا تو وہ قبر کو مسمار کرکے اس پر ہل چلادے گا۔
ایسی صورت میں مرحوم کے جسد خاکی کو منتقل کیا جاسکتا ہے یا کیا؟ بینوا توجروا

الافتـــــاء

شرعا میت کو دفن کے بعد قبر سے نکالنا منع ہے۔ تاہم اگر بلا اجازت مالک اراضی غیر کی زمین میں دفن کر دیا گیا ہے تو مغصوبہ زمین سے میت کو نکالنے کی اجازت ہے۔ اگر نہ نکالیں تو مالک اراضی کو یہ حق ہیکہ وہ میت کو نکالنے کا حکم دے یا قبر کو مسمار کرکے اس پر زراعت کرے۔ (فتاوی عالمگیری جلد اول کتاب الجنائز۔ ص ۱۶۷) میں ہے " ولا ينبغي اخراج الميت من القبر بعد ما دفن الا اذا كانت الارض مغصوبة او اخذت بشفعة كذا فى فتاوى قاضى خان، اذا دفن الميت فى ارض غيره بغير اذن مالكها فالمالك بالخيار ان شاء امر باخراج الميت وان شاء سوى الارض و زرع فيها كذا فى التجنيس " لہذا صورت مسئول عنہا میں غیر مسلم کی اراضی میں دفن شدہ میت کو نکالا جاسکتا ہے فقط واللہ اعلم۔

الاستـــــفتـــاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حکومت ہند سے بشکل یم پی، یم ایل اے فنڈ سے مسجد کی تعمیر شرعا درست ہے یا نہیں؟

الافتـــــاء

ہندوستان جیسے ملک میں غیر مسلم اصحاب کے حقوق جس طرح دستورا تسلیم کئے گئے ہیں اسی طرح مسلم اصحاب کے حقوق بھی دستوری طور پر تسلیم شدہ ہیں، دیگر اقوام وملل کی طرح حکومت کے خزانے میں مسلمانوں کا بھی حق ہے۔ اسی بناء پر بلا تخصیص مسلم، غیر مسلم عوامی مفادات کی تکمیل کے ضمن میں حکومت مذکورہ درسوال رقومات، ایم پی، یم ایل اے۔ کے سپرد کرتی ہے تاکہ وہ اسکو پورا کریں۔ اگر کوئی ایم پی، یا ایم ایل اے مذکورہ مد سے مسلم مفادات سے متعلقہ امور جیسے مسجد، مدرسہ وغیرہ کیلئے رقم دینا چاہے تو بہتر ہے کہ وہ کسی مسلم فرد یا کمیٹی کو دیدے بعد ازاں وہ فرد یا کمیٹی اس رقم سے مسجد تعمیر کرے تو درست ہے فقط واللہ اعلم

بزبان عربی مدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک اجمالی جائزہ

مولانا حافظ سید شاہ صادق محی الدین صاحب

نائب مفتی جامعہ نظامیہ

نعت عربی میں صفت کا ہم معنی ہے ۔ اردو زبان میں یہ لفظ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کیلئے خاص ہے ۔ عربی میں نعت کیلئے مدح کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے صرف نظم کیلئے خاص نہیں بلکہ نثر و نظم دونوں کا جامع ہے ۔ اس میں عمومیت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سواء دوسروں کی تعریف کو بھی شامل ہے البتہ اس قدر فرق ہے کہ زندگی میں کی جانے والی تعریف پر "مدح" اور بعد از حیات صفات حمیدہ کے بیان پر "مرثیہ" کا اطلاق ہوتا ہے ۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اس قاعدے سے مستثنی ہے ۔ آپ کی حیات پاک میں جو کچھ کہا گیا اور دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد جو کچھ کہا گیا اور کہا جا رہا ہے گا سب کا سب مدح کے ضمن میں آتا ہے ۔ سوائے ان چند اشعار کے جن میں حضرت حسان بن ثابت ،حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہما وغیرہ نے آپ کی جدائی پر رنج و غم کی کیفیات کا ذکر کیا ہے ۔ اور یہ خصوصیت اہل سنت والجماعت کے عقیدہ "حیاۃ النبی" کی وجہ سے ہے ۔

مدح میں مرکزی حیثیت جود و سخا، حلم و کرم، خاندانی شرافت و بزرگی کو حاصل ہے دور جاہلیت کے بعد اسلامی دور میں مزید ممدوح کے حسن و جمال اور ظاہری کیفیات کو بھی شاعری کا محور بنایا گیا ۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لکھے گئے عربی اشعار ان تمام اوصاف حسنہ کے ساتھ معنوی کیفیات کا بھی مظہر ہیں ۔

آپ کی تکریم اور مدح اس سے بڑھ کیا ہوگی کہ حق سبحانہ وتعالی نے خود اپنے اسماء سے آپ کو مخاطب فرمایا ۔ "احمد" و "محمد" اللہ تعالی کے اسم پاک "محمود" سے مشتق ہیں ۔ حضرت ابو طالب نے اپنے ایک شعر میں اسی جانب اشارہ فرمایا ہے ۔

وشق لہ من اسمہ لیجلہ   فذو العرش محمود و ھذا محمد

ترجمہ: اللہ تعالی نے اپنے نام سے آپ کے نام کو مشتق کیا تاکہ آپ کی عظمت کو ظاہر کرے ۔ پس عرش والا محمود ہے تو آپ محمد ہیں ۔

آپ کے اسماء روف و رحیم ، رحمۃ للعالمین ، سید المرسلین ، امام المتقین ، الصادق المصدوق ، العربی القرشی ، صاحب الحوض المورود ، الشافع المشفع وغیرہ تمام کے تمام آپ کی مدح و تعریف ہی کا بیان ہیں ۔ قرآن پاک بھی آپ کے عظیم صفات ، المدثر ، المزمل ، خاتم النبین ، السراج المنیر ، المبشر ، النذیر ، الشاھد ، النبی الاولی ، الشھید ، الرسول الکریم ، الرسول الامین الرسول المبین ، العروۃ الوثقی ، الھادی الی صراط مستقیم ، معلم الکتاب والحکمۃ وغیرہ کے ذریعہ ایسی نعت پاک بیان کر رہا ہے کہ جس کے بیان سے عقل عاجز و قاصر ہے ۔

آپ کی شان میں قصیدہ بیان کرنے والے سب سے پہلے آپ کے دادا عبد المطلب ہیں ۔ آپ کی ولادت باسعادت کی خبر پا کر

بزبان عربی مدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک اجمالی جائزہ

مولانا حافظ سید شاہ صادق محی الدین صاحب
نائب مفتی جامعہ نظامیہ

نعت عربی میں صفت کا ہم معنی ہے، اردو زبان میں یہ لفظ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کیلئے خاص ہے۔ عربی میں نعت کیلئے مدح کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے صرف نظم کیلئے خاص نہیں بلکہ نثر و نظم دونوں کا جامع ہے۔ اس میں عمومیت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سواء دوسروں کی تعریف کو بھی شامل ہے البتہ اس قدر فرق ہے کہ زندگی میں کی جانے والی تعریف پر "مدح" اور بعد از حیات صفات حمیدہ کے بیان پر "مرثیہ" کا اطلاق ہوتا ہے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے۔ آپ کی حیات پاک میں جو کچھ کہا گیا اور دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد جو کچھ کہا گیا اور کہا جا رہا ہے گا سب کا سب مدح کے ضمن میں آتا ہے۔ سوائے ان چند اشعار کے جن میں حضرت حسان بن ثابت، حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہما وغیرہ نے آپ کی جدائی پر رنج و غم کی کیفیات کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ خصوصیت اہل سنت والجماعت کے عقیدہ "حیاۃ النبی" کی وجہ سے ہے۔

مدح میں مرکزی حیثیت جود و سخا، حلم و کرم، خاندانی شرافت و بزرگی کو حاصل ہے دور جاہلیت کے بعد اسلامی دور میں مزید ممدوح کے حسن و جمال اور ظاہری کیفیات کو بھی شاعری کا محور بنایا گیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لکھے گئے عربی اشعار ان تمام اوصاف حسنہ کے ساتھ معنوی کیفیات کا بھی مظہر ہیں۔

آپ کی تکریم اور مدح اس سے بڑھ کیا ہوگی کہ حق سبحانہ و تعالی نے خود اپنے اسماء سے آپ کو مخاطب فرمایا۔ "احمد" و "محمد" اللہ تعالی کے اسم پاک "محمود" سے مشتق ہیں۔ حضرت ابو طالب نے اپنے ایک شعر میں اسی جانب اشارہ فرمایا ہے۔

وشق له من اسمه ليجله ۔۔۔ فذو العرش محمود وهذا محمد

ترجمہ: اللہ تعالی نے اپنے نام سے آپ کے نام کو مشتق کیا تاکہ آپ کی عظمت کو ظاہر کرے۔ پس عرش والا محمود ہے تو آپ محمد ہیں۔

آپ کے اسماء رؤف و رحیم، رحمۃ للعالمین، سید المرسلین، امام المتقین، الصادق المصدوق، العربی القرشی، صاحب الحوض المورود، الشافع المشفع وغیرہ تمام کے تمام آپ کی مدح و تعریف ہی کا بیان ہیں۔ قرآن پاک بھی آپ کے عظیم صفات، المدثر، المزمل، خاتم النبیین، السراج المنیر، المبشر، النذیر، الشاھد، النبی الاولی، الشھید، الرسول الکریم، الرسول الامین الرسول المبین، العروۃ الوثقی، الھادی الی صراط مستقیم، معلم الکتاب والحکمۃ وغیرہ کے ذریعہ ایسی نعت پاک بیان کر رہا ہے کہ جس کے بیان سے عقل عاجز و قاصر ہے۔

آپ کی شان میں قصیدہ بیان کرنے والے سب سے پہلے آپ کے دادا عبد المطلب ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت کی خبر پا کر

بے انتہامسرت کے ساتھ آپ کو اپنے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے۔ اور اللہ کی عطا کا شکر ان الفاظ میں ادا کیا۔

الحمد للّٰہ الذی اعطانی　　　هذا الغلام الطیب الاردانی

قد ساد فی المهد علی الغلمان　　　اعیذه بالبیت و الارکان

حتی اراه بالغ البنیان　　　اعیذه من شر ذی شنان

ترجمہ: تمام تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے ایسا پاکیزہ صاحبزادہ عطا کیا بچپن میں وہ تمام بچوں کے سردار ہیں۔ میں ان کو کعبۃ اللہ اور ارکان کعبۃ اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ یہاں تک کہ میں ان کو دیکھو وہ بڑی عمر کے ہوجائیں۔ میں ان کو اللہ حفاظت میں دیتا ہوں کسی بھی دشمن کی شرارت سے۔

حضرت ورقہ بن نوفل جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کے چچازاد بھائی ہیں اپنے ایک دراز قصیدے میں نبی مرسل کے مبعوث ہونے کا ذکر کرتے ہوئے آپ سے اپنی انتہائی محبت کا ذکر کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ آپ کی ذات اقدس ایک عظیم شان کی مالک ہوگی اور اس قصیدے میں آپ کی پیروی کرنے والوں کی عظمت و بزرگی اور آپ کی مخالفت کرنے والوں کی ہلاک ہونے کی پیشن گوئی فرماتے ہیں اس کے چند شعر یہاں پیش کئے جارہے ہیں۔

بان محمدا سیسود فینا　　　ویخصم من یکون له حجیجا

ویظهر فی البلاد ضیاء نور　　　یقیم به البریة ان تموجا

فیلقی من یحاربه خسارا　　　و یلقی من سالمه فلوجا

فیالیتنی اذا ما کان ذاکم　　　شهدت فکنت اولهم ولوجا

ترجمہ: یقینا عنقریب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان سردار ہوں گے "جس کی آپ تائید فرمائیں وہ غالب رہیں گے شہروں میں آپ کے نور کی روشنی ظاہر ہوگی جس سے آپ مخلوق کو بگڑنے سے ٹھیک کریں گے جو آپ سے جنگ کرے گا وہ نقصان میں رہے گا اور جو آپ سے مصالحت کرے گا وہ خوشحال رہے گا اے کاش کہ اگر میں موجود رہتا تو سب سے پہلے آپ کی مدد کیلئے آگے بڑھتا۔ آپ کے چچا حضرت ابوطالب نے آپ کی مدح میں ایک طویل قصیدہ لکھا ہے جس میں آپ کو بنو ہاشم کی بزرگ ترین اور صاحب مرتبت شخصیت قرار دیا ہے۔

اذا اجتمعت قریش لمفخر　　　فعبد مناف سرها و صمیمها

و ان حصلت انساب عبد منافها　　　ففی هاشم اشرافها و قدیمها

و ان فخرت یوما فان محمدا　　　هو المصطفی من سرها و کریمها

ترجمہ: اگر قریش کسی دن اپنے فخر کیلئے جمع ہوں تو عبد مناف ان سب میں اصل قرار پائیں گے۔ اگر عبد مناف کے تمام لوگ جمع ہو جائیں تو ہاشم میں تمام قدیم بزرگیاں موجود پائیں گے۔ اور بنو ہاشم کبھی فخر کیلئے جمع ہوں تو انھیں معلوم ہوگا کے حضرت محمد

مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ان سب میں اصل اور باعث بزرگی ہیں۔

دنیا میں عام طور پر لوگ خاندان کی وجہ سے عظمت پاتے ہیں لیکن بعض اوقات خاندانوں کو کسی فرزند جلیل سے عظمت و بزرگی حاصل ہوتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ان میں وہ اعلی و ارفع ہستی ہے جن سے آپ کے بزرگ خاندان کو مزید بزرگی و عظمت حاصل ہوئی۔ کسی شاعر نے اسی مفہوم کو اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

و کم اب قد علا بابن له شرف　　　کما علا بر سول اللہ عدنان

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں سرگرم عمل ہو جاتے ہیں اور کھلے عام تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے ہیں تو کفار و مشرکین مخالفت شروع کر دیتے ہیں اور حضرت ابوطالب کے ذریعہ آپ کو تبلیغ دین سے باز رکھنا چاہتے ہیں ایسے حالات میں آپ حضور کی سرپرستی فرماتے ہیں اور آپ کی تائید فرما کر سرداران قریش کو بھی حیرت میں ڈالدیتے ہیں آپ کا ایک طویل قصیدہ جس کے چند اشعار سے جہاں آپ کی تائید معلوم ہوتی ہے وہیں آپ کے دین اسلام کو حق جاننے کی رہنمائی ملتی ہے۔

واللہ لن یصلوا الیک بجمعھم　　　حتی اوسد فی التراب دفینا

فاصدع بامرک ماعلیک غضاضۃ　　　لقد صدقت فکنت ثم امینا

و عرضت دینا لا محالۃ انہ　　　من خیر ادیان البریۃ دینا

ترجمہ: اللہ کی قسم وہ تمام کے تمام آپ کو کوئی گزند نہ پہونچا سکیں گے یہاں تک کہ میں مٹی میں دفن کر دیا جاؤں، آپ کھلے عام تبلیغ کا فریضہ انجام دیجئے جس کا آپ حکم دیا گیا ہے، آپ کیلئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے یقینا آپ صادق و امین ہیں، آپ ایک ایسا دین لائے ہیں جو بلاشبہ دنیا کے تمام دینوں میں سب سے بہترین دین ہے۔

حضرت ابو طالب کی زندگی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کیلئے وقف تھی آپ نے ہمیشہ ہی آپ کی طرفداری کی، ایک طویل قصیدے میں آپ نے دشمنوں اور مخالفین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہوئے آپ کی شان میں ایک ایسا شعر لکھا جو عربی ادب کا عظیم شاہکار ہونے کے ساتھ آپ سے والہانہ محبت اور اللہ کے ہاں آپ کی محبوبیت کے یقین کا اظہار ہے۔

و ابیض یستسقی الغمام بوجھہ　　　ثمال الیتمی عصمۃ للارامل

ترجمہ: آپ روشن چہرے والے ہیں آپ کے چہرہ انور کے وسیلہ سے بارش طلب کی جاتی ہے آپ یتیموں کی جائے پناہ اور بیواؤں کے دستگیر ہیں۔

اس شعر میں مکہ کی اس قحط سالی کی طرف اشارہ ہے جب قریش ابو طالب کے ہاں دعا کی درخواست لیکر پہونچے تھے اور ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبۃ اللہ میں لے جا کر اپنی پیٹھ کعبۃ اللہ سے لگا کر حضور کا واسطہ دے کر دعا فرمائی تھی حضور

کے دست مبارک سے اشارہ فرمانے پر ہر طرف بادل جمع ہوگئے تھے اور وادیاں بارش کی کثرت کی وجہ بہنے لگی تھیں۔

حضرت ابو طالب کی مسرت کا اظہار آپ کی ولادت باسعادت پر اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے

وانت لما ولدت اشرقت الار ض وضاءت بنورک الافق

فنحن فی ذالک ایضاء و فی النور سبیل الرشاد نستبیق

ترجمہ: جب آپ کی ولادت ہوئی تو زمین چمک اٹھی اور سارے افق روشن ہوگئے اور ہم اس روشنی میں بھلائی و ہدایت کے راستہ کی طرف چلتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مدحیہ اشعار کہنے والوں میں حضرت ابو طالب کے بعد حسان بن ثابت، اعشی، ابن رواحہ، کعب بن زہیر رضی اللہ عنھم کے نام ملتے ہیں جن کا ذکر سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ شعر تو زبان زد خاص و عام ہے اگرچیکہ بعض محققین جیسے علامہ نبھانی رحمہ اللہ نے اس کو دوسروں کی طرف منسوب کیا ہے۔

واجمل منک لم ترقط عینی واحسن منک لم تلد النساء

خلقت مبرءا من کل عیب کانک قد خلقت کما تشاء

آپ سے بڑھ کر خوبصورت اور جمیل میری نگاہوں نے نہیں دیکھا، اور آپ سے زیادہ حسین وجود کس عورت نے نہیں پیدا کیا، اللہ تعالی نے آپ کو تمام عیبوں سے پاک پیدا فرمایا، گویا آپ کو آپ کی چاہت کے مطابق کامل حسن و جمال اور کمال والا بنا کر پیدا فرمایا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ دربار رسالت کے مشہور شاعر ہیں آپ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور اسلام کے خلاف لکھنے والوں کا جواب دیتے تھے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کی روایت ہے کہ حضرت حسان کیلئے مسجد میں منبر رکھا جاتا جس پر آپ قیام فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح فرماتے۔ النصحۃ العنبریہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ بھی فرمایا "ان اللہ یوید حسان بروح القدس"

جنگ بدر کے مقتولین کو جب ایک خشک کنویں میں ڈالدیا گیا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خطاب کر کے فرمایا" لقد وجدتم ماوعدربکم حقا" کیا تمہارے رب نے جو تم سے وعدہ کیا تھا اس کو تم حق پایا" ولقد وجدنا و ماعدنا ربنا حقا" اور ہم نے تو ہمارے رب کے وعدہ کو جو ہم سے کیا تھا سچ پایا یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا یارسول کیا وہ سنتے ہیں آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا" ما انتم باسمع منھم" تم ان سے زیادہ نہی سن پاتے، یعنی وہ تم سے اچھا سنتے ہیں۔

اس واقعہ کو حضرت حسان رضی اللہ عنہ اشعار میں قلمبند کیا ہے۔

ینادیھم رسول اللہ لما قذفناھم کباکب فی القلب

الم تجدو کلامی کان حقا و امر اللہ یاخذ بالقلوب

فمانطقوا ولو نطقو القالوا صدقت و کنت ذی رائی مصیب

جب ہم نے ان تمام کو اکٹھا کر کے پرانے کنویں میں پھینک دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نداء دی اور ان کو پکارا کیا تم نے میری بات کو حق نہیں پایا۔ یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم دلوں کو پکڑ لیتا ہے تو وہ گویا نہیں ہوئے اور کچھ نہیں کہہ سکے۔ اگر وہ کچھ کہنے کے موقف میں ہوتے تو ضرور کہتے کہ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ بالکل حق و سچ تھا۔ اور آپ درست و صحیح رائے رکھنے والے ہیں اور حق بات بتانے والے تھے۔

کعب "زہیر بن ابی سلمی کا بیٹا ہے جس کو عرب کے اشعر الشعراء میں شمار کیا جاتا ہے اور اس کا قصیدہ سبعہ معلقہ میں شامل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کعب بن زہیر کا قصیدہ، قصیدہ بانت سعاد کے نام سے مشہور ہے جس کو خود کعب نے بلاواسطہ دربار رسالت میں سنایا اور انعام میں ردائے پاک حاصل کی۔ واقعہ یہ ہے کہ زہیر رضی اللہ کے دو فرزند تھے ایک کعب اور دوسرے بجیر فتح مکہ کے بعد بجیر نے اسلام قبول کرلیا جب کعب کو یہ خبر پہونچی تو بجیرؓ کے پاس اس نے چند شعر لکھ کر روانہ کئے جس میں دین اسلام کی ہجو کے ساتھ اپنے بھائی بجیر کو اپنے آبائی مشرکانہ دین پر لوٹ آنے کی ترغیب تھی، کعب کی اسلام دشمنی میں روز بروز اضافہ ہی ہونے لگا اور جب ان کی زیادتیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو حضور پاک علیہ الصلوۃ والتسلیم نے کعب کا خون مباح فرمادیا۔ ان حالات کی بجیر نے اپنے بھائی کو خبر کر دی اور لکھا کہ اے میرے بھائی تم مذہب حق کی پناہ میں آجاؤ ہمارے رسول رحمۃ للعالمین ہیں، قصوروں کو معاف کرتے اور عیبوں کی ستر پوشی فرماتے ہیں۔ بھائی کی اس تحریر نے کعب کے دل میں ایمان کی تڑپ پیدا کر دی اور حق کی جانب بے ساختہ ان کے قدم اٹھ گئے۔ مدینہ پاک کی طرف رخت سفر باندھا یہ جان کر دشمنوں نے پیچھا کیا، دوستوں نے دامن چھڑالیا۔ خوف کی وجہ سے راتوں کو سفر جاری رکھا اور دن میں روپوش رہتے ہوئے مدینہ منورہ پہونچے اور الامان الامان کا نعرہ لگاتے ہوئے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوئے۔ یہ دیکھ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا ارے یہ تو کعب ہیں، ایک انصاری صحابی نے قتل کی اجازت چاہی جس پر کعب نے کہا یارسول میں نے اسلام قبول کرلیا اور شرک سے توبہ کرلی ہے پھر کلمہ شہادت کا اقرار کرتے ہوئے آپ سے معافی کا خواستگار ہوئے اور کہا

انبئت ان رسول اللہ اوعدنی والعفو عند رسول اللہ مامول

مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے وعدہ فرمایا ہے اور آپ کی جناب سے عفو کی امید کی جاتی ہے۔ شاعر نے مذکورہ قصیدہ میں اپنے عرض حال کو یوں بیان کیا کہ دشمن تو دشمن میرے دوست جن سے حفاظت و اعانت کی امید تھی کنارہ کش ہوگئے اور صاف کہدیا کہ اپنی حفاظت کی خود تدبیر کرلو، دوستوں کی بے التفاقی نے مجھے راہ حق

دکھائی اور میری ہدایت کا ذریعہ بن گئی اور میں بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ اے مجہول النسب لوگو میرا راستہ چھوڑ دو اور مجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عالی وقار میں جانے سے مت روکو کیونکہ اللہ نے جو مقدر فرما دیا ہے وہ ہو کر رہے گا اس دنیا کی آخری منزل موت ہے۔ ہر انسان کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قصوروارؤں کے قصور معاف فرما دیتے ہیں میں اپنے گناہوں کا بوجھ لیکر آپ کی بارگاہ عالی وقار میں حاضر ہو رہا ہوں تاکہ آپ مجھ سے میرے بوجھ کو ا ردیں۔ مذکورہ مفہوم پر مبنی قصیدہ سناتے ہوئے شاعر جب اس شعر پر پہونچا

ان الرسول لنور یستضاء بہ　　　مھند من سیوف الھند مسلول

بے شک حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سبحانہ کا نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور دشمنوں کے حق میں آپ کی ذات محترم ایک ہندی شمشیر برہنہ ہے، اس کے مصرعہ ثانیہ سے جب شاعر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر ناگواری کے آثار محسوس کئے تو من سیوف الھند کو من سیوف اللہ سے بدل دیئے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مظہر اللہ کی شمشیر برہنہ ہیں جس پر مسرور ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رداء مبارک مرحمت فرمائی۔ ظاہر ہے کہ یہ رداء مبارک لاقیمت شئی ہے دو جہاں کی نعمتیں اس کی قیمت نہیں بن سکتی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رداء مبارک کیلئے دس ہزار درہم کا پیشکش کیا، لیکن شاعر نے اس کو مسترد کر دیا اور اس خلعت مبارکہ کا اپنے سے زیادہ دنیا میں کسی کو متحق نہیں جانا حضرت ابوسفیان بن حارث حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہوتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد اپنے دلی جذبات تعلق و محبت کے اظہار کو اس طرح بیان کیا ہے۔

نبی کان یجلو الشک عنا　　　بما یوحی الیہ و مایقول

و یھدینا فلا نخشی ضلالا　　　علینا والرسول لنا دلیل

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے معظم نبی ہیں جن پر وحی الٰہی کا نزول ہوتا رہتا ہے اس مبارک وحی الٰہی اور اپنے ارشادات مبارکہ سے شکوک و شبہات ریب و ارتیاب کو دور فرماتے ہیں اور اس طرح دلوں کو نور ایمان و ایقان سے معمور فرما دیتے ہیں اس لئے اب ہمارے گمراہ ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور گمراہ ہو جانے کا کوئی ڈر و خوف بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہادی و رہنما ہیں اور ہمارے لئے حجت و دلیل ہیں۔

حضرت شیما رضی اللہ عنہا حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن ہوتی ہیں انھوں نے اسلام قبول کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت سے وابستہ ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ بے پناہ محبت و عقیدت رکھتی تھیں اپنی نسبت و تعلق کے پاکیزہ جذبات کو الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔

یا ربنا ابق لنا محمدا　　　حتی نراہ یافعا و امردا

ثم نراہ سیدا و مسودا   و اکبت اعادہ معا و الحسد

اے پروردگار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بقاء دوام عطا فرما اور حیات دائمی و ابدی سرفراز فرما کہ آپ ایک خوبرو نوجوان ہیں قوموں میں آپ کی سرداری مسلم رہے ۔عزت و سر بلندی میں ممتاز رہیں آپ سب کے مقتداء رہیں آپ کے حاسدین و مخالفین ہمیشہ سرنگوں رہیں یہ میرے بھائی ہیں اگرچیکہ میری ماں کے ہاں ان کو خلعت وجود نہیں ملا اور نہ ہی یہ میرے والد اور چچا کی نسل سے ہیں پھر بھی میں دل و جاں سے ان پر قربان ہوں۔

خانۂ کعبہ کی تعمیر ہوئی اس میں حجر اسود کی تنصیب کا مرحلہ آپہونچا تو عرب قبائل کے درمیان شدید اختلاف رونما ہوا ہر قبیلہ کی خواہش یہ تھی کہ یہ خدمت ان کے حصے میں آئے ۔

ہر قبیلہ یہ شرف خود حاصل کرنا چاہتا تھا کوئی بھی کسی اور کے حق میں ایثار کیلئے تیار نہیں تھا عربوں کی یہ عادت تھی کہ وہ ہر چھوٹی بڑی بات پر جنگ کیلئے تیار ہوجاتے ۔شرف کے حصول میں جانوں کا ضیاع ان کے پاس کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا، جان دینا گوارہ کرلیتے لیکن شرف و بڑائی کو کسی قیمت پر چھوڑنے تیار نہ ہوتے ۔ ایسے وقت میں جبکہ عرب قبائل دست بگریباں ہونے کے قریب تھے قتل و خون اور عظیم جنگ واقع ہونے اثار رونما ہوچکے تھے ۔ ایسے نازک وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی نے اس قضیہ نامرضیہ کو مٹادیا اور عربوں کے درمیان ہونے والی جنگ کو اپنی حسن تدبیر سے ٹلادیا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس موقع پر عرب قبیلوں کے درمیان ایک سمجھوتہ ہوا اور یہ بات طے پائی کہ کل صبح سب سے پہلے مسجد حرام میں آنے والے کو اس کے فیصلہ کا حق رہے گا۔ چنانچہ سب نے اس سے اتفاق کرلیا دوسرے دن مسجد حرام میں سب سے پہلے تشریف لانے والی ذات گرامی حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی طے شدہ امر کے مطابق سب نے مل کر بالاتفاق حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصلہ کرنے کا مجاز گردانا۔ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت عملی اختیار فرماتے ہوئے حجر اسود کو ایک چادر میں رکھا اور اور سارے قبائل کے روساء کو چادر تھامنے کی ہدایت فرمائی اس طرح سارے قبائل خوش ہوگئے ۔ مبنی برحکمت اس فیصلہ نے قتل و غارت گری کے آنے والے سیلاب پر گویا ایک بندھ باندھ دیا اور اس طرح عرب قوم جان و مال کے عظیم نقصان سے بچ گئی۔ ہبیرہ بن ابو وہب بن عمرو نے حسب ذیل اپنے اشعار میں حجر اسود کے سلسلہ میں ہونے والے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

رضینا و قلنا العدل اول طالع   یجئی من البطحاء من غیر موعد

ففاجانا ھذا الامین محمد   فقلنا رضینا بالامین محمد

ہم اس بات پر راضی ہیں چونکہ ہم طے کرلیا تھا کہ اس فرد کا فیصلہ مانا جائے گا جو بغیر وعدہ کے مکہ سے سب سے پہلے یہاں پہنچ جائے گا ،ہوا یوں کہ اچانک ہمارے درمیان یہ امین محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے یقینا ہم ان کے فیصلہ سے

راضی ہیں۔ جن کا نام پاک محمد امین (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکۃ المکرمۃ سے مدینۃ المنورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو مدینہ منورہ پہونچنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا کی بستی میں قیام فرمایا جب اپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم پاک مدینہ طیبہ کی طرف بڑھنے لگے تو عجیب ایمان افروز و روح پرور منظر تھا۔ قبا سے مدینہ پاک تک راستے کے دونوں رخ پر جانثاروں کا ہجوم تھا۔

پردہ نشین خواتین بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشتیاق دیدار میں اپنے اپنے گھروں کی چھتوں پر نکل آئیں تھیں۔

ننھی ننھی بچیوں کے نازک لبوں پر ترانہ مسرت وزمزمۂ محبت وشکر جاری تھا۔

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا — ما دعا للّٰہ داع

ایھا المبعوث فینا — جئت بالامر المطاع

پہاڑی کے اس موڑ سے جہاں سے قافلے رخصت کئے جاتے ہیں آج ہم پر چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا ہے۔ ہم پر اللہ کا شکر ادا کرنا اس وقت تک ضروری ہوگیا ہے جب تک اس عالم میں اللہ کے نام لیوا رہیں گے اور مخلوق خدا کو اللہ کی طرف دعوت دینے والے باقی رہیں گے۔ اے وہ ذات پاک جن کو ہمارے درمیان مبعوث فرمایا گیا ہے واجب الاطاعت حکم لیکر ہمارے ہاں تشریف لائے ہیں۔ ان کے علاوہ قبیلہ بنو نجار کی لڑکیاں دف بجا کر یہ شعر گا رہی تھیں۔

نحن جوار من بنی النجار — یا حبذا محمدا من جار

ہم بنو نجار قبیلہ کی لڑکیاں ہیں بڑی خوش نصیبی کی بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج ہمارے ہم سایہ ہیں۔

حضرت شیخ شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن سعید بن حماد البوصیری سے متعلق مشہور ہے کہ وہ مرض فالج سے اس قدر متاثر ہوگئے تھے کہ ان کا نصف حصہ بدن بالکل بے حس و معطل ہو چکا تھا حاذق اطباء نے بھی ہاتھ اٹھالیا تھا بیحد نحیف و کمزور ہوگئے تھے، متفکر و غمگین رہتے ہوئے جناب باری تعالی میں ہر وقت دست دعا پھیلائے ہوئے رہتے ۰اس دوران ان کے دل میں یہ القا ہوا کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع میں ایک قصیدہ نظم کریں۔ چنانچہ انھوں نے یہ قصیدہ لکھا۔ ایک شب انھوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے ان کی آنکھیں روشن ہیں اور یہ قصیدہ آپ کے دربار عالی میں پڑھ رہے ہیں اور حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس نہایت مسرت و شادمانی کے ساتھ سماعت فرما رہے ہیں جب امام بوصیری رحمۃ اللہ یہ شعر سنا رہے تھے۔

کم ابرات و صبابا للمس راحتہ — و اطلعت اربا من ربقۃ اللمم

کتنے ہی بیمار آپ کے دست مبارک کے لمس سے صحت یاب ہوگئے اور کتنے محتاج یعنی گمراہوں کو جنوں سے یعنی گمراہی کے قید و بند سے رہا کر دیا

تب ہی عالم رویا، میں حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک امام بوصیری رحمۃ اللہ کے بدن پر پھیرا اور ایک برد یمانی بھی آپ نے اپنے دست خاص سے عطا فرمائی جب وہ بیدار ہوئے تو بالکل صحت مند و تندرست تھے اور ان کے بدن پر واقعتہ وہ رداء مبارک موجود تھی۔ اسی مناسبت سے اس قصیدہ کا نام قصیدۃ البردۃ مشہور ہوگیا ہے۔

قصیدۃ البردۃ کا ہر شعر فصیح و بلیغ صوری و معنوی خوبیوں سے آراستہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات و اوصاف بہت عمدگی و حسن بیان سے تعبیر کئے گئے ہیں یہ شعر اپنی مثال ہے۔

فھو الذی تم معناہ و صورتہ　　　ثم اصطفاہ حبیبا۔ النسم

آپ کی ذات گرامی وہ ہے جس پر نبوت و رسالت کے تمام ظاہری، و باطنی مراتب ختم ہو چکے ہیں یہی نہیں بلکہ حق سبحانہ تعالی نے آپ کو اپنا حبیب بنالیا ہے اور سب میں اپنی محبت و دوستی کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمالیا ہے

منزہ عن شریک فی محاسنہ　　　فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

خوبیوں اور کمالات اور مراتب کا اعتبار کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب پر برتر ہیں اور ان کمالات میں کوئی آپ کا ہمسر نہیں۔ آپ کے حسن و جمال اور کمال کی کوئی خوبی تقسیم ہونے والی نہیں۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حسنہ و فضائل حمیدہ بیان کرتے ہوئے صاحب قصیدہ بردہ نے ایک بنیادی بات بیان فرمائی اور مرتبہ توحید اور مقام رسالت کے درمیان ایک خط فاصل کھینچ دیا اور اس طرح خالق و مخلوق کے درمیان کس طرح فرق لمحوظ رکھا جانا چاہئے اس کی بہترین تعبیر اس شعر میں پیش کی ہے۔

دع ما ادعتہ النصاری فی نبیھم　　　و احکم بما شئت مدحا فیہ و احتکم

عیسائی چونکہ تثلیث کا عقیدہ رکھتے ہیں (نعوذ باللہ) اس لئے صاحب قصیدہ بردہ اسلام کے عقیدہ خالص کو بیان کرتے ہوئے ہدایت کرتے ہیں کہ تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہ بات مت کہو جس کو نصاری نے اپنے نبی کے بارے میں کہا ہے اس کے سوا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفعت میں تعریف و توصیف کے جو کلمات کہہ سکتے ہو ضرور کہو کیونکہ آپ کی ذات مقدس بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کے مصداق ہے۔

قصیدۃ البردۃ معروف و مشہور قصیدہ ہے جو عام طور پر حل مقاصد و حصول برکت کیلئے بہت زیادہ پڑھا اور سنا جاتا ہے۔ عوام و خواص میں بیحد مقبول ہے مزید اس کی مقبولیت اس وجہ سے بھی ہے کہ اس کو بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سند قبولیت حاصل ہے۔ چنانچہ اس کی قبولیت کیلئے یہ بات کافی ہے کہ ایک شعر کا ثانی مصرعہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمایا ہوا ہے وہ شعر یہ ہے۔

و مبلغ العلم فیہ انہ بشر　　　و انہ خیر خلق اللّٰہ کلھم

ہمارے علم کی رسائی آپ کے کمالات کا ادراک نہیں کر سکتی ہاں اس قدر ہمارے علم کی رسائی ہے کہ آپ بشر ہیں۔

اور مختصر بات یہ ہے کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سبحانہ کی ساری مخلوق سے برتر و بہتر ہیں۔ یعنی مخلوق میں آپ کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے۔

عربی زبان میں ایک قصیدہ ذو قافیتین (دو قافیہ والا) مشہور و معروف ہے جس کے ہر شعر میں حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جملیہ کا بیان ہے اس کا پہلا شعر یہ ہے

الصبح بدا من طلعته
والليل دجى من وفرته

دن و رات کا نظام اس کائنات کا ایک ضروری حصہ ہے ان کی تخلیق میں مخلوق کیلئے کئی ایک مصالح و منافع رکھے گئے ہیں۔ شاعر نے اس شعر میں حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بے پناہ تعلق کا اظہار کرتے ہوئے یہ بیان کیا ہے کہ دن کا نور کوئی اور چیز نہیں بلکہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور روئے منور کی ضیاء پاشیوں کا نام ہے اس کی روشنی و نور نے رات کی تاریکی و ظلمت کو ختم کیا ہے۔ رات کی تاریکی گویا آپ کے سیاہ گیسوئے مبارک کے پرتو سے سیاہ پوش ہوئی ہے۔

حدیث پاک کی رو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مبارک سے کائنات کو خلعت وجود بخشا گیا ہے اس اعتبار سے یہ بات درست ہے کہ رات و دن بھی اس کائنات کا ایک حصہ ہیں اس کے سواء ایک توجیہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے پہلے دنیا کفر و شرک ظلم و طغیان کی گھٹاٹوپ تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی آپ کی تشریف آوری نے ان ساری ظلمتوں کو دور کیا اور سارا عالم نور توحید اور آسمانی الٰہی احکام و قوانین کی پاکیزہ روشنی سے جگمگا اٹھا ہدایت ربانی کی روشنی اس طرح پھیل گئی کہ ضلالت و گمراہی کی ساری تاریکیاں کافور ہوگئیں۔ اس قصیدہ کے آخر میں شاعر نے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبت کو بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گوکہ مخلوق ہیں لیکن مخلوق میں کوئی آپ کا مثل نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یعنی مخلوق اور خالق کے درمیان ایک اہم ترین وسیلہ ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برزخ کبریٰ کہا جاتا ہے، ہماری تمام تر عزت اور ہماری ساری سربلندیاں دنیا و آخرت کی ہماری کامیابی و کامرانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے وابستہ ہے۔ آپ کے بغیر ہم کچھ نہیں۔

فوسيلتنا هو سيدنا
والعز لنا باجابته

حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمہ اللہ بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں ۵۵۵ھ میں حج کی سعادت سے مشرف ہوئے اس کے بعد حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ قدس میں حاضری دی ان کی آرزو و تمنا تھی کہ یہ حاضری جسمانی حاضری ہو حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پاک کے ساتھ دست بوسی کا شرف حاصل ہو۔ اپنی اس تمنا و آرزو کو اظہار کی زبان دی اور معروضہ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا۔

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها
تقبل الارض عنی وهی نائبتی

فامد دیمک کی تخطی بہا شفتی و ھذہ دولۃ الاشبا قد حضرت

دوری کی حالت میں میری روح حاضر دربار ہوا کرتی تھی اور میری طرف سے نیابۃ آستانہ مبارک کو بوسہ دیتی تھی اور اب یہ تو جسموں کی ملاقات کا موقع ہے اس لئے اپنا دست مبارک دراز فرما دیجئے کہ میرے ہونٹ دست بوسی کے شرف سے مشرف ہوں یہ معروضہ کچھ اس قدر دل کی گہرائیوں سے نکلا تھا وہ شرف قبول پائے بغیر نہیں رہ سکا اور یہ منظر دنیا نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک قبر شریف سے بر آمد ہوا ہے اور آرزوں اور تمناؤں نے اپنے خواب کی تعبیر پائی ہے۔ حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمہ اللہ دست بوسی کا شرف پا رہے ہیں ارباب سیر لکھتے ہیں کہ اس وقت تقریبا نود (۹۰) ہزار افراد نے دست مبارک کی زیارت کی۔ حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز کا اسم گرامی بھی زائرین میں شمار کیا جاتا ہے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے تین دن بعد ایک اعرابی مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی و فراق کی تاب نہ لاسکا اس فراق کے شدید رنج و غم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف سے چمٹ گیا اور اس کی خاک پاک کو اپنے سر پر ڈالتے ہوئے کہنے لگا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے جو کچھ ہدایات و ارشادات فرمائے ہیں ان کو ہم نے سنا اور جو کچھ پیغام آپ کے رب نازل کیا اس کو بھی ہم نے جان لیا اس میں یہ رایت پاک بھی ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے) اگر وہ لوگ جنھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے آپ کے دربار میں حاضر ہوتے اور اللہ تعالی سے بخشش طلب کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا فرماتے تو وہ ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور بے نہایت رحم کرنے والا پاتے (سورۃ النساء) اس اعرابی نے اپنے قصوروں پر ندامت کے ساتھ جب یہ معروضہ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا تو اس وقت اس مہربان و شفیق، رؤف و رحیم ذات اقدس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس سے قد عفرلک تجھ کو بخش دیا گیا کی بشارت سنائی گئی اس واقعہ میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس شخص کی طرف سے ان اشعار کی بھی روایت کی ہے

یاخیر من دفنت بالقاع اعظمہ خطاب من طیبھن القاع والاکم

نفس الفداء لقبر انت ساکنہ فیہ العفاف و فیہ الجود والکرم

اے وہ بہترین ذات گرامی جن کے مبارک جسد اطہر کو جس مبارک حصہ زمین کے سپرد کیا گیا ہے اس مبارک جسد اطہر کی پاکی اور خوشبو کی وجہ سے وہ مقام اور ٹیلے معطر ہو چکے ہیں۔ جس قبر شریف میں آپ آرام فرما ہیں اس پر میری جان فدا ہو اس میں عفت و سخاوت اور جود و کرم والی ذات آرام فرما ہے۔

یہ اشعار حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ اس قدر تعلق خاطر کے ساتھ اور دل کی گہرائیوں سے اس اعرابی کی زبان پر آئے تھے کہ وہ شرف قبول پا گئے جو آج بھی مواجہ پاک کے مبارک ستونوں پر نقش ہو کر زائرین کی نگاہوں کو نور اور دلوں کو سرور بخش رہے ہیں۔

اللہ سبحانہ تعالی رب العالمین ہے اور رسول امین صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس رحمۃ للعالمین ہے ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے "بعثت الی الخلق کافۃ" میں ساری مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ ان مخلوقات میں جن وانس مکلف مخلوق ہیں، اس کائنات میں جہاں انسانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح بیان کی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع میں نذرانہ خلوص پیش کرنے کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے ہیں وہیں جنوں نے بھی قصیدہ خوانی کی ہے اور اپنی عقیدت و محبت کے پھول آپ کے قدوم مبارک نچھاور کئے ہیں چنانچہ ایک مسلمان جن کا قصیدہ مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی رحمۃ اللہ نے اپنے رسالہ منادی میں شائع کیا تحقیق کے مطابق یہ قصیدہ قسطنطنیہ کے کتب خانہ سے دستیاب ہوسکا تھا۔ قصیدہ کی زبان اور اس میں استعمال کئے گئے الفاظ اور انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی انسانی دماغ کی کاوش نہیں ہوسکتی اس قصیدہ میں کل چالیس شعر ہیں۔ جن میں چند شعر بطور نمونہ یہاں پیش ہیں۔

لنبی ھدی و نسیج تقی فبذاک تدین لہ العرب

یہ جو ہدایت کرنے والے نبی ہیں اور جن کا جامہ وجود سراسر تقوی کے تاروں سے بناہ ہے تب ہی تو سارا عرب ان کے دین کا جانثار اور انکے نام پر فدا کار ہے۔

بمحمدن المعبوث و ذی الخیرات منازلہ الرحب

محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے معبوث ہیں بے پناہ خوبیوں اور خیر و بھلائیوں کے مالک ہیں جن کے مراتب ومدارج نہایت بلند و وسیع ہیں

فھدیت فانت جلوت عما و اضاء بذاک لنا السبب

اے ہمارے محبوب آپ نے ھدایت عطا فرما کر نابیناوؤں کی بینائی روشن فرما دی ہے اور انکی آنکھیں کھولدی ہیں اسی لئے حقیقت و کامیابی کے راستے روشن منور ہوگئے اور ہدایت کے دروازے کھل گئے ہیں

فصلوۃ الہ الخلق علیک وجاء فملکت السکب

آپ پر اے حضور مخلوق کے خالق کا دورد پاک نازل ہو اور آپ کے روضہ مطہرہ پر رحمت الہی کی موسلادھار بارش کا سلسلہ جاری رہے۔

قرآن پاک کی آیت "ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی" سے ثابت ہے کہ اس کے فرشتے بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر درود بھیجتے ہیں۔ ملائکہ ایک نورانی مخلوق ہیں جو احکام شریعت مکلف نہیں ہیں۔ اللہ سبحانہ نے جس کام کے لئے ان کو مختص فرما دیا ہے وہ اسی کی انجام دہی میں منہمک رہے ہیں۔ فرشتوں میں چار فرشتے مقرب ہیں ان میں حضرت سیدنا جبرئیل علیہ السلام بزرگ ترین فرشتے ہیں جو انبیائے کرام کے پاس اللہ کی وحی لے آتے تھے ان کا ایک قصیدہ

استغاثہ جبرئیل علیہ السلام کے نام سے معروف ہے جسمیں کل سولہ شعر ہیں۔ جسکا ہر ایک شعر فصاحت و بلاغت کا ایک عظیم مرقع اور حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات کے بیان سے مرصع ہے۔ اس قصیدہ مبارکہ کی بارگاہ اقدس میں قبولیت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ وہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ شریفہ کے اطراف چاروں سمتوں میں لکھا ہوا ہے اور اس کا رسم الخط کچھ اس قدر قدیم طرز کا ہے کہ اس کا پڑھنا عوام تو عوام اکثر خواص کیلئے بھی دشوار کن ہے۔ ۲۰۰۰ میں حج بیت اللہ شریف کی سعادت نصیب ہوئی اس کے بعد مدینہ پاک میں حاضری کی نعمت سرفراز ہوئی میری خوش بختی ہے کہ اس مبارک سفر میں عالم اسلام کی معروف شخصیت علم وعرفان کے پیکر عربی زبان وادب کے ماہر حضرت مولانا عبداللہ قریشی الازھری میرے ساتھ تھے ایک مرتبہ عصر کے بعد "صفہ" پر میرے بازو مولانا تشریف فرما تھے میں حجرہ شریف پر لکھے اشعار پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن باوجود کوشش بسیار کے الفاظ پڑھے نہیں جارہے تھے میں نے مولانا سے خواہش کی تو مولانا بغیر کسی تکلف کے بے ساختہ بآسانی انکو پڑھنا شروع فرمائے وہ اشعار یہ ہیں

رب الجمال تعالی خالقه　　　　فمثله فی جمیع الخلق لم اجد

رب جمال اللہ تعالی جس کا خالق ہے، کہ جسکی نظیر ومثال میں نے پوری مخلوق میں نہیں پائی

خیر الخلائق اعلی المرسلین ذری　　　　ذخر الانام و هادیهم الی الرشد

تمام مخلوق میں افضل واعلی تمام مرسلین میں برتر و بالا۔ تمام مخلوق کی بارگاہ اور انہیں ہدایت کی راہ دکھانے والے۔

ریاض الجنۃ کی طرف سے حجرہ شریفہ پر یہ شعر پڑھا جاسکتا ہے

یامن تفجرت الانهار نابعة　　　　من اصبعیه فروی الجیش ذاالعدد

اے وہ ذات جس کی انگشت مبارک سے نہروں کی ندیاں بہیں۔ کہ جس نے فوج کی اچھی خاصی تعداد کو سیراب کردیا۔

اور دو شعر بطور نمونہ پیش ہیں

وانت حقا غیاث الخلق اجمعهم　　　　وانت هادی الوری لله ذی المدد

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ تمام مخلوق کے فریادرس ہیں اور اپ مخلوق کی مولائے کریم کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں

یامن یقوم مقام الحمد منفردا　　　　للواحد الفرد لم یولد ولم یلد

اے وہ ہستی جو یکتا وتنہا مقام حمد کے قائم مقام ہے اس اللہ یکتا کہ جو نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا

شعراء متاخرین میں عبدالسلام حافظ بھی ہیں جن کے کلام میں عشق ومحبت کا سوز وگداز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کا جذبہ، بے پناہ عقیدت و محبت، عظمت واحترام ملتا ہے

بقلبی اشتیاق وانت منی　　　　نبی الهدی یا جمال الحیاة

میرا دل مشتاق ہے اور آپ اس کی تمنا ہیں اے نبی ھدی اور اے زندگی کا جمال

وانت الهدی نهتدی فی خطاة　　　وانت الشفیع بیوم الخلود

آپ یوم خلود یعنی آخرت میں شفاعت فرمانے والے ہیں اور آپ سرچشمہ ہدایت ہیں اور ہم آپ کی پیروی واتباع میں ہدایت پاتے ہیں

فؤادی یدیم علیک الصلاة　　　اوحی بنجواک تحی الصلاة

میرا دل آپ پر درود بھیجتا ہے اور میری روح آپ سے سرگوشی کے انداز میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کرتی ہیں۔

جامعہ نظامیہ علم وادب، وجدان وعرفان، علوم احادیث وقرآن کا ایک عظیم گہوارہ رہا ہے۔ برصغر ہند و پاک کا وہ عظیم علمی و روحانی مرکز ہے۔ جو حضرت سید الاولین والاخرین عالم ماکان و مایکون کے اشارہ مبارکہ پر قائم ہوا ہے جہاں سے ان گنت مفسرین و محدثین فقہاء و ادباء، مبلغین و واعظین، علوم افتاء کے ماہرین بے نظیر مہارت و کمال حاصل کرکے سارے عالم، میں پھیلے اور ہر جگہ علم و عرفان کے چراغ روشن کئے ہوئے مصروف عمل ہیں۔ ان میں سے اکثر علماء مذکورہ علوم و فنون میں مہارت کے ساتھ ذوق شاعری بھی رکھتے ہیں عربی نثر پر قدرت کے ساتھ شعر و شاعری سے بھی ان کو شغف رہا ہے۔ ان میں حضرت علامہ سید ابراہیم ادیب، حضرت مولانا عبدالحمید و حضرت مولانا مفتی سید محمود، حضرت مولانا منیر الدین رحمھم اللہ کا کلام مشہور و معروف ہے ان کے کلام کے نمونے اس مختصر مضمون میں عدم گنجائش کی بناء شامل نہیں کئے جارہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں وصال فرمانے والے حضرت مولانا سید طاہر رضوی رحمۃ اللہ علم وعرفان کا گنجینہ بحر معرفت کا آبگینہ تھے علوم اسلامیہ میں کمال دسترس کے ساتھ فن شاعری میں کمال رکھتے اور ہر صنف سخن میں طبع ازمائی فرمایا کرتے، فن عروض میں آپ کو ید طولی حاصل تھا۔ آپ کے چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں۔

له شکرا علی ان قد هدانا　　　بنور قد جلا منه الفضاء

الا وهو النبی الهاشمی　　　ومنه الابتدا و الانتهاء

فبین الله و الخلق وسط　　　اضاء من محیاه الضیاء

وذاک رحمة للخلق جمعا　　　فمنه قد تعاورهم بقاء

وسماه سراجا للحیاة　　　به للناس کلهم اهتداء

فکل عاجز عن وصفه اذ　　　تقاصر عن محاسنه الثناء

لکل من نبی او رسول　　　مراتب دونه وله العلاء

حضرت مولانا خواجہ شریف مدظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ علوم اسلامیہ پر گہری نظر رکھتے ہیں، عربی ادب و حدیث سے آپ کو خصوصی شغف ہے، ادب عربی کے دونوں اصناف نثر و نظم میں خصوص مہارت رکھتے ہیں۔ شعر و شاعری میں خصوصا

نعت پاک شہ لولاک میں آپ کی دلچسپی حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم عقیدت و محبت، علوم حدیث و ذات رسالت پناہی سے خصوص نسبت پر دال ہے۔ آپ کا سینہ علم و عرفان کا ایک عظیم خزینہ ہے حضرت صدرالشیوخ رحمۃ اللہ نے ان کی انہیں صفات حمیدہ کی بنا، اپنے سے قریب رکھا اور اپنی عمر شریف کے آخری حصہ میں اپنے وصال سے کچھ دن قبل علماء کی ایک مجلس میں آپ کو خلافت سے بہرہ مند فرمایا۔ اور یہ فرمایا کہ اشارہ غیبی کی بنا، یہ خلافت دیجارہی ہے۔ آپ کے اس اختصار کے ساتھ تعارف کے بعد آپ کے کلام سے بطور نمونہ کچھ شعر پیش خدمت ہیں۔

فی شانہ ورفعنا لک انزلا　　　وذکرہ فی الصلوۃ والندا لازما

اللہ سبحانہ نے آیت پاک "ورفعنا لک ذکرک" آپکی شان میں نازل فرمائی ہے اور آپ کا ذکر پاک نمازوں اور اذانوں میں للازم ہے۔

لولاہ لم یخلق الرحمن ذا　　　وفضلہ فوق مایعر بہ معرب

کوئی بیان کرنے والا جو کچھ بیان کرسکتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ آپ کی خلقت نہوتی تو اللہ سبحانہ اس کائنات کو لباس وجود عطا نہ فرماتا۔

ماالمسک ماالطیب ماالریحان　　　ماالعطر محمد عرقہ ازکی بہ منشما

اس کا منظوم ترجمہ یہ ہے۔ مشک و عنبر گل وریحان معطر ہیں ضرور، پھر بھی شرمندہ ہیں وہ عرق شہ دیں کے حضور (فہیم) مدینہ طیبہ میں لکھے گئے اور دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کئے گئے نذرانہ دل سے چند اشعار درج کئے جارہے ہیں۔

یاسید الکون والعربان والعجم　　　یامن بہ شرف للوح والقلم

اے کائنات کے آقا اور عرب و عجم کے آقا اے وہ ذات پاک لوح و قلم کو بھی جن سے شرف عطا ہوا

یاصفوۃ اللہ خیر الخلق مرحمۃ　　　یامن الطیب فی الاجواء والاطم

اے وہ منتخب و برگذیدہ ذات اے وہ مخلوق میں سب سے بہتر ہستی جو سارے عالموں کیلئے رحمت ہیں اور اے وہ ذات جنکی تشریف آوری اور جنکے وجود پاک سے ساری فضائیں اور ٹیلے معطر ہوگئے۔

انت الانیس نفدیک مھجتنا　　　فی ذی الحیاۃ و بعد الموت والالم

آپ ہی ہمارے مونس ہیں اس دنیا میں اور موت کے بعد یا کسی رنج و تکلیف میں بھی ہماری جان آپ پر قربان ہے۔
حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بہت کچھ لکھا گیا لکھا جارہا ہے اور تا قیام قیامت لکھا جاتا رہیگا۔ وہ ایک حقیر نذرانہ ہے۔ اگر سارے سمندر سیاہی بنادئے جائیں اور سارے درخت قلم بن جائیں لکھنے والے لکھتے رہیں تب بھی آپ کی مدح وثنا ختم نہیں ہوسکتی اور نہ اس کا حق ادا ہوسکتا ہے۔ اپنے جذبات قلبی تعلق و نسبت کے اظہار کو لفظوں میں ڈھالنے والے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و مرتبت کو بیان کرنے والے ظاہر ہے آپ کی مرتبت میں کچھ اضافہ تو نہیں کرسکتے

. کیونکہ حق سبحانہ وتعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رفعت و بلندی سر فراز فرمائی ہے ۔ "ورفعنالک ذکرک" ہاں البتہ یہ ضرور ہوا ہے کہ اللہ سبحانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات اور محاسن کا ذکر کرنے والوں کو اسکی برکت سے عظمت و بزرگی اور سر بلندی نصیب فرمائی ہے ۔ اس طرح آپ کے محامد و محاسن بیان کرنے والوں نے بڑائی و بزرگی پائی ہے ۔ آپکی تعریف و توصیف میں جہاں نثر میں کئی نادر نمونے موجود ہیں وہیں نظم میں بھی کئی ایک نادر جواہر پارے پائے جاتے ہیں ۔ "نعت" صنف شاعری میں ایک نازک مقام ہے جس میں افراط و تفریط ہر دو قابل گرفت ہیں ۔

یہ صنف نعت ہے کہنا ہے جو سنبھل کے کہے   نہیں ہے کھیل کوئی اس میں کوئی شاعری کرنا (فہیم)

اس امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو والہانہ عقیدت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جو کہ حاصل دین و ایمان ہے اس کا اقتضاء یہ ہے کہ دل کی بات زبان پر آئے جذبات عقیدت و محبت اور قلبی احساسات کو لفظوں کی زباں ملے ، لفظ و بیان کی صورت میں دل سے نکلنے والی باتیں کانوں کی راہ میں دلوں میں پہنچ جائیں ۔ چاہت و محبت کی آنچ کو اور تیز تر کردیں ۔ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ سے ابتک کتنے ہی شعراء نے عربی زبان میں اپنی محبت و عقیدت کے معطر خوش رنگ و خوش نما پھولوں سے مرصع گلدستے بطور نذرانہ پیش کئے ہیں ان سب کو جمع کیا جائے تو کئی نعتیہ دواوین مرتب ہوسکتے ہیں اور ان پر کئی تحقیقی کتابوں کا عظیم کتب خانہ تیار ہوسکتا ہے ۔ لیکن پھر بھی آپ کی عظمت و مرتبت توصیف و ثنا اور آپ کے جمال و کمال کا بیان ناتمام ہی رہیگا

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب   ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است
غالب ثناء خواجہ بہ یزداں گذاشتیم   کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

سوانح حیات مولانا غلام احمد علیہ الرحمہ

(۱۱/ اکٹوبر ۱۹۲۴ء۔ ۷/ جنوری ۱۹۸۶ء)

پروفیسر مولانا محمد سلطان محی الدین صاحب
مولوی کامل جامعہ نظامیہ
سابق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ

حضرت مولانا غلام احمد رحمۃ اللہ علیہ جامعہ نظامیہ کے شیخ المعقولات، ایک ممتاز عالم دین اور بلند پایہ استاد تھے۔ راقم الحروف کے وہ استاد محترم تھے۔ ۱۱/ اکٹوبر ۱۹۲۴ء موضع ہسکل ضلع نظام آباد میں زمیندار اور اہل خدمات شرعیہ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام غلام محی الدین اور دادا کا نام شیخ میراں تھا۔ جامعہ نظامیہ میں ابتدائی تعلیم ہوئی، مولوی، عالم اور فاضل میں زیر درس و تعلیم پاتے ہوئے امتحانات کو کامیاب کیا اس کے بعد انھوں نے تفسیر، حدیث سے مولوی کامل کا امتحان کامیاب کیا۔ از ابتداء تا انتہاء وہ ایک اقامتی طالب علم تھے۔ زمانہ طالب علمی میں وہ طلباء و اقران میں ایک ممتاز طالب علم شمار کئے جاتے تھے۔ ایسے علماء و اساتذہ سے اکتساب علم و ادب کیا اور فیض ہوئے جو علوم و فنون متداولہ میں ید طولی رکھتے اور یکتائے روزگار تھے۔ اساتذہ آپ کو عزت و رفیع نگاہ سے دیکھتے تھے۔

محکمہ تعلیمات میں تقرر کے مواقع و امکانات سامنے ہی تھے کہ خود جامعہ نظامیہ میں خدمت کا بہ حیثیت استاذ یکم جون ۱۹۴۵ء تقرر ہوا۔ درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ نائب شیخ المعقولات ہوئے۔ ایک طویل عرصہ کے بعد بہ زمانہ امیر جامعہ نظامیہ حضرت مولانا حکیم محمد حسین صاحبؒ ۱۹۷۰ء میں شیخ المعقولات بنائے گئے۔ آخیر عمر تک وہ اس منصب پر فائز رہے۔ حضرت مولانا نے اپنی پوری زندگی درس و تدریس میں گذار دی۔ چالیس سال سے زائد جامعہ نظامیہ میں تدریسی خدمات بحسن و خوبی انجام دیں۔

مولانا کے اساتذہ اجلہ میں مولانا مفتی سید محمد مخدوم حسینیؒ، مولانا مفتی سید محمود کان اللہ لہٗ، مولانا ابو الوفاء افغانیؒ، مولانا محمد قاسمؒ، مولانا سید شاہ محمد شطاریؒ، مولانا محمد مخدوم بیگؒ، مولانا مفتی رحیم الدینؒ، مولانا حکیم محمد حسینؒ، مولانا حاجی محمد منیر الدینؒ، مولانا مفتی محمد عبد الحمیدؒ اور فارسی کے اساتذہ مولانا شبیر علیؒ اور مولانا سید ظہور الدینؒ تھے۔

استاذ محترم کو علوم و فنون کی تدریس میں مہارت تھی وہ ذوق تدریس بھی رکھتے تھے۔ اسلوب درس اور طرز تفہیم بڑا عمدہ اور ماہرانہ ہوتا۔ موثر و جاذب بھی۔ مضمون درس کے تمام متعلقہ چیزوں کو بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان کرتے۔ معانی و مطالب کو ذہن نشین کراتے۔ وہ کافی مطالعہ اور تیاری سے لیس درس دیا کرتے تھے۔ غبی طالب علم بھی آپ کے درس کو سمجھ جاتا۔ اثناء درس طلباء سے کبھی سوالات بھی کرتے صحیح جواب دینے پر وہ خوش ہو جاتے اور انعام دیتے راقم الحروف نے حضرت سے کئی بار صحیح جواب پر انعام حاصل کیا ہے۔ جامعہ نظامیہ جب اقبال الدولہ کی دیوڑھی میں تھا اس کے بڑے ہال کے ایک حصہ میں مولانا درس دے رہے تھے شرح مائۃ عامل سے سوال کیا صحیح جواب دینے پر حضرت خوش ہو کر جیب سے ایک چمکتا پیسہ انعام میں دیا اور فرمایا کہ میاں انعام ایک پیسہ کیوں ہو انعام ہے۔ بس اتنا ہی مجھے یاد ہے۔ حضرت اپنے تلامذہ کو کافی چاہتے تھے۔

مولانا کے ہم زمانہ معاصر اساتذہ میں مولانا شیخ صالح باحطاب، مولانا فیض الدین، مولانا مفتی محمد سعید، مولانا حافظ و قاری عبدالرحمن بن محفوظ حمومی، مولانا سید طاہر رضوی، مولانا حافظ ولی اللہ اور مولانا محمد عثمان رحمہم اللہ تھے۔ حضرت سے ہم نے بلاغت میں تلخیص المفتاح اور منطق میں قطبی پڑھا ہے۔ دوران درس وہ پر مغز و معنی خیز فارسی اشعار بھی سناتے تھے۔ ان میں سے ایک دو شعر ابھی تک یاد ہیں۔

ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق　　باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد　　اگر خارے شوی گلدستہ گردد

مولانا معقول و منقول میں وسیع نظر رکھتے تھے۔ وہ منکسر المزاج اور متواضع عالم و استاذ تھے۔ مکہ مسجد میں نماز جمعہ ادا کرتے۔ بیرون ملک سفر اور حج و زیارت نہ کر سکے۔ صبح دس بجے سے شام چار بجے تک وہ مصروف درس رہتے تھے۔ اس کے بعد وہ اقامت خانہ کے اپنے حجرہ میں تشریف لاتے، قدرے استراحت کے بعد وہ مسجد چوک جاتے جہاں صحن مسجد کے سامنے کے حجرہ میں جس میں اور علماء، مولانا مفتی رحیم الدین، مولانا حاجی محمد منیر الدین، مولانا مفتی محمد عبدالحمید اور مولانا حبیب عبداللہ مدیج تشریف فرما ہوتے حضرت مولانا بھی اس مجلس میں بیٹھ جاتے۔ نماز عصر، مغرب اور عشاء پڑھنے کے بعد وہ جامعہ نظامیہ واپس ہوجاتے۔ درسی کتب کا مطالعہ فرماتے نماز فجر و ظہر جامعہ کی مسجد میں ادا کرتے تھے۔

تقرر کے بعد سے وہ جامعہ کے اقامت خانہ میں ایک حجرہ میں رہتے تھے اس میں تقریبا ۲۷ سال سکونت پذیر رہے ہوں گے۔ مطبخ کے طعام پر وہ اکتفا اور قناعت فرماتے۔ اپنی تنخواہ سے ہر ماہ وہ جامعہ کو فیس خوراک ادا کر دیتے تھے۔ وفات سے صرف دو سال قبل اپنے لائق صاحبزادے مفتی خلیل احمد کے گھر منتقل ہوئے۔ مولانا کی ایک خاموش زندگی تھی۔ خوبیوں، بلند اخلاق و اوصاف سے متصف خاص شخصیت تھے۔ حضرت کو کسی کے ساتھ کبھی بحث و تکرار کرتے ہوئے ہم نے نہیں دیکھا حتی کہ وہ اپنے ساتھی علماء و اساتذہ کے ساتھ بھی بحث و مباحثہ نہیں کرتے تھے کسی پروگرام ہوتے ہوئے ہم نے نہیں دیکھا۔ تلخ کلامی تو دور کی بات ہے حضرت کا ایک خاص وصف و امتیاز یہ تھا کہ کبھی وہ اپنے علم و فضل پر غرہ اور لیاقت کا مظاہرہ کیا ہو اور وعظ و تقریر نہیں کرتے تھے مگر پکے سنی حنفی تھے۔ دینی و مذہبی اختلافات اور مسلکی جھگڑوں میں نہیں الجھتے تھے۔ شہرت، جاہ طلبی اور سیاست کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ ان چیزوں سے بہت دور رہتے۔ اگرچہ وہ دار الاقامہ میں سکونت پذیر تھے مگر طلباء سے کسی بھی قسم کا ربط و ضبط ان کے سرگرمیوں سے بالکل بے تعلق رہتے گویا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ اقامت خانہ میں موجود ہی نہیں ہیں۔

احقر جب رکن مجلس انتظامی اور معتمد بنایا گیا تو فرمانے لگے کہ "میاں تم مجھ سے ملنے نہیں آتے"۔ کبھی کبھار وہ اپنے مخصوص انداز میں فرماتے کہ "طالب علم کو غیر تعلیمی سرگرمیوں اور سیاست سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اقتدار سے ٹکر لینا دانشمندی نہیں ہے"۔ حضرت مولانا کی بہت سی قیمتی نصیحتیں ابھی تک ذہن نشین ہیں۔ مخفی مبادکہ راقم الحروف ایک شوخ اور

انقلابی طالب علم سمجھا جاتا تھا۔ ایام تعلیمی کے حالات و واقعات یہاں ذکر کرنا مضمون سے متعلق نہیں ہے اس کے لئے ایک الگ مستقل کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا کے تلانذہ کی تعداد بے حساب و کتاب ہے۔ ان میں سے یہاں صرف چند کا ذکر کیا جاتا ہے مولانا حافظ سید خورشید علی، مولانا سید عبدالوکیل جعفری، مولانا قاضی عبدالشکور، مولانا مفتی محمد عظیم الدین، مولانا سید جعفر محی الدین قادری، مولانا سید عطاء اللہ حسینی ملتانی، مولانا قاضی محمد عطاء اللہ نقشبندی، مولانا سید محمد صدیق حسینی عارف قادری، مولانا عبداللہ قرموشی، مولانا حافظ الطاف حسین فاروقی، مولانا قاضی سید علی، مولانا میراں جی خوندمیری، مولانا قاضی عبدالرشید، مولانا غوث محی الدین صدیقی، مولانا عمر باشمی، مولانا حافظ عزیز بیگ، مولانا شیخ سعید عمودی، مولانا مفتی خلیل احمد، مولانا حافظ عبداللہ قریشی ازہری، مولانا ابراہیم خلیل ہاشمی، مولانا حافظ سید محبوب حسین مولانا خواجہ شریف، مولانا حافظ سید صادق محی مولاناالدین مفتی خلیل احمد، مولانا حافظ عبداللہ قریشی ازہری، مولانا ابراہیم خلیل ہاشمی، مولانا خواجہ شریف، مولانا حافظ سید صادق محی الدین مولانا محمد عبدالمجید مولانا محبوب شریف، مولانا خلیل احمد نظامی، مولانا محمد سمیع اللہ خاں،، مولانا حافظ سید بدیع الدین صابری مولانا عبد المعز اور مولانا فصیح الدین، مولانا سیف اللہ، مولانا عبدالقدوس، مولانا حافظ محمد عبید اللہ فہیم، مولانا حافظ عبدالغفور،، مولانا قاضی نسیم احمد، مولانا عبدِالقوی اور مولانا سید جہانگیر، وغیرھم۔

غرض کہ بے شمار تلانذہ ہیں جو ملک و بیرون ملک ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حضرت طویل القامت، کسی قدر سمین الجثہ تھے۔ سمر اللون تھے۔ لباس سادہ ہوتا سر پر کپڑے کی سلی سفید ٹوپی ہوتی۔ خاص موقعہ پر عمامہ بھی باندھتے تھے۔ درس و تدریس کیلئے جب وہ حجرۃ الدرس میں تشریف لاتے اور باہر نکلتے تو عموما شروانی میں رہتے تھے۔ چپل استعمال کرتے اور شوز نہیں پہنتے تھے، طہارت، نظافت اور نفاست پسند تھے۔ حضرت مولانا کے چار صاحبزادے ہیں پہلے بڑے فرزند مولانا مفتی خلیل احمد دوسرے شبیر احمد، تیسرے مشتاق احمد غلام محی الدین اور چوتھے شفیق احمد ہیں۔ صاحبزادیاں نہیں ہیں۔

حضرت سے سنا ایک شعر بھی یاد ہے کہ انسان جس ماحول میں گذر بسر کرتا ہے وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردئی | بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

امتحانات سے قریب یہ شاگرد کتابیں اور شروحات درسی کتب لیتا تھا وہ بلا تامل صندوق سے نکال کر دیتے۔ استفادہ کے بعد واپس کئے جاتے مگر کبھی کتابیں واپس کرو نہ فرماتے۔ تلخیص المفتاح ایک عرصہ تک رکھی رہی۔ جب خیال آیا تو اس کو مولانا کے صاحبزادے مولانا مفتی خلیل احمد کے حوالہ کردیا۔

حضرت کسی بزرگ سے بیعت نہیں تھے البتہ حضرت مولانا ابوالحسنات اور حضرت سید شاہ قدرت اللہ قادری رحمہما اللہ تعالی کے وہ بڑے عقیدت مند تھے۔ مولانا میٹھے کے بڑے شیدائی تھے۔ وہ میٹھا بہت کھایا کرتے تھے صبح کا ناشتہ اکثر نہاری

کلیجے کا ہوتا تھا شاید اسی سے حضرت کی صحت متاثر ہوئی تھی۔ وہ یونانی علاج کراتے تھے ڈاکٹری علاج کے وہ قائل نہیں تھے۔ نبولی اڈہ کے حکیم ابو سلیمان کے زیر علاج رہتے تھے۔ حضرت مولانا جامعہ نظامیہ کے سالانہ تعطیلات میں وطن تشریف لے جاتے شعبان کے آخیر دہے میں سال بھر کے لئے کپڑے و چپل وغیرہ خریدتے اور وطن جانے کی تیاری فرماتے۔ شوال کے پہلے دہے میں جامعہ واپس ہوتے۔

۷/ جنوری ۱۹۸۶ء حیدرآباد میں حضرت کی وفات ہوئی۔ جامعہ نظامیہ کے احاطہ میں نماز جنازہ ہوئی۔ حضرت کے لائق و قابل فرصاحبزادے مولانا مفتی خلیل احمد نے نماز جنازہ پڑھائی۔ علماء و مشائخ کرام، اساتذہ و طلباء اور شاگردوں کی کثیر تعداد نماز جنازہ میں شریک رہی۔ دعاء مغفرت کی گئی۔ حضرت شاہ راجو قتال رحمہ اللہ کے مقبرہ میں دفن کئے گئے۔ اللہ تبارک تعالی مولانا کو اپنی رحمت میں ڈھانک لے آمین۔

الناس موتی و اهل العلم احیاء — ففز بعلم تعش حیا به ابدا

مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ کی مطبوعات

بانی جامعہ نظامیہ حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمہ بانی جامعہ نظامیہ اور دیگر علماء اعلام کی معرکۃ الآراء، مدلل تصانیف مجلس اشاعت العلوم نے شائع کی ہیں۔ تا حال مجلس سے ۱۰۰ سے زائد کتب شائع کی گئی ہیں۔ جن کا مطالعہ ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی پیدا کرتا ہے۔ مجلس اشاعت العلوم کی مطبوعات صبح ۱۰ بجے تا شام ۴ بجے جامعہ نظامیہ سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اس کے علاوہ چوک، دکن ٹریڈرس مغل پورہ، ہمالیہ بک ہاوز نمائش میدان، چار مینار کے بک اسٹالوں سے اور مکتبہ رفاہ عام گلبرگہ شریف سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

محدث اعظم رضی اللہ عنہ

مولانا شیخ محمد عبدالغفور قادری
نائب شیخ التجوید جامعہ نظامیہ

محدث اعظم سے مراد وہ ہستی ہے جس پر محدثین کو فخر تھا اور جس کی شاگردی پر محدثین ناز کرتے تھے، اور اسی محدث اعظم کے متعلق محدث کبیر حضرت سلمان بن مہران الاعمش نے بیان فرمایا " یا معشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصیاد له "۔ یعنی اے گروہ فقہاء آپ لوگ طبیب (ڈاکٹرس) ہیں اور ہم دواساز ہیں۔ محدث اعظم سے وہ ذات مراد ہے جسکو دنیا فقیہ اعظم مجتہد اعظم، امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی وغیرہ کے نام سے جانتی اور مانتی ہے۔ حقیقت یہ ہیکہ امام اعظم صرف فقیہ و مجتہد اعظم ہی نہیں، بلکہ محدث اعظم بھی ہیں۔ مجتہد اور محدث دونوں کی الگ الگ حیثیتیں ہیں۔ محدث اسکو کہتے ہیں جو قصص، فضائل، سیر، مناقب، مسائل غرض ہر قسم کے روایتوں کو بیان کرے، مجتہد اسکو کہتے ہیں جو قرآن اور حدیث شریف سے جو مسائل نکلتے ہیں انکو بتلائے۔ مجتہد کو صرف ان احادیث سے غرض ہوتی ہے جن سے کوئی شرعی حکم، یا مسئلہ نکلتا ہو، اسی وجہ سے عام محدثین کے بہ نسبت مجتہد محدثین کے روایتیں کم ہوتی ہیں، کیونکہ مجتہد روایت کے ساتھ ساتھ درایت کو بھی دیکھتا ہے جس طرح حدیث کو پرکھنے کے لئے محدث کے پاس کچھ اصول ہوتے ہیں اسی طرح مجتہد کے پاس بھی کچھ اصول ہوتے ہیں انہی اصولوں کی بناء پر حدیث صحیح، ضعیف، غریب، موضوع قرار پاتی ہے۔ اخذ حدیث کے اصول ہر محدث کے پاس کچھ مختلف ہیں، اسی طرح امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی کچھ اصول حدیث کے لینے کے مقرر ہیں۔

حدیث جاننے کے اصول: محدث اعظم ابو حنیفہ نے روایات کو جانچنے اور ان کو قبول و رد کرنے کے جو اصول و قواعد مقرر کئے ہیں، اس معیار پر امام اعظم کے پاس بہت کم احادیث روایت کے قابل رہے ہیں، امام صاحب کے پاس حدیث کو قبول کرنے کا معیار یہ تھا کہ جو بھی محدث حدیث کی روایت کرتا ہو، وہ روایت اسکے مسلک کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً کسی محدث نے ایک روایت رفع یدین کی بیان کی، مگر ان کا مسلک رفع یدین نہ ہو تو امام اعظم ایسی روایت کو قبول نہیں کرتے، امام اعظم کے مقرر کردہ ان اصول کے مطابق آپ اپنے تمام احادیث میں سے چار ہزار حدیثوں کو روایت کرتے ہیں، جس میں سے دو ہزار احادیث اپنے استاد حضرت حماد سے اور دو ہزار احادیث دوسرے شیوخ و محدثین سے روایت کرتے ہیں

روایت حدیث میں احتیاط: اسکے علاوہ امام اعظم روایت حدیث میں بہت محتاط تھے آپ اس نکتہ سے بخوبی واقف تھے کہ روایت میں اس قدر واسطے زیادہ ہوتے ہیں اسی قدر تغیر و تبدیلی کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظم کے اکثر اساتذہ و شیوخ جن کا تعلق زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تھا، اور دو یا تین واسطوں سے سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتی ہے۔ اور آپ کے اساتذہ میں اکثر وہ لوگ ہیں جن کے علم و فضل دیانت و پرہیزگاری نمونہ تصور کی جاتی ہے۔

بعض لوگوں نے امام اعظم پر یہ اعتراض کیا کہ جب امام اتنے بڑے محدث تھے تو پھر ان کی کوئی کتاب کیوں نہیں اور روایتیں اتنے کم کیوں ہیں ؟۔

امام اعظم کا فن حدیث میں اتنا بڑا درجہ ہے کہ بڑے بڑے محدثین کی وہاں تک پہنچ نہیں ہے۔ رہی بات روایات کی کمی کی تو اس کے متعلق علماء نے مختلف جوابات دیئے ان میں سے کچھ یہ ہیں کہ امام اعظم کے شرائط بہت سخت تھے اور ان کے پاس صحت روایت کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ سماع کے وقت سے روایت کے وقت تک راوی کو حدیث یاد ہو۔ اور ایک شرط یہ بھی ہے کہ آپ روایت بالمعنی کے قائل نہ تھے بلکہ روایت بالفظ ضروری جانتے تھے۔ ایک اور شرط یہ بھی تھی کہ محدث جو حدیث روایت کر رہا ہے اس پر اس کا عمل بھی ہو۔ اتنے سخت شرائط کسی اور محدث کے نہیں ہیں انہی شرائط کی وجہ سے امام سے کم روایتیں آئے ہیں۔ امام اعظم کے حدیث میں اتنے اساتذہ تھے شاید اس کا تصور اس زمانہ میں محال تھا۔

کوفہ۔ یہ وہی مقام ہے جو امام اعظم کا مولد و مسکن ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ چند ملکی مصلحتوں کی بناء پر اس شہر کو دار الخلافہ مقرر کیا تھا جس کی وجہ سے بہت سے صحابہ کرام اس شہر میں اقامت کئے یہی وجہ ہیکہ کوفہ کی ہر گلی بلکہ ہر گھر سے قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں آنے لگیں۔

فقہ میں امام نے حضرت حماد کے حلقہ درس کو کافی سمجھا مگر حدیث میں یہ قناعت ممکن نہ تھی + کیونکہ یہاں ذہانت واجتہاد سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ درایت کے ساتھ ساتھ روایت بھی ضروری تھی ،اس لئے امام اعظم نے اخذ حدیث پر توجہ کی اور کوفہ میں کوئی محدث باقی نہ تھا جس کے پاس امام اعظم زانوئے ادب طے نہ کیا ہو۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ امام اعظم نے حصول حدیث کے لئے اپنے وطن کو بھی چھوڑا اور کوفہ کے علاوہ بصرہ ،مکہ مکرمہ ،مدینہ منورہ کو بھی گئے۔ اگرچہ امام کو کوفہ اور بصرہ میں بہت سے احادیث کا ذخیرہ ہاتھ آیا تھا مگر تکمیل سند اور حصول سند کے لئے حرمین جانا ضروری سمجھا اس لئے آپ حرمین شریفین کا بھی سفر کئے اور وہاں کے محدثین سے بھی حدیث شریف کی روایت کی۔

محدثین حرم۔ امام اعظم جب مکہ مکرمہ پہنچے تو وہاں پر دیکھا کہ علم حدیث کا جال بچھا ہوا ہے آپ نے وہاں کے کافی محدثین سے احادیث کو سنے اور ان سے اخذ حدیث کیا خصوصیت کے ساتھ حرم کے مشہور محدث حضرت عطاء بن ابی رباح کے حلقہ درس میں بیٹھے۔ یہ وہی محدث ہیں جن کے فیض صحبت سے اوزاعی ،زہری ،عمر بن دینار جیسے اجلہ محدثین نکلے۔ جب امام صاحب استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عطاء نے امام صاحب کا عقیدہ دریافت کیا تو آپ نے جواب میں عرض کیا اسلاف کو برا نہیں کہتا ،گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا ،،قضا و قدر کا قائل ہوں ،جب عطا نے یہ جواب سنا تو آپ کو درس میں شرکت کی اجازت دے دی۔ امام مکہ مکرمہ میں عطاء بن ابی رباح کے علاوہ جس سے حدیث سنا ان میں حضرت عکرمہ کا ذکر بھی بہت زیادہ ملتا ہے۔

محدثین حرم مدینہ۔ امام اعظم مکہ مکرمہ کے بعد اخذ حدیث کے لئے مدینہ منورہ کی جانب رخ کئے۔ اور وہاں کے محدثین سے حدیث کو لیا۔ محدثین مدینہ منورہ میں امام محمد باقر قابل ذکر ہیں۔ جب امام اعظم امام باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کسی نے امام اعظم کا تعارف کرایا کہ یہی ابوحنیفہ نعمان بن ثابت ہیں تو امام باقر آپ کی جانب مخاطب ہو کر فرمائے تم ہی ہو جس نے قیاس کی بنیاد پر ہمارے نانا جان کے احادیث کی مخالفت کی۔ تو امام اعظم نے انتہائی ادب سے عرض کیا العیاذ باللہ حدیث کی کون مخالفت کر سکتا ہے۔

اس کے بعد امام اعظم و امام باقر میں گفتگو ہوئی۔ امام اعظم نے سوال کیا کہ ،عورت کمزور ہے یا مرد ،امام باقر جواب میں فرمایا عورت ۔امام اعظم "وراثت میں عورت کا حصہ زیادہ ہے یا مرد کا" امام باقر مرد کا۔

امام اعظم اگر میں حدیث کو چھوڑ کر قیاس سے کام لیتا تو کہتا کہ عورت کو وراثت میں زیادہ حصہ دیا جائے کیونکہ قیاس یہ چاہتا ہے کہ کمزور کو زیادہ حصہ ملے۔

پھر امام اعظم نے سوال کیا ،نماز افضل ہے یا روزہ ،امام باقر نے کہا نماز اس پر امام اعظم نے کہا اگر میں حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو ترجیح دیتا تو کہتا کہ حائضہ نماز کی قضاء کرے ۔ روزہ کی نہیں ۔ حالانکہ میں روزہ ہی کی قضاء کا فتوی دیتا ہوں پھر امام اعظم نے سوال کیا کہ منی زیادہ نجس ہے یا پیشاپ ؟ تو امام محمد باقر نے کہا پیشاپ۔ اس پر امام اعظم نے کہا اگر میں حدیث کو چھوڑ کر قیاس پر عمل کرتا تو فتوی دیتا کہ پیشاپ کرنے پر غسل کیا جائے گا + منی کے نکلنے پر نہیں لیکن میں نے ایسا نہیں کہا بلکہ حدیث شریف میں جو آیا ہے اس کو میں اپنا مسلک بنایا ہے ان جوابات پر امام باقر اتنے خوش ہوئے کہ اٹھ کر آپ کی پیشانی چوم لی۔

ان محدثین کے علاوہ صحیحین کے کبار شیوخین حدیث شریف میں امام اعظم کے اساتذہ رہے ہیں۔

امام شعبی۔ یہی وہ بزرگ ہیں جنھوں نے امام اعظم کو تحصیل علم دین کی جانب مائل کیا۔ شعبی کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ انھوں نے پانچ سو صحابہ کرام کو دیکھا ہے ،عراق ،عرب و شام میں چار اشخاص استاذ کامل تسلیم کئے جاتے تھے جن میں سے ایک امام شعبی بھی ہیں۔ ان کے علاوہ سلمہ بن کہیل ،ابو اسحاق سبعی ،سماک بن حرب ،ہشام بن عروہ ان کے علاوہ امام صاحب کے کئی اساتذہ ہیں جن کو ہر محدث ثقہ ،صدوق جانتا ہے اور ان سے روایات بھی کرتے ہیں بلکہ بخاری و مسلم میں بہت سے روایات ان محدثین سے آئے ہیں۔

امام اعظم روایت زیادہ کیے یا کم۔ امام صاحب کے مخالفین و موافقین دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ امام صاحب نے روایت زیادہ نہیں کئے البتہ اس کے اسباب میں اختلاف ہے ۔ موافقین نے بڑا سبب یہ بتلایا کہ حدیث کو جس میزان پر امام صاحب جانچتے ہیں وہ اس قدر وزنی ہے کہ اس پر اکثر محدثین پورے نہیں اترتے ۔ ابن خلدون اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

واعلم ایضا ان الائمة المجتهدین تفاوتوا فی الاکثار من هذه الصناعة فی الاکثار و الاقلال فابو حنیفة یقال بلغت روایته الی سبعة عشر حدیثا او نحوها۔ و قد تقول بعض المبغضین المتعسفین الی ان منهم من کان قلیل البضاعة فی الحدیث فلهذا قلت روایته و لا سبیل الی هذا المعتقد فی کبار الائمة لان الشریعة انما توخذ من الکتاب و السنة و من کان قلیل البضاعة من الحدیث فیتعین علیه طلبه و روایته و الجد و التشمیر فی ذلک لیاخذ الدین عن اصول صحیحة و یتلقی الاحکام عن صاحبها المبلغ لها و انما قلل منهم من قلل الروایة لاجل المطاعن التی تعترضه فیها و العلل التی تعترض فی طرقها و الامام ابو حنیفة انما قلت روایته لما شدد فی الروایة و التحمل و ضعف روایة الحدیث الیقینی اذا عارضها الفعل النفسی و قلت

من اجلها روایته فقل حدیثه لا انه ترک روایة الحدیث معتمدا فحاشاه من ذلک و یدل علی انه من کبار المجتهدین فی علم الحدیث اعتماد مذهبه بینهم و التعدیل علیه اعتباره ردا و قبولا انتهی ملخصا (مقدمة ابن خلدون ص ۳۷۱) ۔ ترجمہ : یہ بھی جان لو مجتہدین میں بعض نے روایت حدیث زیادہ کی ہے اور بعض نے کم ۔ ابو حنیفہ کے متعلق کہتے ہیں کہ سترہ (۱۷) یا کچھ کم وبیش حدیثیں روایت کئے ہیں ۔ بعض معاندین اور ناانصافوں نے یہ افتراء کیا ہے کہ بعض ائمہ کو چونکہ کم حدیثیں معلوم ہیں اس لئے ان سے روایت کم ہے ۔ لیکن ان روساء ائمہ کی شان میں ایسا اعتقاد کسی طرح صحیح نہیں ۔ اس لئے کہ شرعی احکام کا سرچشمہ قرآن وحدیث ہے ۔ اور حدیث میں کم مایہ پر اول طلب حدیث اور اس کی روایت میں سعی بلیغ ضروری ہے ۔ تاکہ احکام کو رسول خدا سے اور مذہبی صحیح قوانین سے سمجھے، اور غلطی میں نہ پڑے ۔ بعض ائمہ کی کم روایت ان نقائص کی وجہ سے ہوئی جو حدیث اور اس کی سند میں ہیں ۔ امام اعظم کی شرطیں چونکہ روایت حدیث میں اور اس کے یاد میں بہت سخت ہیں اور فعل کے مقابلہ میں قول کو ضعیف ٹہیراتے ہیں اس لئے انھوں نے کم روایتیں کی ہے نہ یہ کہ دیدہ ودانستہ حدیث کی روایت کو چھوڑا اس سے وہ بری ہیں، بلکہ وہ فن حدیث کے امام اور مجتہدوں کے رئیس ہیں اسی وجہ سے تو ان کا مذہب مانا گیا اور اس پر وثوق اور جرح وتعدیل میں اس کا اعتبار کیا، ایک چھوٹے اور بے بنیاد مذہب پر ایسی توجہ اور وثوق نہیں ہوسکتا۔

اس عبارت کے بعد مصنف تذکرہ اعظم مولانا مفتی عبداللطیف رحمہ اللہ مدرس اعلی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ لکھتے ہیں " محقق علامہ (ابن خلدون) نے یہاں دو باتیں قابل قدر بیان کیں ۔ اور واقعات کی شہادت سے اس کو مضبوط کیا"۔

(۱) ائمہ مجتہدین کو جو لوگ کہتے ہیں کہ حدیث نہیں جانتے تھے یا کم جانتے تھے یہ ان کا افترا اور بہتان ہے جس کا اصلی منشاء وہ عناد اور بغض ہے جو اماموں سے متعلق ان کے دلوں میں بھرا ہوا ہے، جس نے انہیں اس ظلم پر مجبور کر دیا وہ از خود رفتہ ہوگئے اور اس عناد کے بخارات کا پردہ ان کے آنکھوں پر ایسا پڑا کہ ان کو یہ بھی نہ سوجھی کہ مجتہدین احکام کو قرآن وحدیث سے بیان کرتے ہیں اور جو حدیث سے ناواقف ہو وہ مجتہد نہیں ہوسکتا اجتہاد کے منصب کا استحقاق اسی کو ہے جس نے حدیث کے تمام منازل طے کئے ہوں۔

(۲) الوان حدیث کے امام ابو حنیفہ صدر ہیں اس لئے لاکھوں دیندار، ابرار، محدثین علماء ان کے عملی سرچشمہ سے سیراب ہوئے (تذکرہ اعظم ص ۵ تا ۷)

رہی یہ بات کہ جب امام صاحب محدث ہیں تو ان کے روایات کم کیوں ہیں؟ امام صاحب کے متعلق یہ بات غلط ہے کہ امام صاحب کے روایات زیادہ نہیں ہیں بلکہ امام صاحب نے کثرت سے حدیثیں بیان کئے ہیں لیکن روایت کے طریقے اور حدیث کے اقسام جداگانہ ہیں۔

اقسام حدیث ۔ حدیث کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ احادیث جو احکام سے متعلق ہیں (۲) وہ احادیث جو احکام سے متعلق نہیں ہیں ۔ دوسری قسم کی حدیثوں کی روایت سے فقہاء، صحابہ اور خود خلفاء راشدین بھی احتراز کئے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی روایت کرنے سے منع کرتے تھے ۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے روایات کی ممانعت میں اس قدر سختی کی کہ یہ

قانونی جرم قرار دیا گیا۔ چنانچہ منصف عبدالرزاق نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ کا ایک قول نقل کیا ہے۔ " قال ابو هريرة لما ولى عمر قال اقلوا الرواية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم الا فيما يعمل به " یعنی حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ جب فاروق اعظم خلیفہ مقرر ہوئے تو فرمایا کہ جو احادیث احکامات سے متعلق نہ ہو اس کی روایت کم کرو۔

تذکرۃ الحفاظ جلد ا صفحہ ، پر ہے کہ " قال ابن عينية راى عمر بن الخطاب مع ابى بن كعب جماعة فعلاه بالدرة فقال ابى اعلم ما تصنع يرحمك الله فقال عمر اما علمت انها مفتنة للمتبوع و ذلة للتابع " یعنی ابن عینیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب کے پاس ایک جماعت بیٹھی دیکھی جن کو ابی حدیث روایت کر رہے تھے ، فاروق اعظم نے ابی پر کوڑا اٹھایا تو ابی نے کہا کہ آپ کیا کر رہے ہیں جان لو کہ اللہ تعالی آپ پر رحم فرمائے۔ تو فاروق اعظم نے جواب میں کہا روایت کرنا تمہارے لئے فتنہ اور سننے والوں کے لئے ذلت کا باعث ہے۔ (تذکرہ الحفاظ ج ا ص ،)

روایت حدیث میں نہایت احتیاط اور فہم کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ روایت میں کسی قسم کی غلطی نہ ہو ، اگر روایت میں کسی قسم کی لغزش ہو تو بیان کرنے والے پر غلط روایت کی جوابدہی کا بھاری بوجھ اور سننے والے کے لئے گمراہی کا اندیشہ ہے۔ اسی خوف کی وجہ سے فاروق اعظم نے تہدید کی کہ غیر احکام کے احادیث روایت نہ کریں۔

تذکرہ الحفاظ ج ا ص ، میں یہ بھی ہے کہ " قال ابو سلمة قلت لابى هريرة اكنت تحدث فى زمان عمر هكذا ، فقال لو كنت احدث فى زمان عمر مثل ما احدثكم لضربنى بمحفقته " یعنی حضرت ابوسلمہ نے ابوہریرہ سے سوال کیا کہ کیا آپ عہد فاروقی میں بھی اس کثرت سے حدیث کی روایت کرتے تھے تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عہد فاروقی میں اتنی روایت کرتا ضرور کوڑے کھاتا۔

حضرت فاروق اعظم روایت بیان کرنے میں اتنی سختی کی کہ لوگوں کو کوڑے مارے اور جیل بھیجا۔

علامہ ذہبی نے بتلایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی روایت حدیث کم تھی اور کثرت روایت سے آپ بھی منع کرتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صدیق اکبر نے بعد وصال صحابہ کرام کو جمع کر کے جو خطبہ دیا تھا اس میں آپ نے فرمایا تھا " انكم تحدثون احاديث تختلفون فيها ، والناس بعد كم اشد اختلافا۔ فلا تحدثوا (تذکرہ ذہبی۔ تذکرہ صدیق) یعنی بیشک تم لوگ ایسے احادیث روایت کرتے ہیں کہ جس سے تم لوگ روایت میں مختلف ہیں جس کی وجہ سے تمہارے بعد والوں میں سخت اختلاف ہوگا اس لئے تم حدیث بیان نہ کرو۔ شیخین کے اس انتظام اور نگرانی کا پھل یہ حاصل ہوا کہ شیخین کے عہد خلافت میں اختلاف و نفاق کے بھوت کا پتہ بلکہ اس کا نام نشان تک نہ تھا۔ جس کے استھان پر آج تک کروڑہا مسلمانوں کی قربانیاں کی گئیں۔ اور ان کا پاک خون اس پر چھڑ کا گیا۔

اگر شیخین کے اس قانون کی پابندی کی جاتی تو حدیثوں میں بہت کمی آجاتی کیونکہ وہ احادیث جن کا تعلق احکام و مسائل سے

ہے وہ تقریباً تین ہزار ہیں۔ امام اعظم روایت کے وقت شیخین کے اس اصول کو بھی محفوظ رکھا۔ منجملہ شرائط میں سے امام اعظم کے پاس ایک شرط یہ بھی ہے کہ اور یہ بات یقینی ہے کہ امام اعظم انہی احادیث کو روایت کئے ہیں جن کا تعلق احکام سے ہے۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کثرت روایت ہی سے منع نہیں کرتے تھے بلکہ کتابت حدیث سے بھی روکتے تھے۔ خلیفہ اول نے اپنی پانچ سو روایات کی جمع کردہ کتاب کو جلادیئے۔ تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ " قالت عائشة جمع ابی الحدیث عن رسول اللّٰہ و کانت خمس مائة حدیث فبات لیلة یتقلب کثیرا قالت فغمنی فقلت اتتقلب لشکوی او لشئی بلغک فلما اصبح قال ای بنی هلمی الاحادیث التی عندک، فجئته بها فدعا بنار فحرقها فقلت لم حرقتها قال خشیت ان اموت وهی عندی فیکون فیها احادیث عن رجل قد اتمنته وثقت ولم یکن کما حدثنی فاکون قد نقلت ذلک فهذا لا یصح واللّٰہ اعلم " یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میرے والد نے پانچ سو احادیث کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کئے تھے ایک رات کو وہ بہت ہی بے چینی کے ساتھ کروٹیں بدلنے لگے جس سے مجھے بہت رنج ہوا اور میں نے کہا کہ کیا آپ مرض سے ایسا کررہے ہیں، یا کوئی اور بات ہے، جب صبح ہوئی تو مجھ سے کہا کہ تیرے پاس جو حدیث کی کتاب ہے وہ لا جب میں وہ لیکر آئی تو آگ منگوا کر اسے جلا دیا، میں نے کہا کیوں آپ نے ایسا کیا۔ فرمایا مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ میں مرجاؤں اور ایسی کتاب چھوڑ جاؤں کہ شاید اس میں ایسے آدمی کی بھی روایت ہو جو میرے نزدیک معتبر ہے اور حقیقت میں وہ معتبر نہ ہو۔

صدیق اکبر کے بعد حضرت فاروق اعظم کا زمانہ آیا تو آپ نے بھی روایت حدیث میں کافی سختی کی، مصنف عبدالرزاق اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ " اراد عمر ان یکتب فاستشار اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی ذلک فاشاروا علیه ان یکتبها فطفق یستخیر اللّٰہ فیها شهرا ثم اصبح یوما و قد عزم له فقال انی کنت ارید ان اکتب السنن و انی ذکرت قوما کانوا قبلکم کتبوا کتابا فاکبوا علیها و ترکوا کتاب اللّٰہ " یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فن حدیث میں ایک کتاب لکھنے کا ارادہ ہوا تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا مشورہ یہ دیا گیا کہ ایک کتاب لکھی جائے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کامل ایک مہینہ تک استخارہ کیا پھر ایک روز صبح کو فرمایا کہ میں نے حدیث جمع کرنے کا پکا ارادہ کرلیا تھا مگر بعد میں مجھے اس قوم کا خیال آیا جس نے خود ایک کتاب لکھی اور ہمہ تن اس پر اتنی توجہ کی کہ خدا کی کتاب کو چھوڑ دیا۔

حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل بتلا رہا ہے کہ کتابت حدیث سے بہت سے علماء اس علم میں محو ہوجائیں گے اور قرآن کو چھوڑ دیں گے جیسا کہ تیسری صدی سے لیکر آج تک یہی ہوتا آیا ہے۔

طبقات ج ۵ ص ۱۴۰ میں لکھا ہے کہ ابن اعلاء نے قاسم سے درخواست کی کہ مجھے حدیثیں لکھوائے تو قاسم نے جواب میں کہا کہ عہدہ فاروقی میں لوگوں نے جب حدیثیں زیادہ لکھے تو فاروق اعظم نے تمام لکھنے والوں کو مع ان کی کتابوں کے طلب کیا اور ان کتابوں کو جلادیا۔

اس عبارت کے بعد صاحب تذکرہ اعظم لکھتے ہیں کہ جمع و تالیف احادیث کی جو ضرورت محدثین کو زمانہ مابعد میں محسوس ہوئی۔ حضرت فاروق اعظم کی فراست اور خداداد ذہانت نے پہلے ہی ادراک کر لیا، تمام صحابہ اس پر متفق بھی ہوئے اور ایک مہینہ کے غور و فکر کے بعد ایک جامع صحیح کے جمع کرنے کا ارادہ ہو گیا مگر اتنے مہتم بالشان اور کثیر المنافع کام کو کیوں چھوڑا صرف اس لئے کہ کہیں مسلمان قرآن چھوڑ کر اس کی جانب متوجہ نہ ہو جائیں اور قرآن کو پس پشت ڈال دیں۔

فاروق اعظم کا یہ خیال بالکل صد فیصد درست ہوا کہ بعد میں مسلمانوں کی جانب سے احادیث کی جانب ایسی توجہ دی گئی کہ اس کے لفظ و نقطہ کی جانب بھی توجہ کی جانے لگی۔ اور اختلافات کو رفع کرنے کیلئے راویوں کی تنقید و تصحیح میں تمام وقت گزرنے لگا۔ اس کے بعد اتنا وقت نہیں رہتا کہ قرآن شریف کی جانب توجہ کی جائے۔ دوسرا یہ کہ بہت سے صحابہ کرام روایت حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں حد درجہ محتاط تھے۔ حضرت ابو عمر شیبانی اور عمر بن میمونہ کہتے ہیں کہ ایک سال تک ابن مسعود کے خدمت میں حاضر ہوتے رہے مگر کبھی قال رسول اللہ کہتے نہیں سنا۔ ایک روز اتفاق سے آپ کی زبان مبارک سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکل گیا تو اس قدر خوف کھائے کہ پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے اپنی روایت میں خطا کا اندیشہ نہ ہوتا تو چند ایسے حدیثیں روایت کرتا جن کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ مگر حدیث کی غلطی اس لئے زیادہ خطرناک ہے کہ میں نے رسول اللہ سے سنا کہ جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ کہا وہ جہنمی ہے۔

حضرت صہیب فرماتے ہیں کہ آؤ میں تم کو اپنے غزوات کا بیان کروں، لیکن رسول خدا سے روایت ہرگز نہ کروں گا۔ ایک مرتبہ امام عاصم نے امام شعبی سے کوئی حدیث پوچھی تو شعبی نے بیان کر دی، عاصم نے کہا کیا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرتے ہو۔ تو شعبی نے کہا نہیں، پھر شعبی نے کہا کہ حدیث میں کمی یا زیادتی ہو اور غیر رسول اللہ منسوب ہو تو کوئی حرج نہیں، ابراہیم نخعی کا یہ طریقہ تھا۔ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ ہمارے وقت میں رسول اللہ کی طرف انتساب اور سند کا طریقہ نہ تھا۔ البتہ جب حدیثوں میں فریب ہونے لگا تو سند کا رواج ہوا۔

تنبیہ۔ حضرت ابراہیم نخعی اور شعبی دونوں امام اعظم کے شیوخ و اساتذہ میں سے ہے۔ اس لئے ان شیوخ کا اثر امام صاحب پر یہ ہوا کہ روایت حدیث کم کرتے اور اگر روایت کرتے تھے تو بھی روایت میں سند کو پسند نہیں کرتے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت عام رواج میں سند بیان نہیں کی جاتی تھی۔

ایک اشتباہ و غلط فہمی۔ اس کے علاوہ بہت سے روایتوں میں اشتباہ ہو جاتا تھا اس کی مثالیں صحابہ و تابعین کے زمانہ میں دکھائی دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ فاطمہ بنت قیس صحابیہ نے فاروق اعظم کے پاس حدیث بیان کی کہ تین طلاق والی عورت کے خورد و نوش اور رہائش کے نفقہ کا خاوند ذمہ دار نہیں ہے تو فاروق اعظم نے فرمایا قرآن کے حکم کو ایک عورت کی روایت سے

نہیں چھوڑ سکتا جس کے جھوٹ اور سچ کا کچھ اعتبار نہیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ "ان ناسا یتحدثون عن رسول اللہ۔ قال عثمان لا ادری ماھی" حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ صحابہ نے رسول اللہ سے حدیثیں بیان کی تو عثمان غنی نے کہا مجھے اس کے متعلق معلوم نہیں ہے اور آپ اس روایت کو قبول نہ کیا۔ "قال علی اذا حدثنی غیرہ استحلفتہ فاذا حلف صدقتہ (تذکرہ ذھبی) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی حدیث بیان کرتا تو میں اس کو قسم کھلاتا ہوں، اگر وہ قسم کھالے تو اس کو سچا سمجھتا ہوں ورنہ نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ نے روایت کی کہ نہانے کی ضرورت میں اگر روزہ دار صبح کرے تو روزہ نہ ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے فرمایا کہ رسول اللہ نے صبح کے وقت غسل کیا ہے اور روزہ رکھا ہے (بخاری کتاب الصوم)۔

اسی طرح ابن عباس اور ابو ہریرہ نے روایت کی کہ نمازی کے سامنے سے عورت یا کتا گزر جائے اور سترہ نہ ہو تو نماز نہ ہوگی۔ جب اس حدیث کو حضرت عائشہ نے سنا تو فرمایا کہ یہ روایت غلط ہے۔ (بخاری)

حدیث کی کتابت اور امام اعظم۔ اوپر کے بتلائے گئے چیزوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو اس وقت کتابت حدیث کا رواج نہ تا دوسرا یہ کہ راویوں کے اختلاف اور مختلف الفاظ میں اختلاف روایت کی وجہ سے آپ نے اس علم کو جمع کرنے کی طرف توجہ نہ کی اور ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کے اساتذہ حدیث کتابت حدیث سے منع کرتے تھے جن میں، حماد، ابراہیم نخعی، شعبی شامل ہیں۔ رہی یہ بات کہ امام اعظم کو چودہ یا سترہ احادیث یاد تھے۔ تو یہ بالکل غلط ہے اور امام اعظم پر یہ الزام ہے۔ کہ امام صاحب محدث نہیں، محدث کے لئے کتابت حدیث کا ہونا ضروری نہیں ہے اگر ایسا ہی ہے تو امام شعبی کی حدیث میں کوئی کتاب نہیں ہے۔ مگر ان کے روایات بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔ اس طرح بہت سے محدثین کے کتابیں نہیں ہیں مگر ان کے روایات بھی احادیث کے کتابوں میں موجود ہیں۔

منع کتابت حدیث۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں " انی لا احل لاحد ان یکتب الا کتاب اللہ "میں قرآن کے سوا کسی چیز کے لکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔

تابعین میں محدث اکبر امام شعبی فرماتے ہیں " ما کتبت سوداء فی بیضاء "یعنی میں نے نور علم کو کبھی سیاہی کی تاریکی میں نہیں چھپایا (میں سفید کاغذ پر سیاہی سے نہی لکھا)۔ امام شعبی اس کو فخر کے طور پر بیان کرتے تھے۔ امام المحدثین ابراہیم نخعی نے حماد کو دیکھا کہ وہ روایتوں کو لکھ رہے ہیں تو فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں لکھنے سے منع نہیں کیا تھا (دارمی، طبقات ابن سعد، ج ۶ صفحہ ۱۸۹)۔

امام اعظم کے عہد تک کتابت حدیث کا رواج کم تھا۔ ۱۳۲ھ میں جب خلفاء عباسیہ اقتدار سنبھالے تو اس وقت علماء نے حدیث، فقہ اور لغت کی تصنیف کی جانب توجہ کی (ذہبی ج ۱ ص ۱۴۴)

ان تمام واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب اگر حدیث میں کوئی کتاب نہ لکھے تب بھی آپ محدث ہیں اور آپ

کے زمانے کے محدثین جن کو امام الحدیث، حافظ الحدیث کہا جاتا ہے وہ لوگ امام اعظم کو محدث اور مجتہد مانتے تھے اور امام صاحب کے اقوال پر عمل کرتے اور ان کے فتوی کو قبول کرتے تھے جن میں یحیی بن سعید اور اصمعی وغیرہ شامل ہیں علاوہ ازیں امام صاحب نے جو روایات کئے ان کے شاگردوں نے امام سے جو روایا کئے ہیں وہ جامع المسانید کے نام سے ہیں اور امام صاحب کے تقریبا اکیس مسند ہیں ۔ اس سلسلہ میں شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ حضرت انوار اللہ علیہ الرحمہ کی کتاب حقیقۃ الفقہ اول و دوم قابل دید ہیں۔

امام صاحب کے محدث ہونے کے علامہ ابن قیم جو غیر مقلدین کے سر گروہ ہیں وہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اعلام الموفقین بھی لکھتے ہیں کہ " عن نعیم بن عمر و قال سمعت ابا حنیفة یقول عجبا للناس یقولون انی اقول بالرائی و ما افتی الا بالاثر (اعلام الموفقین)۔ ترجمہ نعیم بن عمرو سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے لوگوں پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں قیاس سے مسئلہ کا جواب دیتا ہوں، میں کبھی کسی مسئلہ کا جواب اپنی رائے سے نہیں دیتا بلکہ ہمیشہ صحابہ کے فتووں سے دیا کرتا ہوں اسی کتاب میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

" عن النضر بن محمد قال مارایت احدا اکبر اخذ لاثار من ابی حنیفة " حضرت نضر بن محمد سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے زیادہ کسی کو اقوال صحابہ پر عمل کرتے نہیں دیکھا۔

اس کے بعد علامہ ابن قیم اپنی رائے لکھتے ہیں کہ امام اعظم و امام احمد کا یہ اصول ہے کہ حدیث خواہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو لیکن قیاس اور رائے پر مقدم کرتے ہیں۔ اسی طرح صحابہ کے فتاوی قیاس پر مقدم ہیں۔ یعنی حدیث اور صحابہ کے فتاوں کے مقابلہ میں قیاس نہیں کیا جائے گا۔ اور امام صاحب کے بھی روایات فتاوی کی شکل میں موجود ہیں۔

امام صاحب پر جو لوگ غیر محدث کا الزام لگاتے ہیں وہ لوگ رجال اور تاریخ سے واقف نہیں ہیں۔ امام صاحب ہمیشہ قیاس پر روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس سے زیادہ امام صاحب کے اتباع سنت کا اور کیا ثبوت چاہئے کہ آپ نے اپنا یہ اصول لکھ دیا کہ " لولا الروایۃ لقلت بالقیاس " اگر روایت نہ ہوتی تو میں قیاس کے ذریعہ کہتا۔ قیاس تو مجبورا اس وقت کیا جاتا ہے جبکہ روایت نہ ملے۔ " ماجاء نا عن عبداللہ و عن رسولہ فعلی الراس و العین " یعنی حضرت عبداللہ اور رسول اللہ سے جو بھی روایتیں آئے ہیں وہ تمام احکامات میرے سر و آنکھوں پر ہے (کشف الاسرار شرح بزدوی)

○○○

زجاجۃ المصابیح کی فنی خصوصیات

ڈاکٹر حافظ سید بدیع الدین صابری
(کامل الحدیث جامعہ نظامیہ)
اسوسی ایٹ پروفیسر عربک عثمانیہ یونیورسٹی

حضرت ابولحسنات رہبر شریعت و رہنمائے طریقت مولانا سید عبداللہ شاہ نقشبندی و قادری محدث دکن علیہ الرحمہ والرضوان کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ کا سینہ مشکوٰۃ نبوت کے انوار سے پرتو، عبادت الٰہی اور خدمت دین متین سے ان کا دل بقعہ نور اور ان کی روح معرفت خداوندی سے سرشار اور ان کی زباں ذکر الٰہی اور وعظ و نصیحت سے مرطوب تھی۔

یہ چند سطور حضرت محدث دکن علیہ الرحمہ کی مایہ ناز کتاب زجاجۃ المصابیح کی فنی خصوصیات کے بارے میں لکھے جا رہے ہیں، اس سے رسم زمانہ کی تکمیل مقصود نہیں بلکہ اس حدیث شریف کی تعمیل مقصود ہے جو صاحب ترمذی نے روایت کی حضور رحمۃ للعالمین خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ" (جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا) جو شخص کسی محسن کا شکریہ ادا کرے گا یہ ضروری نہیں کہ اس کے احسان کا تعلق ایک جماعت سے ہو بلکہ ایک فرد سے بھی ہو سکتا ہے اور پھر اس کے احسان کا تعلق صرف کسی دنیاوی ضرورت سے بھی ہو سکتا ہے تو ایسے شخص کا شکریہ ادا نہ کرنا رب کا شکر ادا نہ کرنے کے مترادف ہے۔ تو پھر ان مقدس نفوس کا شکریہ جن کے احسانات کا فائدہ اس دنیا اور آخرت دونوں میں عام ہے اور اس کا فیضان صرف ایک فرد یا مختصر سی جماعت سے متعلق نہیں بلکہ عالم کی ایک عظیم جماعت سے ہے ان کا شکریہ ادا نہ کرنا رب تبارک و تعالیٰ کی کتنی بڑی ناشکری سمجھی جائے گی۔

حضرت محدث دکنؒ کی اس تصنیف کا احسان ساری دنیائے علم حدیث اور خصوصاً تمام احناف پر ہے۔ جو ہر دور میں عالم کی سب سے بڑی جماعت رہی ہے۔ جس احسان کا اعتراف اور اس کی شکر گزاری ہر حنفی کا اخلاقی فرض بنتا ہے۔

آپؒ صرف محدث ہی نہیں تھے بلکہ ایک عظیم صوفی اور ولی کامل بھی تھے آپ طالبان علوم اور مخلوق خداوندی کے ظاہر کو شریعت کے انوار سے اور ان کے باطن کو طریقت کے فیضان سے منور فرماتے تھے۔ آپ کی عظمت کا بیان بقول "ولی را ولی می شناسد" ایک اللہ کے ولی فقیہ ملت حضرت مولانا ابو الوفاء افغانی علیہ الرحمہ سے سنیئے جبکہ آپ نے حضرت محدث دکن کے انتقال کے موقعہ پر انتہائی رقت انگیز لہجہ میں حضرت کی پاکباز زندگی اور میدان علم حدیث میں ان کے عظیم کارنامہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

"حضرت محدث دکن قدس سرہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی پیام اور الٰہی مشن کو آگے بڑھانے کے لئے اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپ کی پوری زندگی اللہ تعالی کی خوشنودی کے لئے وقف تھی۔ آپ کا نصب العین یہ تھا کہ خداوند قدوس سے بندہ کے رشتہ کو مضبوط کیا جائے اور ماسوی اللہ کی نفی کی جائے اس فنا اور بقاء، نفی اور اثبات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالی اس سے وابستگی کے بعد ساری دنیا ان کے قدموں تلے آگئی اور آپ ایک زندہ جاوید ہستی بن گئے۔ آپ اپنی تعلیمات

یقین محکم، عمل پیہم اور حب حقیقی کے ذریعہ فاتح عالم بنے انسان کے دلوں کو ذکر الٰہی سے گرمایا۔ ایمان کی تازگی بخشی، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء کیا اور آم والی مسجد حسینی علم میں بیٹھ کر چالیس سال میں ایسی مایہ ناز کتاب زجاجۃ المصابیح لکھی جو عالم اسلامی میں پڑھی اور پڑھائی جارہی ہے عالم اسلام آپ کے اس تجدیدی کارنامہ پر جتنا فخر کرے کم ہے اس جلیل القدر کتاب سے یہ بات واضح ہے کہ آپ ایک متبحر عالم اور عظیم مصنف تھے جن کو علوم اسلامیہ میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ نہ صرف عربی زبان میں زجاجۃ المصابیح بلکہ اردو زبان میں دس کتابیں یہ اتنا عظیم الشان سرمایہ ہے جو آنے والی نسلوں کی قیامت تک رہبری کرتا رہے گا۔ (تذکرہ محدث دکن۔ ڈاکٹر ابو الخیرات محمد عبدالستار خاں نقشبندی۔ ص ۲۶۴۔ ۲۶۵)

دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبولیت۔ حضرت محدث دکن کا یہ عظیم کارنامہ تائید غیبی کا نتیجہ ہے جس کا اظہار خود آپ نے اپنی کتاب کی ابتداء میں اس طرح فرمایا۔ "جب خطیب تبریزی نے مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت امام شافعی کے مسلک کے مطابق احادیث کو جمع فرمایا تو میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا کہ میں مشکوٰۃ ہی کے طرز پر ایک ایسی کتاب تالیف کروں جس میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ والرضوان کے مسلک کے مطابق احادیث جمع کروں مگر میری تنگ دامنی مجھے اس کام کے انجام دینے سے روک رہی تھی یہاں تک کہ میں نے خواب میں شمس الضحی و بدر الدجی و نور الہدی و مصباح الظلم ہمارے حبیب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جلوہ گر دیکھا اور سلام فرمایا تو میں نے بھی سلام عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم روحی فداہ نے مجھے اپنے اس سینے سے چمٹایا جو علم و حکمتوں کا منبع ہے مجھ کو گلے لگایا جب میں نیند سے شاداں و فرحاں بیدار ہوا تو اس نعمت پر میں اللہ کی حمد بجا لایا اور اس کا شکر ادا کیا اور یہ مبارک خواب میرے سینے کے انشراح کا سبب بن گیا جس کی برکت سے اس کی تنگی کشادگی سے تبدیل ہوگئی اور میں نے اس کی تالیف کا پختہ ارادہ کرلیا اور اس کے لئے اپنی کمر کس لی اور اس کتاب میں جو بھی حدیث لکھا ہر حدیث کے تحریر کے وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا اور میں نے اس کا نام "زجاجۃ المصابیح رکھا" (زجاجۃ المصابیح، جزء اول ص ۲)

زجاجۃ المصابیح کی پانچوں جلدیں جو تقریباً ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل ہیں، اس کی تکمیل ۱۹۵۱ء میں ہوئی، عدم سرمایہ کی وجہ سے اس کی طباعت تین سال بعد ہوئی اس وقت آصفی سلطنت باقی تھی حضرت محدث دکن کی متوکلانہ طبیعت کسی عہدیدار سے اس کتاب کی اشاعت کے لئے سرمایہ طلب کرنے پر راضی نہیں تھی لکھوائے۔

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند (غیب سے کوئی شخص نمودار ہوگا اور کام انجام دے گا)

حضرت کے ایک مرید جناب حاجی عبدالرزاق صاحب گتہ دار بیڑ (مہاراشٹرا) حسب معمول ذکر الٰہی میں تھے مکاشفہ میں انھوں نے دیکھا کہ پیر و مرشد قدس سرہ نور کے ایک ہالہ میں گھرے ہوئے ہیں لیکن اس نور کو پھیلنے کا راستہ نہیں ہے وہ بہت حیران ہوئے کہ کیا ماجرا ہے انھوں نے اپنے اس وارد کو حضرت علیہ الرحمہ کے ایک شاگرد جناب حکیم محمد صابر صاحب لکچرر

عربی اورنگ آباد کالج سے ذکر کیا انھوں نے بتایا حاجی صاحب آپ کا مکاشفہ بالکل صحیح ہے حضرت پیرو مرشد نے تاجدار مدینہ سرور قلب وسینہ کے نورانی ارشادات یعنی احادیث شریفہ پر مشتمل ایک ضخیم کتاب تالیف فرمائی ہے۔ جو سراسر نور ہی نور ہیں اور راستہ یوں بند ہے کہ حضرت کے پاس اس کی اشاعت کے لئے کوئی سرمایہ نہیں ہے تم راستہ نکالو اور ثواب دارین حاصل کرو۔ چنانچہ موصوف نے تخمینہ مصارف کے بعد آٹھ ہزار روپئے کی خطیر رقم حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں روانہ فرمائی ۔اور طباعت کا کام شروع ہوگیا اور ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۰ء تک زجاجۃ المصابیح کی پانچوں جلدیں زیور طباعت سے آراستہ ہوگئیں اور اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن کوئٹہ (پاکستان) سے ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا (تذکرہ حضرت محدث دکن۔ ص ۲۰۴)

اسی تائید غیبی کا نتیجہ تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ کتاب ہند و بیرون ہند مقبول عام ہوگئی جیسا کہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی ازہری دہلوی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ "عاجز نے افغانستان کے علماء اعلام کو اس کتاب سے آگاہ کیا اور ان سے کہا کہ اس زجاجۃ المصابیح نے علماء حنفیہ کو مشکوٰۃ المصابیح سے بے نیاز کر دیا ہے اگر تم اس کو چھپوالو اور یہ کتاب علماء کرام کے مطالعہ میں آجائے تو بہتر ہوگا۔ عاجز یہ بات کہکر دہلی آگیا اور دوسرے سال جب کوئٹہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ علماء کرام نے یہ کتاب چھپوالی ہے اور افغانستان میں وہ مقبول خلائق ہوئی (تذکرہ حضرت محدث دکن۔ ص ۹)

ضرورت تالیف: اگر کوئی یہ سوال کرے کہ صحاح ستہ اور متعدد کتب حدیث خصوصا طحاوی شریف کے بعد زجاجۃ المصابیح کی ضرورت کیوں پیش آئی تو یہی سوال مشکوۃ المصابیح کی تالیف سے بھی متعلق ہوگا جو جواب مشکوۃ کے متعلق ہوگا وہی جواب زجاجۃ کے بارے میں ہوگا۔ مشکوٰۃ المصابیح کی تالیف کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ مذکورہ کتب حدیث میں صرف صاحب کتاب کی سند سے مروی شدہ روایات ہی ہوں گی۔ کسی عنوان کے متعلق جامع معلومات کے لئے ساری کتابوں کے ابواب دیکھنا ہر ایک کے لئے ایک دشوار امر ہے اس لئے صاحب مشکوٰۃ نے استفادہ کے سہولت کی خاطر صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب حدیث سے احادیث کو جمع کیا چونکہ صاحب مشکوٰۃ شافعی تھے اس لئے اختلافی مقامات میں وہی احادیث لاتے ہیں جن سے حضرات شافعیہ استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ ہر زمانے میں یہ ضرورت بڑی شدت کے ساتھ محسوس کی گئی کہ مشکوٰۃ کے طرز پر ایک کتاب ایسی ہو جو ان روایات پر مشتمل ہو جن سے احناف کے مسلک کی تائید ہوتی ہو۔ مشکوٰۃ کی تالیف کے بعد سات سو برس سے یہ قرض جو علماء احناف پر تھا اس کو محدث دکن حضرت عبداللہ شاہ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ نے ادا فرمایا جیسا کہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اعتراف کیا ہے کہ "اس میں قطعا اختلاف نہیں ہے کہ ایسی کتاب علماء احناف ایک ہزار سال سے نہیں لکھ سکے ہیں"۔

خصوصا دور حاضر میں اس کتاب کی اشد ضرورت تھی جبکہ ایک جماعت جو حدیث پر عمل کرنے کا دعوی کرتی ہے جو حدیث فہمی سے کوسوں دور ہے اور جو اپنی غلط فہمی اور نادانی سے یہ پروپگنڈہ کرتی ہے کہ احناف قیاس اور رائے پر عمل کرتے ہیں اس کا حدیث سے واسطہ نہیں۔ زجاجۃ المصابیح ان کے اس پروپگنڈہ کا قلع قمع کرتی ہے جو کوئی انصاف پسند حضرت کی

اس جمع کردہ احادیث کے مجموعے اور تحقیقات کو دیکھے گا یہ کہہ اٹھے گا احناف کے مسلک کی تائید جس قدر احادیث سے ہوتی ہے اور کسی مسلک کی نہیں حضرات حنفیہ سے زیادہ اور کسی کو حدیث پر اہتمام عمل نہیں ہے ۔ فقہ حنفیہ کا ایک ایک جزئیہ حدیث نبوی سے مستنیر ہے حضرت امام صاحب کا قول حدیث کے علاوہ کسی نہ کسی صحابی یا تابعی کے قول سے ماخوذ ہے ۔

فنی خصوصیات : زجاجۃ المصابیح علم حدیث کا ایک روشن مینارہ ہے اور احادیث نبویہ کے ذخیرہ میں قابل قدر اضافہ ہے اور خصوصا احناف کے لئے یہ کتاب دلیل راہ کی حیثیت رکھتی ہے ۔

یہ مجموعہ (۲۹) کتابوں (مثلا کتاب الایمان ، کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلوۃ وغیرہ) اور ۳۲۰ ابواب پر مشتمل ہے ۔

زجاجۃ سے قبل لکھی ہوئی احناف کی کتابوں کا اکثر موضوع ان احادیث و اخبار کا بیان ہے جن کا تعلق اختلافی مسائل سے ہے لیکن زجاجۃ المصابیح میں مشکوٰۃ المصابیح کی طرح علوم حدیث کے مختلف مضامین عقائد ، احکام ، آداب اور مناقب وغیرہ کو جمع کیا گیا ہے ۔ اور صحاح ستہ کے علاوہ موطا امام مالک و موطا امام محمد و مسند امام احمد و دارمی و طبرانی و دار قطنی و بیہقی و مصنف ابن ابی شیبہ و شرح معانی الآثار وغیرہ متعدد کتب حدیث جو چراغوں کی طرح روشن ہیں جن کی روشنی اس زجاجۃ سے نکھر رہی ہے اور یہ احادیث مقدسہ کا حسین گلدستہ ہے ۔ جس سے دماغ ایمان معطر ہوجاتا ہے ۔

مشکوٰۃ میں ایک مسئلہ کے متعلق احادیث تین فصلوں میں منتشر تھیں جس سے پڑھنے والے میں ایک تو کیفیت تسلسل کا برقرار رہنا اور دوسرے مسائل کا بیک نظر تلاش کرنا دشوار تھا ۔ اس لئے حضرت محدث دکن نے ہر مسئلہ کے متعلقہ احادیث کو بلالحاظ فصل یکجا کیا ہے ۔ جیسا کہ صاحب مشکوۃ نے کتاب الاطعمۃ میں سب سے پہلی حدیث بسم اللہ پڑھنے اور کھانے کے دوران آداب سے متعلق حدیث لائی اور صاحب زجاجۃ نے سب سے پہلی حدیث کھانے پر بیٹھنے سے قبل جس ادب کو ملحوظ رکھا جائے جیسے " ہاتھ دھونا " لائی ہے اور یہی روایت صاحب مشکوٰۃ نے دوسری فصل میں بیان کیا ہے کیونکہ صاحب مشکوٰۃ کے پیش نظر بیان احادیث میں بخاری و مسلم و دیگر کتب کی ترتیب ہے اور صاحب زجاجۃ کے پیش نظر مسائل کی ترتیب ہے ۔ اس لئے زجاجۃ المصابیح کی ترتیب میں انتہائی معقولیت اور سہولت نظر آتی ہے ۔

قارئین زجاجۃ اس خصوصیت کو نمایاں پائیں گے کہ ہر باب میں اس سے کلی مطابقت رکھنے والی حدیث کو مقدم رکھا اور مسائل کی تمام روایات درجہ صحت و حسن سے کم نہیں ہے ۔ حضرت مولانا محمد خواجہ شریف صاحب قبلہ شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ نے نور المصابیح جلد دہم کے ابتداء میں بیان فرمایا :

" اصل بات یہ کہ حدیث شریف میں ضعف تو وہ سند اور رواۃ کی عدالت و ضبط میں کسی طعن کی وجہ سے ہے اور یہ بعد زمانہ کے ساتھ بڑھتا گیا لیکن ائمہ مجتہدین بالخصوص ان میں امام اعظم کا دور خیر القرون ہے ۔ اسی لئے امام صاحب کی مستدل احادیث شریفہ سب صحاح کے مرتبہ میں ہیں " ۔ (نور المصابیح جلد دہم ، عرض مترجم)

اصحاب صحاح ستہ اور دیگر مشہور محدثین کرام میں سے ہر ایک نے کسی نہ کسی طریقہ سے حضرت امام اعظم کے تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ سے علم حدیث میں استفادہ کیا ہے اور باقاعدہ ان کی شاگردی اختیار کی ہے اس کی تفصیل حضرت شیخ الاسلام علامہ حافظ محمد انوار اللہ شاہ فاروقی فضیلت جنگ علیہ الرحمہ کی تصنیف حقیقۃ الفقہ میں ملاحظہ کیجئے : امام صاحب کے مستدلہ مسائل سے متعلق احادیث میں قرب زمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ضعیف کا احتمال کم ہے ۔ مذکورہ محدثین کا زمانہ امام صاحب کے بہت بعد کا ہے مثلاً حضرت امام صاحب کی پیدائش ۸۰ ھ میں ہوئی اور حضرت امام بخاری کی پیدائش ۱۹۴ھ میں ہوئی حضرت امام بخاری حضرت امام صاحب سے ۱۱۴سال چھوٹے اور امام مسلم ۱۲۴سال چھوٹے اور امام داؤد ۱۲۲سال چھوٹے ہیں۔

فقہ حنفی کے مخالفین اگر ٹھنڈے دل سے زجاجۃ المصابیح کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوجائے گا کہ فقہ حنفی کا ہر مسئلہ صحیح احادیث سے ماخوذ ہے ۔ مسئلہ عدم قراءت خلف الامام اور رفع یدین وغیرہ سے متعلق زجاجۃ میں موجود احادیث شریفہ کے متعلق جو تحقیق حضرت شیخ الحدیث مولانا خواجہ شریف صاحب نے اپنی کتاب " امام اعظم امام المحدثین " میں فرمائی ۔ اس کا اقتباس درج ذیل ہے : " امام کے پیچھے قراءت کرنے کی کوئی بھی حدیث بخاری شریف میں نہیں ہے اس میں صرف یہ ہے کہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں یہ حکم تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے ہے ۔ مسلم شریف میں " لا قراءۃ مع الامام فی شئی " (امام کے ساتھ نماز کے کسی حصہ میں تلاوت نہیں) کے صاف صاف الفاظ ہیں احادیث کریمہ سے یہ ثابت ہے کہ آیت کریمہ "فاستمعوا لہ و انصتوا" (جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو) امام کی قرات کے وقت مقتدی کو خاموش رہنے سے متعلق ہے " (روایات زجاجہ میں ملاحظہ فرمائیے) صحاح ستہ میں اس مضمون کی اور بھی حدیثیں ہیں حضرت محدث دکن نے اس سلسلہ میں زجاجۃ المصابیح میں جو احادیث جمع فرمائیں انکا اجمالی خاکہ ملاحظہ فرمائے۔

امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے کے متعلق احادیث

صحابہ کی تعداد جن سے یہ حدیثیں نقل کی گئیں	۱۷
کتابوں کی تعداد جن سے احادیث لی گئیں	۲۶
قراءت نہ کرنے کے متعلق جملہ احادیث	۱۰۴

رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت کیا جائے ۔

صحابہ کی تعداد جن سے یہ احادیث نقل کی گئیں	۵
وہ محدثین جن سے یہ احادیث لی گئیں	۱۴
جملہ احادیث	۲۹

نماز میں آمین آہستہ کہنے کے متعلق زجاجۃ المصابیح میں جملہ ۱۲ احادیث نقل کی گئیں ۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب قبلہ نے

بالکل حق فرمایا "زجاجۃ المصابیح کو پڑھنے کے بعد بھی اگر کوئی فقہ حنفی کے بارے میں لب کشائی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ فقہ احادیث شریفہ کے مطابق نہیں ہے تو یہ اس کی کم فہمی یا عناد کے سوا، کچھ نہیں۔ اللہ ھو الموفق۔ (امام اعظم امام المحدثین ۱۰۹)

حضرت نے ہر بڑے باب کی ابتداء، قرآن مجید کی آیات سے فرمائی۔ ابواب سے بالکل متعلقہ آیات کا انتخاب سے آپ کی قرآن مجید پر گہری نظر اور استنباط کی صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً " باب مایقرا بعد التکبیر " (نماز کی تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھا جائے) کی ابتداء اس آیت سے فرمائی " و سبح بحمد ربک حین تقوم " (اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرو جبکہ تم کھڑے ہو) تکبیر کے بعد ثناء (سبحنک اللھم و بحمدک الخ) کا پڑھنا بالکل اس آیت پر عمل کرنا ہے۔

حضرت محدث دکن کا علمی تبحر اور اس کی وسعت زجاجہ کے حاشیہ سے ظاہر ہے۔ اور یہ حواشی تقریباً ۵۱۰ سے زائد مصادر سے ماخوذ ہیں۔ شرح میں سطحی اقوال کو نہیں بیان فرمایا بلکہ انتہائی مفید اصول تحریر فرمائے جس کے مطالعہ سے ایک طالب علم حدیث کی بصیرت میں خوب اضافہ ہوتا ہے جس کی ایک مثال یہاں دی جاتی ہے۔

حضورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس نے صبح کی ایک رکعت سورج کے طلوع ہونے سے پہلے پالی اس نے صبح کی نماز پالی الخ " شوافع اس سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نماز فجر کے دوران سورج کے طلوع ہونے سے نماز باطل نہیں ہوتی اور احناف کے پاس نماز نہیں ہوتی صاحب زجاجہ اس حدیث کے اصل مفہوم کو اور نماز کے نہ ہونے پر مختلف روایات کو پیش کرتے ہوئے علامہ عینی کے اس قول کو پیش فرمایا کہ جبکہ سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز کی ممانعت سے متعلق کثیر احادیث منقول ہیں، اباحت صلوۃ کے مقابلہ میں نہی کی روایات کا متواتر ہونا اسکے منسوخ ہونے کی دلیل ہے

صاحب زجاجہ نے اسکے حاشیے میں نسخ کے متعلق ایک ایسا قاعدہ نقل فرمایا جو مختلف مسائل میں ایک جامع اصول کی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ تحریر فرمایا:

"نسخ کی حقیقت یہ ھیکہ اس مقام میں محرم (حرمت والی حدیث) و مبیح (جواز والی حدیث) دونوں جمع ہوگئے اور یہ قاعدہ مشہور ہیکہ محرم و مبیح دونوں جمع ہو جائیں تو عمل محرم (حرمت والی روایت) پر ہوگا اور مبیح (جواز) منسوخ سمجھا جائیگا کیونکہ ناسخ کا حکم آخر میں ہوا کرتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ حرمت والا حکم جواز کے بعد ہوا کرتا ہے کیونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے (یعنی ہر شی جائز ہے جبتک کہ منع وارد نہ ہو) اور تحریم (اباحت کے بعد) عارض آنے والی شئی ہے اور اسکا عکس نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں دو مرتبہ نسخ لازم آجائیگا (زجاجۃ المصابیح " الطبعۃ الاولی: ۱/۱۶۷)

کتاب کے اصل متن میں اختلافی مسائل کے سلسلہ میں ایسی مفید باتوں کو نقل فرمایا جن سے واقفیت ہر طالب علم حدیث کے لئے ضروری ہے۔

اخیرہ قعدہ میں تشہد کے اختتام پر حدث ہونے سے نماز کے اعادہ کی ضرورت نہ ہونے پر حضرت نے ابوداود و ترمذی اور دیگر کتب حدیث سے مرفوع حدیث نقل کرکے تحریر فرمایا:

ابو داؤد نے اس حدیث کے بارے میں سکوت فرمایا اور وہ جب کسی حدیث پر سکوت فرماتے ہیں تو وہ ان کے پاس حسن یا صحیح ہوتی ہے اور ترمذی یہ کہہ چکے ہیں کہ ہر وہ روایت جس کو میں نے اپنی اس کتاب میں ذکر کیا ہے حجت ہے سوائے چار احادیث کے اور یہ حدیث اس میں سے نہیں " کذافی السعایۃ " (زجاجۃ المصابیح ۱۰ ص۔ ۲۳۶)

جب محدثین کسی حدیث کے بارے میں یہ کھتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے تو علم حدیث سے ناواقف یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے اس بات کا رد کرتے ہوئے حضرت محدث دکن نے مذکورہ مسئلہ ہی کے ضمن میں ترمذی کی ایک روایت کردہ حدیث کی شرح فرمایا۔

" ملا علی قاری نے فرمایا اس حدیث ہے کہ کے اور بھی طرق ہیں جن کو طحاوی نے ذکر کیا ہے۔ کثرت طرق ضعیف حدیث کو درجہ حسن میں پہنچا دیتے ہیں۔ ابن ھمام نے کہا ہے کہ کسی حدیث کے بارے میں کسی کا یہ کہنا کہ " یہ صحیح نہیں ہے " کہ اگر اس کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو باعث عیب نہیں کیونکہ حجت صحت پر ہی موقوف نہیں بلکہ حسن بھی کافی یہ (صحیح کی نفی سے ضعیف ہونا لازم نہیں آتا حسن بھی ہوسکتی) (زجاجۃ المصابیح ۔۱/ ۲۹۶)

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے مسلک کے حقانیت آپ کی سطر سطر سے نمایاں ہے۔ حضرت امام صاحب کی فضیلت میں اس حدیث کے تحت ایک اہم نکتہ ملاحظہ فرمائیے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " انا اکثرھم تابعا یوم القیامۃ " (متفق علیہ) (قیامت کے دن سارے انبیاء میں میرے متبعین زیادہ ہوں گے)۔ اس حدیث میں اس بات کا ثبوت ہے کہ متبعین کی کثرت متبوع (جس کی اطاعت کی جاتی ہے) کی افضلیت کو بتاتی ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کو (ائمہ میں باعتبار عظمت) عظیم وافر حصہ حاصل ہے کیونکہ اکثر اہل اسلام فروعی احکام میں آپ ہی کے متبعین ہیں۔ (زجاجہ ۵ / ۱۷)

جہاں احادیث شریفہ میں عظمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مضمون آتا ہے تو حضرت محدث دکن کا قلب مبارک حب نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے سرشار ہو جاتا ہے جو ایمان کی کسوٹی ہے اور آپ کا قلم ایسی ایسی ایمان افروز باتوں کو نقل کرتا ہے جن سے دماغ ایمان معطر ہو جاتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان " و انا حبیب اللہ و لا فخر الخ " (میں اللہ کا حبیب ہوں اس پر فخر نہیں کرتا) کی شرح میں رقمطراز ہیں۔

خلیل اور حبیب میں فرق یہ ہے کہ خلیل خلت سے مشتق ہے جس کے معنی حاجت کے ہیں ۔ اللہ تعالی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور حبیب " فعیل " کے وزن پر فاعل اور مفعول دونوں معنی میں آتا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ محب اور محبوب ہیں خلیل وہ محب ہے جو اپنے محبوب کو اپنی حاجت کی وجہ سے چاہتا ہے اور حبیب بغیر کسی غرض سے چاہنے والا ہوتا ہے اور اس کا حاصل یہ ہیکہ خلیل مرید سالک و طالب کے درجہ میں ہوتا اور حبیب مراد و مجذوب اور مطلوب کے درجہ میں ہوتا ہے اسی وجہ سے خلیل کا فعل اللہ کی رضا کے لئے ہوتا ہے اور حبیب وہ ہے اللہ کا فعل اس اس کی رضا کے لئے ہوتا ہے

۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے "فلنولینک قبلۃ ترضھا" (ہم ضرور ضرور تمہیں اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس میں تمہاری رضا ہے)۔ "ولسوف یعطیک ربک فترضی" (تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے) خلیل وہ ہے جس کی مغفرت حد طمع میں ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا" والذی اطمع ان یغفر لی "اور حبیب وہ جس کی مغفرت مرتبہ یقین میں ہو جیسا کہ رب نے حبیب سے فرمایا" لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک و ماتاخر "اور خلیل یہ کہے " رب اجعل لی لسان صدق فی الاخرین " (اے میرے رب میرا ذکر خیر پچھلے لوگوں میں کردے) اور رب تعالی حبیب سے یہ کہے "ورفعنا لک ذکرک" (ہم نے آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کیا) اور خلیل یہ عرض کرے "واجعلنی من ورثۃ جنۃ النعیم " (مجھے جنت نعیم کے وارثین میں سے بنادے) اور رب نے حبیب سے فرمایا" انا اعطینک الکوثر " (بیشک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمایا) زجاجۃ المصابیح ۔ج ۵ ص ۱۳)

جہاں حضرت محدث دکن رحمہ اللہ نے اختلافی مسائل میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے مسلک کو سب سے بڑھ کر احادیث سے قریب ثابت فرمایا ہے وہیں مسلک اہل سنت والجماعت کے عقائد کے اثبات میں کوئی کسر نہیں رکھی ۔آپ کا نفس نفیس تعلیقات کا انتخاب کرنا آپ کے مسلک حق کی حفاظت پر شدید حرص پر دلالت کرتا ہے جس کی چند مثالیں درج ذیل سطور میں ملاحظہ فرمایئے ۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہیکہ آپ نے فرمایا میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا اور ہم اس کے اطراف و اکناف کے ایک حصہ میں نکلے تو جس کسی پہاڑی یا درخت کا سامنا ہوتا تو وہ کہتا " السلام علیک یارسول اللہ) (راوہ الترمذی والدارمی)

اس حدیث کی شرح مرقاۃ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا یہ حدیث نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت کا ثبوت ہے (کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انسانی عادت کے برخلاف پہاڑ اور اور درخت کے سلام کی آواز کو سن لیا) (زجاجۃ المصابیح ۔ج ۵ ص ۱۲۵)

زیارت قبور کی وہ حدیث جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کی اجازت دی اس کے حاشیہ میں نقل فرمایا کہ "ابن حجر نے اپنے فتوی میں کہا اولیاء کے قبور کے پاس جو منکرات کا صدور ہوتا ہے جیسے مردوں اور عورتوں کا اختلاط اس کی وجہ سے قابل تقرب امور (زیارت قبور) کو چھوڑا نہیں جاسکتا بلکہ لوگوں پر ضروری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ان برائیوں کا سد باب اور ازالہ کریں (نفس زیارت کو منع نہ کریں) (زجاجۃ المصابیح ۔ج : ۱۔ص ۴۸۶)

حضرت محدث دکن علیہ الرحمۃ نے اس کتاب کے ذریعہ عقائد کی بنیاد اور احکام کی حفاظت کا جو انتظام فرمایا اس کی طرف نظر کرتے ہوئے حضرت مولانا ابوالحسن زید فاروقی رحمہ اللہ نے اپنے تاثرات کا یوں اظہار کیا۔

"مصابیح ہو یا مشکوٰۃ ان کے مولف شافعی ہیں ۔۔۔ ہمارے علماء احناف نے ان کتابوں کی شرح یا حاشیہ لکھ کر حنفی مذہب کے استدلالات لکھے ہیں ۔ ۳، ۷ھ سے ۱۳۶۸ھ تک احناف کس مپرسی کی حالت میں رہے مرقات ، لمعات اور اشعۃ اللمعات کو ہر

شخص خرید نہیں سکتا۔ وہابیت اور غیر مقلدی کے اسباب پوری طرح اثرانداز ہوتے جارہے تھے اللہ تعالی نے اپنے لطف و کرم سے محدث دکن کو توفیق دی کہ وہ حنفی مذہب کے استدلالات احادیث شریفہ کی مستند کتابوں سے جمع کریں۔۔۔ حضرت محدث دکن نے وہ کام کیا جو سات سو سال سے کوئی حنفی نہیں کرسکا اس کتاب کی اشاعت سے غیر مقلدی اور وہابیت کے اثرات پھیلنے سے انشاء اللہ بند ہوجائیں گے۔"۔ (تذکرہ محدث دکن۔ ص ۱۲)

مولانا محمد منظور نعمانی نے حضرت محدث دکن سے حیدر آباد میں اپنی ملاقات کے دوران زجاجۃ المصابیح کی تالیف کی قدردانی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا "حضرت! حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قصر عالی شان میں ایک اینٹ رہ گئی تھی الحمد للہ! آپ نے وہ رکھ دی ہے۔ یعنی زجاجۃ کی تصنیف سے حدیث شریف کا یہ قصر مکمل ہوا جب حضرت محدث دکن نے یہ سنا تو آنسو سے ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قبول فرمالیں" (تذکرہ محدث دکن۔ ص ۱۵۷)

فقیہ ہرات مولانا ابونصر محمد اعظم برنابادی نے تیسری جلد کی وصولیابی پر اظہار مسرت کرتے ہوئے لکھا:

"زجاجۃ کی دوجلدوں کی تدریس نے میری آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی اور اب تیسری جلد کی صولیابی میرے وسعت قلب اور انشراح صدر کا موجب ثابت ہورہی ہے۔ جو حقیقت میں صحیح ترین حدیثوں کا منبع ہے اور ایسا محسوس ہورہا ہے کہ مجھے ایک ایسا بحرزخار حاصل ہوگیا ہے جو میرے لئے بالکل کافی ہے احناف کے لئے واضح حجت ہے جہالت اور تنقید کی بیماریوں کے لئے قانون ہے اور مذہب حنفی کے بارے میں جواب قاطع ہے اس کے جملہ فوائد سے آگاہی گہری نظر کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔۔۔ (زجاجۃ المصابیح جلد اول)

علامہ عبد الفتاح ابوغدۃ شہر حلب ملک شام کے رہنے والے ہیں جب زجاجۃ کی پہلی جلد دیکھی تو حضرت محدث دکن کی خدمت میں مکتوب ارسال کرتے ہوئے لکھا:

مجھے حضرت والا کی تصنیف زجاجۃ المصابیح کی جلد اول دستیاب ہوئی جس کی وجہ سے میری بصر اور بصیرت دونوں روشن ہوگئے اللہ تعالی نے آپ کو اس بیش بہا نعمت سے جو نوازا ہے اس پر اللہ تعالی کا شکر ادا کیا اللہ تعالی آپ کو اس کار خیر پر اسلام اور حضرات احناف کی طرف سے جزاء خیر عطا فرمائے۔ (زجاجۃ المصابیح جلد اول)

مولانا عبد الحکیم شرف قادری شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، پاکستان نے فرمایا "ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کتاب کو دینی مدارس کے نصاب میں شامل کیا جائے اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے خوشی کی بات یہ ہے کہ فرید بک اسٹال لاہور کی طرف سے یہ کتاب اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کی جارہی ہے اس کتاب کی اشاعت سے اہل علم قارئین کو پتہ چلے گا کہ فقہ حنفی کس قدر مضبوط دلائل کی بنیاد پر استوار ہے"۔ (تذکرہ محدث دکن۔ ص ۱۱)

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ زجاجۃ کی نورانی کرنوں کی روشنی سارے عالم میں عام کرے آمین۔

مختصر تعارف مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ

نادر نایاب تحقیقی کتب کی طباعت کا ادارہ

مولانا حافظ محمد عبید اللہ فہیم صاحب
محاسب جامعہ نظامیہ
شریک معتمد مجلس اشاعت العلوم

مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ کا قیام شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمۃ بانی جامعہ نظامیہ کے علمی کاوشوں میں ایک معرکۃ الآراء کارنامہ ہے۔ شیخ الاسلام نے ۱۳۳۰ھ میں علوم اسلامیہ کے مفید نادر تحقیقی، اصلاحی اور معلومات آفریں کتب کی اشاعت کیلئے مجلس اشاعت العلوم کو قائم فرمایا۔ یہ بات واضح ہے کہ اللہ والوں کے تمام کام اللہ اور صرف اللہ کے واسطے ہوتے ہیں۔ ابتداء میں شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ تصانیف خود طبع کرواتے اور اصل لاگت پر فروخت کرتے بلکہ اکثر ضرورت مند لوگوں کو مفت عنایت فرماتے شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کے پاس خود کبھی رقم جمع نہیں رہتی توکل علی اللہ مولانا کا خاص وصف تھا اس لئے کتابوں کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوجاتی جو مولانا کو مضطرب رکھتی اللہ والوں کا کام اللہ پورا کرتا ہے کے مصداق خداوند قدوس نے اس مانع کو رفع فرمایا اور حسب فرمان: اعلحضرت حضور نظام نواب میر عثمان علیخان بہادر آصف جاہ نے شیخ الاسلام کے نام (۵۰۰) روپیہ سکہ عثمانیہ معادل (۴۲۹) روپیہ سکہ ہند جاری کیا۔ مولانا علیہ الرحمۃ اس رقم کو اپنی ذات کے لئے استعمال کرنے کے بجائے اس ماہوار سے ایک مجلس بنام " مجلس اشاعت العلوم " کی بناء ڈالی جس کے اغراض و مقاصد یہ تھے کہ اہل علم کی مفید تصنیفات جو سرمایہ کی کمی کی وجہ سے طبع نہ ہوسکتی ہوں طبع کروائی جائیں۔ مولانا اپنی زندگی تک اس کے میر مجلس رہے۔ مولانا نے اس اشاعت العلوم کو بام عروج تک پہنچایا۔ شیخ الاسلام اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف کے لئے وقت نکالتے۔ آپ کی تصانیف ملک و بیرون ملک بے حد مقبول ہوئیں۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے ☆ پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

تصانیف کی مقبولیت کی وجہ سے دوبارہ طباعت کی ضرورت لاحق ہوتی۔ اس مسئلہ کے مستقل حل کے لئے شیخ الاسلام نے اشاعت العلوم کو قائم فرمایا۔

حضرت شیخ الاسلام نے زمانہ کے تقاضے اور ضرورت کے مطابق جو مسائل قوم و ملت کے درپیش ہوئے ان موضوعات پر قلم اٹھاتے اور ایسی تصانیف عالم وجود میں آتیں جو قوم و ملت کیلئے مفید ہوتیں نیز وقت کے علماء اعلام کو بھی شیخ الاسلام کسی نہ کسی موضوع پر تصنیف کا حکم دیتے اور اس کو طبع کرواتے۔ مولانا علیہ الرحمۃ کے جملہ تصانیف پر تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی جاسکتی البتہ مختصر طور پر کیفیت پیش ہے، مقاصد الاسلام حصہ اول تا یازدہم، بانی جامعہ کی معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔ جب کبھی مولانا علیہ الرحمۃ کو اپنے مشغلہ علمی میں کوئی خاص خیال پیدا ہوتا تو آپ اس کو ایک مضمون کی شکل میں لالیا کرتے تھے۔ چونکہ

ایسے مضامین عوام کے افادہ کے لئے مناسب تھے ۔ بانی جامعہ نے اس کی اشاعت کے لئے مقاصد الاسلام کے نام سے کتاب شائع فرمائی جس کی اشاعت کوئی موقتی چیز نہیں تھی بلکہ جب کبھی مضامین جمع ہوجاتے شائع کر دیئے جاتے ۔ مقاصد الاسلام کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ مختلف قسم کے جواہر ہیں جو ایک لڑی میں پرو دیئے گئے ہوں ۔ مقاصد الاسلام کے مضامین میں اخلاق، تمدن، فقہ اور کلام پر بحث ہے اور دیگر حصص میں مسئلہ تقدیر تحقیق، ولایت، تصوف، مسلئہ جبر وقدر، وحدۃ الوجود، وحدت کا مسئلہ، معجزہ، اتباع صحابہ ۔ اس زمانہ میں اس کا مطالعہ بے حد ضروری ہے ۔ کتاب العقل، اس کتاب میں عقل کی حقیقت، حکمت قدیمہ وجدیدہ کا بیان، بصارت کے متعلق حکماء کے مختلف اقوال نقل کرکے آپ نے ثابت کیا ہے کہ انسان کی بصیرت ایسی علانیہ اور ظاہر چیز کی حقیقت وادراک سے بھی محروم ہے ۔ کشش ثقل، سلیم کا بھی ذکر ہے ۔ کمیونزم کی جانب سے اٹھنے والے سوالات کے جوابات کو اس کتاب میں جمع فرمایا ہے ۔ جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لئے یہ کتاب ایک نعمت غیر مترقبہ ہے ۔ (۳) انوار احمدی، مدینہ طیبہ میں لکھی ہوئی سیرۃ النبی پر ایک ایسی کتاب ہے جو مولانا علیہ الرحمۃ کے جذبات حب نبوی کا آئینہ ہے ۔ ایک ایک لفظ سے عشق مصطفوی ظاہر ہوتا ہے ۔ اس کتاب پر حضرت مولانا الحاج امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالی نے تقریظ لکھی ہے ۔ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے اس وقت اس کتاب کو تحریر فرمایا ۔ افادۃ الافہام ۔ جب ہندوستان میں مرزا غلام احمد قادیانی نے تدریجا ادعا نبوت کی طرف قدم بڑھایا تو مسلمانوں نے مخالفت شروع کی ۔ مخالفت میں مضامین لکھے گئے ۔ شیخ الاسلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے مذہب قادیانی کی رد میں قلم اٹھایا ۔ افادۃ الافہام (اول دوم)، انوار الحق اور مفاتیح الاعلام کے نام سے چار کتب شائع فرمائیں ۔ لیکن ان میں سے کسی ایک کا جواب بھی مرزا صاحب نے نہیں دیا ۔ غرض ان حصوں کے دیکھنے سے مذہب قادیانی کی اصل تصویر دکھائی دیتی ہے ۔ حقیقۃ الفقہ (اول دوم) مسلمانوں کا ایک فرقہ جو اپنے کو اہل حدیث سے موسوم کرتا ہے وہ فقہ کا مخالف ہے اور فقہاء کو برا کہنے والا ہے، جو اکابرین دین پر طرح طرح کے الزام عائد کرتا ہے ۔ اور ان کو بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور فقہ کو علماء کا ایک ڈھکوسلہ اور فقہ پر عمل کو نہ صرف غیر ضروری سمجھتا ہے بلکہ گمراہی بتلاتا ہے ۔ جس کی وجہ سے عام طور پر مسلمانوں پر برا اثر پڑنے کا قوی احتمال تھا اور آج بھی ہے ۔ اس غلطی کو دور کرنے کے لئے مولانا علیہ الرحمۃ نے یہ کتاب دو حصوں میں لکھی ہے ۔ اس میں فقہ کی تاریخ بتائی ہے اور اسکی تدوین میں فقہاء جو مصیبتیں اٹھائیں ان کو ظاہر فرمایا ۔ جس سے فقہ پر عائد ہونے والے اعتراضات خود بخود رد ہوجاتے ہیں ۔ اسی طرح عقل ونقل سے یہ بھی ثابت کیا کہ قرآن وحدیث سے احکام مستنبط کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے ۔ بلکہ احکام کے استنباط کرنے والوں میں چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ۔ ورنہ اس کے استنباط میں بجائے ہدایت کے گمراہی کا احتمال ہے ۔ غرض کہ بانی جامعہ کی یہ تصنیف قابل دید وقابل مطالعہ ہے ۔ (۶) شمیم الانوار، مولانا علیہ الرحمۃ شاعر نہیں تھے ۔ تصوف سے لگاؤ کے باعث جو خیالات وجذبات اٹھتے تھے ان کو کبھی نظم فرما دیا کرتے تھے ۔ چند اشعار درج ہے ۔

ہر کسے را تو باتو رازے دیگرے ناز وانداز ونیازے دیگرے

عاشقان رانا بخلوت گاہ دل ہست پنہاں ترک نازے دیگرے

عاشقاں را در بیان راز باست ہر حقیقت را مجازے دیگرے

انوارا فتادہ رائے دسگیر نیست جزتو چارہ ارزے دیگرے

شیخ الاسلام کی کل مولفات کم وبیش چالیس تک پہونچتی ہیں جو زمانہ کی ضروریات کے مطابق تالیف کی گئیں۔ان کتب کی مقبولیت کااندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اکثر کتابیں کئی بار شائع ہوچکی ہیں۔ بانی جامعہ نظامیہ کے منشاء مقصد کے مطابق مجلس اشاعت العلوم اپنے قیام کے زائد از 95 سالہ عرصہ میں اردو، عربی، فارسی، انگریزی تلگو کتب شائع کیں جو اندرون و بیرون ملک بے حد مقبول و فائدہ بخش ثابت ہوئیں اس وقت تک مجلس اشاعت العلوم نے تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، سیرت، اخلاق اسلامی تہذیب و تمدن فضائل و مناقب، زیارت قبور، علم غیب، میلاد مبارک وسیلہ وغیرہ پر شیخ الاسلام مولانا حافظ محمد انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمۃ و دیگر اقطاع عالم کے علماء کے اعلام کی مدلل تصانیف شائع کیں جن کا مطالعہ ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی پیدا کرتا ہے۔ بانی جامعہ کے علاوہ اس ادارہ سے دوسرے علماء کرام کے جو کتب طبع ہوئیں ان میں بعض کتب ایسی ہیں جن کے متعلق بجاطور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس فن میں یہ پہلی کتاب ہے۔ اور اسکی طباعت کا اعزاز مجلس اشاعت العلوم کو حاصل ہوا۔ان کتب میں خاص طور پر نثر المرجان فی رسم نظم خط القرآن جو سات جلدوں پر مشتمل ہے۔اس میں قرآن کے متعلق بحث ہے اور ہر حرف کی بحث ہے۔اس اسلوب پر عالم اسلام کی ایک منفرد کتاب ہے شیخ الاسلام کے وصال کے بعد سرگرمیاں بہت ہی محدود ہو گئیں۔اور مالیہ کی کمزوری کی وجہ سے چند اور علوم وفنون کے بیش بہا نوادرات کی اشاعت عمل میں نہ آسکی۔

۔مفتی حضرت مولانا مفتی خلیل احمد صاحب موجودہ شیخ الجامعہ نظامیہ کی معتمدی میں اس ادارہ کو تقویت حاصل ہوئی کتب کی طباعت ہوئی قدیم کتب کی نکاسی کا انتظام ہوا۔ مولانا مفتی خلیل احمد صاحب معتمد مجلس کی انتھک سعی سے رکنیت سازی کا کام ہوا یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ مولانا مفتی خلیل احمد صاحب کے ذریعہ مجلس اشاعت العلوم کی نشاۃ ثانیہ ہوئی۔

مقاصد الاسلام، مختارات الادب، شعائر اللہ، سلام الاسلام دوبارہ شائع ہوئیں اور قدیم کتب کی تزئین نو کے ساتھ دوبارہ شائع کیا گیا۔

اس کے بعد حضرت مولانا سید شاہ حبیب اللہ صاحب رشید پاشاہ صدر مجلس اشاعت العلوم اور مولانا خواجہ شریف صاحب شیخ الحدیث جامعہ، معتمد مجلس اشاعت العلوم کی سرگرمیاں جاری رہیں۔ مقاصد الاسلام کے تمام حصص، انوار احمدی، حقیقۃ الفقہ اول و دم، مکارم الحفظہ شائع ہوئیں۔ بیرونی علماء کی تصانیف بھی اشاعت العلوم سے طبع ہوئیں۔ فضیلۃ الشیخ محمد فؤاد البرازی (ابو ظبی) حال مقیم ڈنمارک کی تصنیف " حجاب المراۃ فی الاسلام "بزبان عربی شائع کی گئیں جو بے حد مقبول ہوئی۔ عالم عرب میں ہر جگہ اس کے ایڈیشن طبع ہوئے۔ مخفی مبادکہ مجلس اشاعت العلوم کی طباعتی سرگرمیوں

میں مجلس انتظامی جامعہ نظامیہ نے بھی اپنا حصہ ادا کیا۔ ۱۹۸۶ء سے سالانہ بیس ہزار روپیہ کی امداد جاری کی گئی اور اس میں اضافہ ہوتے ہوئے سالانہ امداد پچاس ہزار روپئے دی جا رہی ہے۔ اس سے طباعتی پروگرام میں سرعت پیدا ہوئی۔ موجودہ مجلس انتظامی اشاعت العلوم میں مولانا مفتی عظیم الدین صاحب صدر نشین کی سرکردگی میں اپنی سرگرمیوں کو تیزی سے روبہ عمل لارہی ہے۔ مقاصد الاسلام کے حصص ختم ہوچکے تھے۔ مقاصد الاسلام دوم تا پنجم اور ہشتم آفسٹ پر طبع کروائی گئی نیز مفتی اول حضرت مولانا مفتی محمد رکن الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم جامعہ نظامیہ کے جاری فرمودہ فتاوی پہلی طباعت میں تین جلدوں میں شائع ہوئے تھے، لیکن عرصہ دراز سے ناپید تھے۔ مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ نے دوبارہ تین جلدوں کو یکجا کرکے ایک ہی جلد میں بہترین عصری انداز کی کمپیوٹر کتاب، آفسٹ طباعت اور دیدہ زیب ٹائٹل اور خوبصورت گیٹ اپ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ملک کی ہر عدالت جامعہ نظامیہ کے فتاوی کو تسلیم کرتی ہے۔ جدید طباعت میں مسائل کو ابواب کے تحت یکجا کرکے زیادہ تر فقہ کی مشہور کتاب "ہدایہ" کی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے۔ تمام عربی عبارتوں کی چھان بین اور مراجعت کے بعد درستگی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ نیز اردو زبان کی رعایت رکھی گئی ہے۔ ابواب کے تحت مسائل کی تفصیلی اشاراتی فہرست تیار کی گئی ہے اور ایک مسئلہ جتنے ابواب میں اجمالا اور تفصیلا ذکر کیا گیا ہے ان صفحات کے نمبر دیئے گئے تاکہ قاری یا مراجعت کرنے والے مفتی کے پیش نظر تمام مقامات کی تفصیل رہے۔ فہرست مسائل میں فتاوی کی ترتیب کے بجائے مسائل واحکام کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ فہرست کے بعد فتاوی میں جن کتب کی عبارتوں کا حوالہ دیا گیا ہے ان کتابوں کے ناموں کی فہرست بھی بطور مصادر ومراجع (کتابیات) تیار کی گئی ہے۔ قرآن کریم کی آیتوں پر مکمل، نیز دیگر عربی عبارتوں پر ضروری اعراب لگائے گئے ہیں۔ عبارت انتہائی آسان اور عام فہم ہے معمولی اردوداں بھی آسانی سے مسائل کو سمجھ سکتا ہے۔ بروقت شرعی احکام کو معلوم کرنے کے لئے ہر مسلمان کے گھر میں فتاوی نظامیہ کا رہنا از بس ضروری ہے۔ طباعت کمپیوٹر کے ذریعہ اردو وعربی کے نہایت عمدہ خط میں کروائی گئی ہے۔ کاغذ نہایت عمدہ اور دبیز رکھا گیا ہے۔ تجلید بھی عمدہ اور مضبوط ہے۔ کراؤن سائز کے ۵۰۴ صفحات پر مشتمل فتاوی نظامیہ کی قیمت افادہ عام کے پیش نظر صرف ۲۰۰ر رکھی گئی ہے۔ اس کے فقہ آسان اور مشہور کتاب نصاب اہل خدمات شرعیہ جس کو مختلف ناشرین طبع کروا رہے تھے لیکن اس میں بہت غلطیاں ہورہی تھیں مجلس اشاعت العلوم نے اس کو بعد تصحیح اور تنقیح جدید کمپیوٹرائزڈ کرواکر شائع کیا۔ انگریزی داں طبقہ کے بے حد اصرار پر نصاب اہل خدمات شرعیہ کا انگریزی ترجمہ کیا جاکر مرحلہ وار شائع کیا جارہا ہے مولوی سید احمد علی معتمد جامعہ نظامیہ ترجمہ کررہے ہیں اب تک دو حصے اول و دوم طبع ہوچکے ہیں۔ تیسرا حصہ کی رسم اجراء بموقع جلسہ تقسیم اسناد، عطائے خلعت و دستار بندی جامعہ نظامیہ منعقدہ ۱۸/ جولائی ۲۰۰۴ء عمل میں آئی۔

مجلس اشاعت العلوم کی طباعتی سرگرمیوں میں طلباء جامعہ بھی اپنا بھرپور حصہ ادا کررہے ہیں چنانچہ مولوی، عالم اور

کامل کے طلباء ہر سال بموقع عرس بانی جامعہ کوئی نہ کوئی کتاب شائع کرتے ہیں ۔ الحمد للہ اب تک انوار الحق ۔ مرجع غیب ۔ سلام الاسلام شعائر اللہ ۔ حیات الانبیاء ۔ صلوٰۃ الرسول (مدلل) اسلامی آداب ۔ متبرک شب و روز ۔ فتنہ وہابیت ۔ حقیقت فاتحہ ۔ تصرف خیر المرسلین ۔ استعانت ۔ موئے مبارک ۔ مقالات مفکر اسلام مولانا مفتی خلیل احمد صاحب ۔ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ شائع کئے گئے ۔ اور اس کا سلسلہ بدستور جاری ہے ۔ حضرت مولانا محمد خواجہ شریف صاحب شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ کی معرکۃ الآراء کتاب " امام اعظم امام المحدثین " سال گذشتہ شائع کی گئی تھی اب اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا جارہا ہے ۔

۔ الحمد للہ مجلس اشاعت العلوم کی رکنیت سازی کا کام جاری ہے تاکہ اشاعت العلوم کی طباعتی پروگرام تکمیل پاسکیں ۔ فیس رکنیت سازی ایک سو روپیہ رکھی گئی ہے ۔ مجلس اشاعت العلوم خاموشی کے ساتھ اپنی سرگرمیوں کو روبہ عمل لانے میں مصروف ہے اگر اسباب پیدا ہوجائیں اور اہل خیر حضرات کا تعاون حاصل ہوجائے تو وقت حاضر کے علماء کی قابل قدر تصانیف جو موجودہ دور کے تقاضوں اور وقت کی اہم ضرورت ہیں ، شائع ہوسکتے ہیں ۔ بعض اوقات مجلس اشاعت العلوم کو مسائل سے ناواقف حضرات کے اعتراضات کا سامنا ہوا اور ہو رہا ہے کہ اشاعت العلوم کی سرگرمیاں محدود ہیں اور موجودہ دور کے علماء کی تصانیف طبع نہیں ہو رہے ہیں اور بعض قدیم کتب کو دوبارہ دانستہ یا غیر دانستہ طبع نہیں کروایا جارہا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ جامعہ نظامیہ کی سالانہ امداد اور فروختگی کتب سے جو آمدنی ہوتی اس سے مسلسل طباعتی پروگرام کو روبعمل لایا جارہا ہے اور جو سابقہ مطبوعات ختم ہوچکی ہیں انہیں ترتیب کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے اور اخبارات میں یہ اپیل بھی کی جارہی ہے کہ طباعت کتب میں جو حضرات عطیہ دینا چاہتے ہیں وہ آگے آئیں اور طباعت کتب میں عطیہ دیں یا اپنی جانب سے کوئی بھی کتاب کی طباعت کروائیں ۔ الحمد للہ اس کا خاطر خواہ فائدہ ہورہا ہے ۔ مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ کی مطبوعات حسب ذیل پتوں سے حاصل کی جاسکتی ہے ۔ (۱) دفتر مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ حیدرآباد پر دس بجے صبح تا چار بجے شام براہ راست یا فون نمبر 24416847 پر ربط پیدا کیا جاسکتا ہے ۔ (۲) نظام عطار ، لاڈبازار ، حیدرآباد ۔ (۳) مکتبہ اہل سنت و جماعت ، چوک ، حیدرآباد ۔ (۴) تاج بک ڈپو ، چوک ، حیدرآباد ۔ (۵) اسٹوڈنٹس بک ڈپو ، چارمینار ، حیدرآباد ۔ (۶) حسامی بک ڈپو ، حیدرآباد ۔ (۷) مکتبہ رفاہ عام گلبرگہ شریف ۔ وباللہ التوفیق ۔

اسلام کی مذہبی رواداری، مغربی مصنفین کا اعتراف

مولانا حافظ محمد قاسم صدیقی تسخیر
استاذ جامعہ نظامیہ

تاریخ شاہد ہیکہ روئے زمین پر اسلام کی طرح وسیع النظر، امن پسند اور باہمی رواداری کا علمبردار کوئی اور مذہب ظاہر نہیں ہوا، وہ زندگی کے ہر موڑ اور راستے پر پیار و محبت ہمدردی و درگزر کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن ان دنوں دشمنان اسلام کے اعتراضات بڑھتے جارہے ہیں، اور وہ اس پر باطل اور من گھڑت الزامات تراشنے میں جٹے ہوئے ہیں وہ اسلام پر تشدد اور خونریزی کا الزام لگاتے ہیں حد تو یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کو دہشت گردی سے جوڑ دیا، جب کہ اسلام اور دہشت گردی کے درمیان تضاد اور تناقض اظہر من الشمس ہے۔ دین اسلام پر لگائے گئے اعتراضات کا جواب ہم سیرت کے شواہد اور اسلام کی عظیم تاریخ کے چند اہم واقعات سے دیں گے جس سے صاف ظاہر ہوجائیگا کہ اسلام ہی ساری دنیا میں، امن و امان، رواداری وسعت نظری کا حامل واحد عظیم مذہب ہے۔

مشرکین کے ساتھ حسن سلوک: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ مکرمہ میں ظلم و ستم کی انتہاء کی گئی بحالت سجدہ سر مبارک پر مٹی اور نجاست ڈالی گئی، آپ کو کبھی مجنون، کبھی ساحر اور کبھی کاہن کہا گیا یہاں تک کہ آپ کو قتل کرنے کی سازشیں رچی گئیں لیکن آپ کے متبعین کو نت نئی تکلیفیں دی گئیں، جنگ احد میں شہدائے احد کا مثلہ کیا گیا ان کی شکل و صورت ہیئت و ساخت کو بگاڑ دیا گیا۔ دن بدن ظلم و ستم میں اضافہ ہونے لگا، بعض صحابہ رضی اللہ عنھم نے آپ سے ان پر بددعا کرنے کی گزارش کی تو اپ نے فرمایا "میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، لعنت کرنے والا نہیں" فتح مکہ کے موقع پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف عفو و درگزر پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ بعض کبار مشرکین کو تالیف قلوب کیلئے ہوازن کے مال غنیمت میں سے قابل لحاظ حصہ عطا فرمایا اور ابوسفیان جو مشرکین کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بڑھکاتے تھے نہ صرف معاف فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا "جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو وہ محفوظ ہے" یہ مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے آپ کو اذیت دی تھی اور قدرت اور اقتدار کے باوجود اپ نے انہیں معاف فرمایا۔

منافقین کے ساتھ رواداری۔: اس طرح کا معاملہ آپ منافقین کے ساتھ بھی فرمایا کرتے، چنانچہ عبداللہ بن ابی جو منافقین کا قائد تھا، ہمیشہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے ساتھ دشمنی رکھتا۔ ایک مرتبہ غزوہ بنی مصطلق میں مال غنیمت کی حرص میں صحابہ رضی اللہ عنھم کے ساتھ چلا اور اپنی قوم کے بعض آدمیوں سے کہنے لگا: تم نے یہ سب اپنے ہاتھوں سے کیا انہیں اپنے شہر مدینہ میں جگہ دی اور اپنے مال و متاع میں اپنا شریک بنایا۔ بخدا! اگر تم ان سے اپنے ہاتھوں کو روک لو تو وہ ضرور تمہارے ملک کو چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں سکونت اختیار کرلیں گے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع دی گئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ موجود تھے، سنتے ہی جلال میں آئے اور عرض کیا: آپ بلال کو اس کے قتل کرنے کا حکم فرمائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ توقف کے بعد ارشاد فرمایا: کیسے ہوگا اے عمر! لوگ جب گفتگو کریں گے تو

کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو قتل کرتے ہیں۔ آپ صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ اثناء راہ میں ان آیتوں کا نزول ہوا " ھم الذین یقولون الایۃ " یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہیں یہاں تک کہ وہ منتشر ہوجائیں اور اللہ ہی کیلئے آسمانوں وزمین کے خزانے ہیں، لیکن منافق نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں اگر ہم مدینہ لوٹیں گے تو ضرور وہاں سے عزت دار ذلیل کو نکال دے گا۔ جب کہ عزت اللہ اور اسکے رسول اور مؤمنین کیلئے ہے، لیکن منافقین نہیں جانتے (سورہ منافقون۔ پارہ ۲۸) ان آیات کے نزول کے بعد لوگ سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ ابن ابی کو قتل کرنے کا حکم فرمائیں گے، عبداللہ ابن ابی کے بیٹے سچے مسلمان تھے حاضر ہوکر عرض کئے، یارسول مجھے اطلاع ملی ہے کہ اپ نے عبداللہ بن ابی کے قتل کا ارادہ فرمایا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ قبیلہ خزرج میں کوئی شخص مجھ سے زیادہ اپنے والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا نہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ اگر آپ ابن ابی کے قتل کے لئے میرے علاوہ کسی کو حکم دیں گے تو میں اپنے والد کے قاتل کو اپنی نظروں کے سامنے چلتا ہوا دیکھ نہیں سکوں گا۔ اسلئے آپ اس کے قتل کا حکم میرے علاوہ کسی کو نہ دیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نفسیاتی حالت کو ملاحظہ فرمایا کہ ان میں جذبات بھڑک رہے ہیں۔ ارشاد فرمایا: ہم انہیں قتل نہیں کریں گے بلکہ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں گے اور وہ جب تک زندہ رہیں گے ہم ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہیں گے۔

یہودیوں کے ساتھ رواداری: اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں مذہبی رواداری اور دینی وسعت نظری کی کئی ایک مثالیں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرماکر مدینہ منورہ تشریف لائے، جہاں یہودیوں کی قابل لحاظ تعداد موجود تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ایک متحدہ مملکت کو قائم فرمایا اور ایسا قانون مقرر کیا جس میں ہر مذہب اور عقیدہ پر عمل کرنے کی کھلی آزادی تھی البتہ مدینہ منورہ کی حفاظت و صیانت میں مسلمان اور یھودی سب برابر تھے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہبی رواداری کی بنیاد پر ایک عظیم الشان اسلامی تہذیب و ثقافت کو قائم فرمایا اور آپ اہل کتاب کے ساتھ حسن سلوک کرتے اور انھیں تحفے عنایت فرماتے اور ان کے تحائف قبول فرماتے یہاں تک کہ آپ نے حسب عادت یہودن کے زہر میں ملائے ہوئے بکری کے دست کو قبول فرمایا تھا۔

عیسائیوں سے رواداری: اسی طرح جب حبشہ کے عیسائی مدینہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد نبوی میں ٹھرایا اور بنفس نفیس انکی ضیافت فرمائی اور فرمایا کہ وہ ہمارے صحابہ کا اکرام کرتے ہیں اور آج میں خود ان کا اکرام کروں گا۔

ایک مرتبہ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد نبوی میں ٹھرایا اور انہیں اپنے طریقہ کے مطابق نماز پڑھنے کی اجازت دی اور وہ مسجد کے ایک کونے میں نماز ادا کئے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیھم مسجد کے دوسرے کونے میں نماز ادا کئے۔ بعد ازاں انہوں نے اپنے دین کی مدافعت میں گفتگو شروع کی تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گفتگو کو بغور سماعت فرمایا اور بڑی نرمی سے انہیں جوابات عطا فرمایا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رواداری: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشہ قدم پر خلفاء راشدین ہمیشہ گامزن رہے چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب فتح یاب ہو کر بیت المقدس میں داخل ہوئے تو آپ نے حسب شرائط عیسائی باشندگان کو ان کی جان و مال کا امان عطا فرمایا اور جب عصر کی نماز کا وقت ہوا اور آپ ایک بڑے گرجا گھر میں موجود تھے تو آپ نے اس میں نماز پڑھنے سے انکار کیا. تاکہ مسلمان ان کے اس عمل کی وجہ سے وہاں مسجد بنانے کا مطالبہ نہ کریں اور ہمیں یہ ذکر کرنا کافی ہوگا کہ روما کے عیسائیوں نے یہودیوں کو بیت المقدس سے نکال دیا تھا اور پہلی مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بیت المقدس واپس آنے کی اجازت دی. اسی طرح مصر کی ایک عیسائی خاتون نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس کے گھر کو زبردستی مسجد میں داخل کر دیا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ابن العاص رضی اللہ تعالی سے دریافت فرمایا تو انہوں نے اطلاع دی کہ مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد تنگ ہو گئی اور مسجد کے بازو اسی خاتون کا گھر تھا۔ اس خاتون سے اس کا ذکر کیا گیا اور بتایا گیا کہ اسے اس کی قیمت سے زیادہ رقم دی جائیگی لیکن وہ راضی نہیں ہوئی تو مجبوراً اس کے گھر کو توڑ کر مسجد میں شامل کیا گیا اور اسکی رقم بیت المال میں محفوظ کردی گئی اور وہ جب چاہے اسے حاصل کر سکتی ہے لیکن عیسائی خاتون کے راضی نہ ہونے کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کی اس نئی عمارت کو توڑنے اور عیسائی خاتون کو اس کا گھر لوٹانے کا حکم فرمایا، اور جب مسلمانوں کے ہاتھوں دنیا کے گوشے گوشے فتح ہونے لگے تو انھوں نے مفتوحہ ممالک کے باشندگان کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا، کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے "لا اکراہ فی الدین" (سورہ بقرۃ) دین میں کوئی جبر نہیں اس لئے اسلامی سلطنت میں بہت سے ذمی رہا کرتے اور وہ اسلامی سلطنت کا ایک اہم حصہ شمار کئے جاتے اور اسلامی سلطنت کے مقررہ اصول و قوانین کے مطابق ان کی جان و مال، عزت و ناموس کی حفاظت کی جاتی اور اسلامی سلطنت کی تمام سہولتیں فراہم کیجاتی اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی طرح معاملہ کیا جاتا، کیونکہ اسلام عدل و مساوات کو لے کر آیا، جسمیں کسی فریق کو بحیثیت انسان دوسرے پر کوئی ترجیح اور فوقیت نہیں۔

غیر مسلم اہل علم کی قدر دانی: اسی عدل و انصاف کی ایک اہم مثال یہ ہے کہ روما کے عیسائیوں نے یہودیوں کو بیت المقدس میں آنے اور رہنے سے منع کر دیا، کئی صدیوں کے بعد اسلامی خلافت کے سایہ میں انھیں دوبارہ بیت المقدس آنے کی اجازت دی گئی۔ اسی طرح بہت سے ذمی اسلامی سلطنت میں مختلف علوم طب، کیمیاء، نحو، ادب شعر وغیرہ میں نمایاں مقام حاصل کئے، چنانچہ عہد اموی میں اخطل نے شہرت پائی اور فن نقائص میں اسکو اسلامی شعراء فرزدق اور جریر کے ساتھ نمایاں مقام حاصل تھا۔ جبکہ وہ ایک نصرانی شاعر تھا اور اسلامی حکومت میں عقیدہ و مذہب کے قطع نظر ہر مستحق کو اس کا حق دیا جاتا، چنانچہ عہد اموی اور عباسی میں عیسائی اطباء خلفاء کے قریب رہے اور بغداد اور دمشق کی طبی دانش گاہوں میں نگراں مقرر تھے۔

نصرانی طبیب ابن اثال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خاص طبیب تھا اور سرجان آپ کا کاتب تھا۔ مروان نے اتاسیوں کو اسحق کے ساتھ مصر میں حکومت کے اعلی عہدوں پر مقرر کیا۔ اسی طرح جرجیس بن بختیشوع خلیفہ منصور کے قریب تھا اور نصرانی سلمویہ بن نہاں خلیفہ معتصم کا طبیب تھا اور بختیشوع بن جبرائل خلیفہ متوکل کا طبیب تھا۔

اندلس میں یہودیوں کی رہنمائی کا سبب: ۹۵ھ میں طارق بن زیاد کی قیادت میں اسلامی فوج اندلس پہنچی تو یہودیوں نے ہی اسلامی لشکر کی رہنمائی کی اور مختلف علاقے اور شہروں میں ان کی رہبری کی۔ یہودیوں نے مسلمانوں کی یہ خدمت ان کی تائید میں نہیں کی بلکہ عیسائیوں کی ان کی ساتھ اہانت آمیز اور ناروا سلوک کے نتیجے میں کی اور یہودیوں کو علم تھا کہ مسلمانوں کی مدد کے ذریعہ انہیں عدل و انصاف حاصل ہوگا۔

نصاری اور بیت المقدس: کوئی مسلمان ۴۹۲ھ مطابق ۱۰۹۹ء میں صلیبیوں کی خونریزی کو بھول نہیں سکتا جب وہ بیت المقدس میں داخل ہوئے تو انھوں نے اپنی امارت کیلئے مرد، عورت، بچے، بوڑھے، اسطرح ۷۰ ہزار افراد کا قتل عام کیا اور اسی تاریخ سے ۹۱ سال بعد ایک مسلم بہادر قائد صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ تعالی علیہ جمعہ کے دن ۲۷ رجب ۵۸۳ھ مطابق ۱۱۸۷ء بیت المقدس فتح کرنے کیلئے پہنچا۔ کیا صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ اسی تاریخ کا اعادہ کیا جو نصرانیوں نے ۹۱ سال پہلے بنائی تھی؟ کیا مسلمان قائد نے صلیبیوں سے اپنے مقتولوں کے خون کا بدلہ لیا؟ سب کا جواب نفی میں ہوگا؟ کیونکہ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ساتھ ایسا بہتر معاملہ کیا جس میں اسلام کی رواداری عدل و انصاف کے جلوے نظر آتے ہیں۔ حالانکہ وہ وہی قوم تھی جنکے اسلاف نے اپنے قبضہ کیلئے مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور صلاح الدین ایوبی کا درگزر کرنے کا اسلامی رجحان عیسائیوں تک محدود نہیں تھا، بلکہ انھوں نے یہودیوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا اور انھیں فلسطین دوبارہ آنے کی اجازت دی، جب کے عیسائیوں نے یہودیوں کو بیت المقدس آنے اور قریب ہونے سے ایک بار پھر منع کردیا تھا یہ جنگ گوشے اسلامی تاریخ کی روشنی میں ھدیہ ناظرین کے گئے، ورنہ اس باب میں اس قدر مواد موجود ہیکہ جس سے دفتر دفتر تیار کئے جاسکتے ہیں اور ان چند مثالوں سے اس بات کی وضاحت مقصود ہے کہ اسلام دہشت گردی، ظلم و زیادتی عدوان و طغیان کا مذہب نہیں بلکہ وہ انسانی اعلی اصول و اقدار کا علمبردار، جان و مال عزت و ناموس کا محافظ، مذہبی رواداری اور آفاقی وسعت نظری کا حامل واحد عظیم مذہب ہے۔

اسلام کی رواداری: مغربی مؤرخین و مصنفین کی نظر میں امریکہ کی شہرت یافتہ شخصیت مسٹر ڈرابر کہتے ہیں کہ خلفاء کے زمانے میں مسلمان عیسائی اور یہودی اہل علم کا نہ صرف احترام کرتے بلکہ بڑے اور اہم امور ان کے تفویض کرتے اور حکومت میں بڑے مناصب عطا کرتے۔

مشہور مؤرخ ولز اسلامی تعلیمات پر بحث و تحقیق کے ضمن میں کہتا ہے کہ اسلامی تعلیمات نے ساری دنیا میں ایک شریفانہ

اور متوازن معاملہ کے عادات و اطوار کی داغ بیل ڈالی اور اس نے ساری انسانیت شرافت اور وسیع النظری کی روح پھونکی نیز اسلامی تعلیمات بلند انسانی اقدار کی حامل اور قابل عمل ہے اور اس نے ایک ایسے انسانی گروہ کو وجود بخشا جسمیں سنگ دلی اور عام ظلم وستم کی کوئی چیز پائی نہیں جاتی۔ مارک سایس ہارون رشید کے دور میں اسلامی سلطنت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عیسائی بت پرست یہودی اور مسلمان حکومت میں برابر کام کیا کرتے۔ لیفی پرودنسل اپنی کتاب ،دسویں صدی میں اسلامی اسپین ،،میں لکھتے ہیں کہ معاہدات اور دستاویزات لکھنے والے یہود و نصاری ہوا کرتے تھے اور انہیں مملکت کے انتظامی اور جنگی معاملات میں اختیارات حاصل تھے اور بعض یہودی مغربی یورپ میں سفارت کے کام انجام دئے۔ رینو فرانس اٹلی بحر متوسط کے جزائر میں عرب کے جنگوں کی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ مسلمان اندلس کے شہروں میں عیسائیوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرتے تھے اور عیسائی بھی مسلمانوں کے احساسات کا خیال رکھتے اور اپنے اولاد کی ختنہ کراتے اور خنزیر کا گوشت نہیں کھاتے ارنالڈ کہتے ہیں کہ عفو درگزر کرنے کی اسلامی تعلیمات نے ظلم پر مشتمل تمام کاموں کو حرام کردیا اور مسلمان اس کے سخت مخالف ہیں اور ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

جارج سارٹن کہتے ہیں کہ اسلام کو دوسرے مذاہب و ادیان میں ممتاز کرنے والی خصوصیت اس کی وسعت نظری، کشادہ دلی اور اس کا توازن ہے اور ہر مقام کے رہنے والے انسان کیلئے پہلی نظر میں اسے قبول کرنا خوشی ومسرت کا باعث ہوتا ہے۔ مسٹر جوستاف لوبون کہتے ہیں کہ کسی قوم نے عرب کی طرح مہربان۔ درگزر کرنے والے وسیع النظر فاتحین جنگ نہیں دیکھا اور نہ ہی ان کی دین کیطرح وسیع النظر کوئی دین دیکھا ہے اور ایک مقام پر کہتے ہیں کہ اسلام تمام مذاہب میں سائنسی تحقیقی، علمی انکشافات، تہذیب نفوس اور عدل و انصاف، حسن سلوک اور رواداری میں سب سے زیادہ موزوں ہے۔

لول کہتے ہیں کہ اسلام کی آفاقی وسعت نظری اسلام کو دیگر وادیان میں ممتاز کرتی ہے اور حریت پسندوں کے پاس محبوب بناتی ہے اور اسلام کے اسی موقف نے اسلام کو دیگر مذاہب پر ہمیشہ فائق رکھا ہے۔

مغربی مؤرخین و مصنفین کے اقوال و افکار ذکر کرنے کا مقصد یہ ہیکہ دشمنان اسلام جان لیں کہ اسلام کی رواداری اور کشادہ دلی نہ صرف سیرت اور تاریخ اسلام سے ظاہر ہوتی ہے بلکہ مغربی مصنفین اور مؤرخین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے اور بعض تو گوشہ اسلام میں داخل ہوچکے ہیں۔ (المنار)۔

خالقِ شمس و قمر کے بارے میں!

مولانا محمد انوار احمد
استاذ جامعہ نظامیہ

ان دنوں مسلم معاشرہ میں بالخصوص جدید تعلیم سے آراستہ بعض نوجوان اسلامی عقائد ونظریات کے بارے میں بیباکانہ اظہار خیال کرنے لگے ہیں۔ اور اسلامیات سے دوری لاعلمی کے سبب ذات سبحانہ وتعالی کے بارے میں بھی جراٴت آمیز اور غیر ذمہ دارانہ انداز اختیار کئے ہوئے ہیں اور کبھی تو یہ تک کہہ دیتے ہیں کہ "خدا سے پہلے کیا تھا"۔۔۔ (نعوذ باللہ) زیر نظر سطور میں اسی بات کی وضاحت کیجاتی ہے۔

رب العزت ساری کائنات کا خالق و مالک ہے اس کی ذات ازل سے لیکر ابد تک قائم و دائم ہے وہ بشمول فناء، تمام عیوب سے منزہ ہے۔ زمانہ در حقیقت، لمحوں، منٹوں، گھنٹوں، دنوں، مہینوں برسوں اور صدیوں سے مل کر بنتا ہے۔ ہر ذی شعور جانتا ہے کہ زمانہ کا پورا نظام شمس و قمر کے تابع ہے۔

سورج و چاند ہی ہیں جو روز وشب کی تفریق کرتے ہیں انہی کے ذریعہ دنوں کا شمار ہوتا ہے جو مہینے بنتے ہیں پھر مہینوں سے سال اور آخر کار صدیاں۔ یہی چیزیں انسان کے پاس کسی کے تقدم و تاخر کا معیار بھی ہیں اور ان ہی حوالوں سے زمانہ کے سارے حویادث تاریخ میں ترتیب وار محفوظ بھی ہیں۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے جسے ہر ہوشمند تسلیم کرتا ہے کہ سورج وچاند کو اللہ تعالی نے پیدا فرمایا ہے گویا فکری و شعوری طور پر زمانہ کا وجود سورج وچاند سے مربوط ہے اور شمس وقمر اپنے خالق کی جانب سے حیات انسانی کو "زمانہ" کا نایاب تحفہ عطا کرتے ہیں۔ اس طرح ذات مطلق کو زمانہ کے حوالے سے کھوجنا خالق کو مخلوق کے معیار پر پرکھنے کے مصداق اور ایمان سے محرومی کا باعث ہے۔

سورج و چاند سے پہلے زمانے کی کیفیت خالق ارض و سماء کی قدرت کاملہ ہے جہاں تک انسانی فکر کی رسائی ناممکن۔ ہاں اصحاب علم و فضل زمانہ کے آغاز پر گفتگو کرسکتے ہیں۔

خالق کی طرح اس کے اوصاف بھی قدیم ہیں اس نے جب چاہا سورج وچاند کو پیدا فرمایا اور تب سے کائنات وقت کی "اسیر" ہو گئی۔

فطری طور پر شیطانی وساوس کے زیر اثر ذہن و فکر میں کبھی یہ سوال سر ابھار سکتا ہے کہ خدا کو کسی نے پیدا کیا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے حفاظت کی تدابیر بھی تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض آدمیوں کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا یہاں تک کہ وہ کہتا ہے کہ تمہارے پروردگار کو کس نے پیدا کیا؟ جب بات یہاں

تک آجائے تو وہ اللہ سے پناہ مانگے اور اس معاملے کو ختم کردے۔

اللہ سے پناہ مانگنے کے سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ زبانی طور پر اللہ کی پناہ چاہنے کے علاوہ عملی طور پر ذہن وفکر کو صاف ستھرا بنایا جائے۔ باطل خیالات و وساوس سے حتی المقدور بچنے کی کوشش کی جائے۔ اللہ کی بڑائی اور کبریائی بیان کی جائے اور مظاہر قدرت سے اس حی و قیوم۔ احد و صمد کی قدرت کاملہ کا اندازہ کیا جائے۔ بخاری شریف ہی میں ایک اور جگہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ سوالات کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ یہ کہا جائے گا اللہ نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا ہے تو پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا۔ پس جو شخص اس قسم کی چیز پائے تو کہے کہ میں اللہ اور اسکے رسولوں پر ایمان لایا۔

حدیث مذکور کے الفاظ سے یہ اندازہ ہوتا ہیکہ اس طرح کے باطل خیالات ایک مومن کو کفر کی آلودگیوں کا شکار بنا سکتے ہیں ایسے میں ایک مومن اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان کا اظہار کر کے اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے اور اس بے نیاز ذات سے نسبت بندگی کو مضبوط تر بنائے اور اپنے آپ کو ہر طرح کے شکوک و وساوس سے محفوظ رکھے۔ اسی معبود برحق کے دامن میں پناہ حاصل کرے۔ تقوی وطہارت کو اپنا شعار بنائے اور کسی بھی ذہنی پراگندگی سے محفوظ رہے۔

اصحاب تصوف کے نزدیک خدا کے متعلق شک وشبہ کا اظہار اور اس طرح کے باطل وساوس کو ہوا دینا سراسر محرومی اور کھلی ضلالت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں مردود شخص ہی ان ناپسندیدہ خیالات کو اپنے ذہن و فکر میں مستقل جگہ دیتا ہے اور اس طرح کی چیزوں کو اپنے قلب کی آماجگاہ بناتا ہے۔ محبوبان بارگاہ الہی کو یہ خیال چھوتا بھی نہیں۔ بلکہ ایمان کا شرف و کمال یہی ہیکہ بندہ خدا کو "خالق" کہتے ہوئے خوشی ومسرت سے جھوم اٹھے اور اپنے رب کی حمد وثناء بیان کرتے ہوئے اس پر ایک سرشاری کی کیفیت طاری ہو جائے اور وہ اپنی ذات کے بشمول پوری کائنات کو "مرتبہ فناء" اور خدائے وحدہ لاشریک کو "مقام بقاء" پر متمکن پائے اور اس کے حواس اس کو ہمہ وقت خدائی تجلیات میں غرق رکھیں۔ عوارف المعارف" میں شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب بندہ سلامتی باطن حسن قبول اور اطاعت وانقیاد کے ساتھ داخل اسلام ہے اور اس کے دل میں کوئی خلش یا کھٹک نہیں ہے تو وہ اپنے ایمان میں کامل ہے اور اگر اس کے دل میں کوئی خلش یا شبہ موجود ہے یا اسے کسی چیز سے وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اہل علم سے رجوع ہو وہ اسکے شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے اس کی اصلاح فرمائیں گے اور اس طرح وہ بلا تاخیر راہ راست پر گامزن ہو جائے۔

بہر حال آج کے نئے سماج میں جہاں جدید تعلیم اور آزاد نظریات کے نام سے مسلم معاشرہ کو دہریت کے سانچے میں ڈھالنے کی نامسعود سعی کی جارہی ہے ایک فکرمند مومن کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ وہ اس طرح کے بے سروپا خیالات میں غرق رہ کر متاع ایمان سے محرومی کا سودا کرنے کے بجائے رضاء ورحمت الہی کا طلبگار بنے اور فہم وفکر کو خوشنودی کردگار میں

مصروف رکھے اور اپنے پیدا کرنے والے معبود کی عظمت وشان کا دل کی گہرائیوں سے اعتراف کرتے ہوئے نسبت بندگی کو استحکام بخشے۔ مظاہر قدرت کے مشاہدہ سے اس کی روح کو جلا حاصل ہو اور شواہد قدرت بصارت کی راہ سے اس کی بصیرت کو مہمیز کرے۔

نیز اس باطل وہم سے چھٹکارہ کا ایک اہم ذریعہ یہ بھی ہے کہ مومن صادق کے پیش نظر قرآن مجید اور احادیث شریفہ کے وہ پاکیزہ مضامین بھی ہوں جس میں اللہ تعالی کے افتخار و مرتبت کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ کی عمومی رحمت اور اس کی شان استغناء پر مشتمل ایک حدیث کے اقتباس کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ جس کو صحیح مسلم میں بروایت سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کیا گیا ہے۔ اس قدرے طویل حدیث قدسی میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! تم میرا نقصان نہیں کرسکتے اور نہ ہی تم مجھ کو فائدہ پہنچا سکتے ہو۔ اے میرے بندو! نوع انسانی کا ہر ہر شخص اور نوع اجنہ کا ہر ہر جن سب ایسے ہو جائیں جیسے تم میں سب سے بڑا پرہیز گار شخص تو بھی میری سلطنت میں کچھ اضافہ نہیں کرسکتے۔ اے میرے بندو! اگر نوع انسانی کا ہر ہر آدمی اور نوع اجنہ کا ہر ہر جن سب ایسے ہوجائیں جیسے تم میں کا بڑا بدکار شخص تو بھی میرے ملک میں کچھ کمی نہیں کرسکتے اے میرے بندو! نوع انسانی کا ہر ہر فرد اور نوع اجنہ کا ہر ہر جن سب ایک مقام پر جمع ہوجائیں پھر مجھ سے مانگنا شروع کریں اور میں ہر ایک کو ان کے سوال کے موافق عطا کردوں تب بھی میرے خزانے میں جو کچھ ہے کم نہ ہوگا جیسے سمندر میں سوئی ڈبو کر نکالنے سے اس کا پانی کم نہیں ہوتا۔

سبحان اللہ یہ ہے شان و عظمت اور یہ ہے شانِ استغناء! ایسے جلیل القدر معبود برحق کی اطاعت وفرماں برداری کرنے اور نسبت بندگی پر فخر و شرف کا اظہار کرنے کے بجائے بندہ اس کی ذات پر اسی کی دی ہوئی عقل سے شک وشبہ کا مظاہرہ کرتا ہے تو یہ اس کیلئے نقصان عظیم کے سوا اور کچھ نہیں۔

کسی بھی ہوشمند کیلئے کوئی نعمت اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ وہ اپنے ذہن وفکر اور زبان وقلب کی "یکجائی" کے ساتھ خدا کی یکتائی" کا اقرار کرتا ہو۔ اسی کا نام توحید ہے۔ اور توحید دراصل انسان کے لئے ایک عظیم آفاقی حقیقت ہے جس نے اس حقیقت کو پالیا اور اس کے حصول سے اپنے دامن کو مالا مال کیا وہ اپنے منشاء تخلیق کو پورا کرنے میں کامیاب ہوا۔ اور جو اس متاع بے پایاں کو کھو دیا وہ اپنے وجود کو دائمی ناکامی وابدی بد بختی کی راہ پر ڈال دیا۔ اور تمام روحانی وسرمدی مسرتوں سے محروم ہوگیا۔

خدا کی یکتائی کے بارے میں تردد درحقیقت کائنات کے حقائق کا انکار ہے۔ منکر نے فہم وفکر کی بے قدری کی ہے۔ اس کی بصارت نظائر قدرت کی نیرنگیوں سے درس وموعظت حاصل کرنے میں ناکام رہی۔ اسکی سماعت نے کلام ربانی کے اعجاز کو اس کے قلب تک پہنچنے کے لئے کوئی راہ فراہم نہ کی۔ اس کے سلیقہ نطق نے کلمات شہادت کو اثباتی وشہادتی طور پر ادا نہ کرکے دنیا و آخرت کی تمام سچائیوں کو جھٹلا دیا ہے اور اس کے احساس نے مظاہر الہی سے کچھ درس حاصل نہ کیا۔ نتیجہ میں وہ سراپا محرومی کی ایک حقیقی تصویر بن گیا۔ خدا کے احد وصمد ہونے کا اقرار، حقیقت میں وجود بخشنے والے خالق کا دائمی شکر ادا کرنا ہے۔ اس کی یکتائی کے گن گانا اصل میں نطق ونظر کی نعمت ملنے پر خالق کے مشکور و ممنون ہونا ہے۔ اسی کو معبود محض ماننا دراصل فہم وفکر کی نعمت کا پورے طور پر شکرانہ ادا کرنا ہے۔

توحید ہی ایمان کی اساس و بنیاد ہے اگر کوئی شخص خدا کی ذات کے بارے میں ہی گوگو خیالات رکھتا ہے تو یقیناً اس کے قدم ایمان کی راہ میں ڈگمگا گئے ہیں اور اس کا وجود ہدایت کی شاہراہ پر لڑکھرا گیا ہے اور محرومی ہی اس کے ہاتھ میں آئی ہے۔ اب وہ بے نور آنکھوں سے دنیا کا مشاہدہ کرے گا اس کے بے بصیرتی آفاق کی تمام سچائیوں سے اس کو دور کر دے گی اور کائنات کی ساری وسعتیں اس کی فکر کو راہ حق دکھا نہ سکیں گی۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ ذات خداوند تعالیٰ کی عظمتوں اور اس کی صفات کی بلندیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ چیزیں اگر مومن کے پیش نظر رہیں تو بلاشبہ اس کا ایمان ہمیشہ غیر متزلزل رہے گا۔ یہاں چند آیات کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے جن کے مطالعہ سے اللہ تعالی کے ہمہ گیر اور غیر محدود رتبہ و عظمت کا حال معلوم ہوتا ہے۔۔ (البقرہ: ایت۔ ۲۵۵) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے ہمیشہ رہنے والا ہے۔ نہ اسس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، زمین و آسمانوں میں جو کچھ ہے اسی کا ہے۔ ال عمران (آیت ۲۶) (اے پیغمبر) صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس طرح فرمایئے کہ اے اللہ! سارے ملک کے مالک! تو جس کو چاہے سلطنت عطا کرے اور جس سے چاہے چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

الرعد (آیت: ۴۱) اور اللہ فیصلہ کرتا ہے۔ کوئی اس کے فیصلے پر نظر ثانی کرنے والا نہیں۔

الانبیاء (آیت: ۲۳) وہ اپنے کئے ہوئے پر کسی کے سامنے جوابدہ نہیں اور سب اس کے جوابدہ ہیں۔

الفرقان (آیت: ۲) اور بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

الروم (آیت ۲۶) زمین و آسمانوں میں جو کچھ ہے اسی کی ملک ہے اور سب اس کے تابع فرمان ہیں۔

یسین (آیت: ۸۳) ہر چیز کی سلطانی اس کے ہاتھ میں ہے۔

الحدید (ایت ۵) زمین اور آسمانوں کی بادشاہی اسی کی ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات رجوع کئے جاتے ہیں

الحشر (آیت: ۲۳۔۲۴) وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے، وہ بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ ہے، نہایت عظمت والا ہے، سلامتی والا، امن دینے والا، نگہبانی کرنے والا، غالب، زبردست اور بڑی شان والا ہے اور اللہ لوگوں کے شرک سے پاک ہے۔

الحمد للہ ان آیات سے خدا کی عظمتوں کا خوب اظہار ہوتا ہے اندازہ ہوا۔ یقیناً جو ہر ایمان کی بقاء کا دارومدار عقیدہ توحید کے تحفظ میں ہے۔ اگر کسی نے عقیدہ توحید کا پاس ولحاظ نہیں رکھا تو وہ متاع ایمان سے محروم ہو گیا اور توحید یہ ہے کہ ذات مطلق کے بارے میں شک وشبہ سے بالاتر ہو کر وہ تمام عقائد کو قبول کرلیا جائے جسکی تعلیم قران مجید اور احادیث شریفہ میں موجود ہے۔ بندہ جہاں اپنے معبود کی ذات کو ہر نقص وعیب سے منزہ قرار دے وہیں اس کی صفات کی تمام بزرگیوں و عظمتوں

کا دل سے قائل ہو جائے ۔ چہ جائے کہ خدائے تعالی کو مخلوق کے معیار پر پرکھنے کی کوشش کی جائے اور محدود انسانی نظریات کے وسیلے سے اس کو جانچا جائے ۔

اس بات میں دورائے نہیں کہ مذہب اسلام میں اعمال کی اساس توحید ہے جس کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں ۔ خدا کے وجود کا اقرار اور اس کی رضا مندی کا حصول انسانی زندگی کا اولین مقصد ہے ۔ اگر عقیدہ توحید میں ہی شبہ ہو تو انسان کی پوری زندگی بیکار ہے نہ اس کے دل میں نور ہے اور نہ دماغ میں روشنی !....

قرآن مجید خدائے عزوجل کی ذات اور اس کی توحید پر جا بجا فطری و عقلی دلائل پیش کرتا ہے ۔ قرآن سب سے پہلے انسانی فہم و فکر کو دعوت دیتا ہے اور بار بار خدا کی نشانیوں میں اس کی توحید کو تلاش کرنے کی طرف توجہ مبذول کرواتا ہے قرآن کا کہنا ہے کہ زمین کی ہر چیز، آسمان کے ہر منظر، زندگی کے ہر تغیر اور کائنات کے ہر رنگ میں معرفت کردگار کی نشانیاں موجود ہیں ۔ اسطرح مناظر فطرت سے خدا کے وجود کی دلیلیں بیان کی گئیں ہیں ۔ قرآن مجید صراحت کرتا ہے کہ یہ رنگا رنگ آب و گل، تاروں بھرا آسمان، وسیع زمین، منور چاند، روشن سورج، طرح طرح کے درخت بہتے دریا اور سمندر سب خالق کے وجود کا پتہ دیتے ہیں ۔

سورہ انعام میں نباتات اور ان کی نیرنگیوں کو خدائے تعالی نے اپنے وجود کی دلیل میں پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ خدا ہی ہے جو آسمانوں سے پانی برساتا ہے پھر زمین سے اگنے والی چیزیں پیدا کرتا ہے اور سبز خوشے نکالتا ہے، کھجور کے گچھے، انگور کے باغ، زیتون اور انار پیدا کرتا ہے ۔ بے شک ان سب چیزوں میں ایمان والوں کے لئے دلیلیں ہیں ۔

سورہ لقمان میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالی نے آسمانوں کے چھت کو بغیر کسی ستون کے کھڑا کیا اور زمین میں ایسے پہاڑ بنائے کہ وہ تمہیں لے کر ہل نہیں سکتی اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلادیئے ۔ اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس زمین میں ہر طرح کے عمدہ اقسام اگائے ۔ ایک اور جگہ قرآن کہتا ہے کہ اچھا بتاؤ وہ کون ہے ؟ جس نے پانی کی نہریں جاری کیں ۔ پہاڑ بنائے، دریائے بہائے وہ کون ہے جو صحراوں اور سمندروں کی تاریکیوں میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے ۔ یہ سب آیتیں توحید خداوندی پر بجائے خود دلیل کی حیثیت رکھتی ہیں ۔

اللہ کی وحدانیت کے بارے میں قرآن مجید کا ایک اور طریقہ استدلال یہ ہے کہ خدا ایک ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو عالم میں فساد برپا ہو جاتا ۔ جس طرح ایک ملک کے دو حکمراں نہیں ہوتے اگر کسی ملک کے دو حکمراں یا کسی ادارہ کے دو سربراہ ہوں تو اس کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے ۔ کائنات کا پورا نظام مربوط و مسلسل طور پر جاری رہنا ۔ خدا کی یکتائی کی سب سے بڑی دلیل ہے ۔ سورج اپنے وقت پر طلوع و غروب ہوتا ہے، رات و دن یکساں برقرار رہتے ہیں، موسم بروقت تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور یہ سب چیزیں ایک خالق و حاکم کا ہی پتہ دیتی ہیں ۔ ورنہ انتشار برپا ہو جاتا ہے اور کائنات فناء و زوال سے دو چار ہو جاتی ۔ یہ تمام فطری دلائل عقل و دانش کو سرنگوں کر دیتے ہیں اور اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں کہ زمین سے لے کر آسمان تک ساری کائنات ایک مکمل نظام ہے اور یہ پورا نظام ایک زبردست قانون کے تحت جاری ہے جس میں ہر طرف ہمہ گیر اقتدار،

بے عیب علم اور بے خطا حکمت کار فرما ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ اس نظام کا جاری رکھنے والا ایک عظیم ہستی کا مالک ہے۔ جو خدائے تعالی ہے اور اس نے سورہ ابراہیم میں ارشاد فرمایا ہے " افی اللہ شک فاطر السموات والارض " (کیا آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے اللہ کے بارے میں شک کیا جاسکتا ہے) یہ آیت کریمہ خدا کے بارے میں کسی بھی شک وشبہ کو دل نشین انداز میں رفع کرتی ہے۔ گویا خالق کے بارے میں کسی مخصوص نظریہ کے ذریعہ شک وشبہ کا اظہار کرنا، یا اس بے نظیر ذات کو زمانہ یا کسی اور دنیاوی حوالے سے کھوجنا، قرآن کی سراسر مخالفت ہے۔

توحید سے انسانی زندگی پر نمایاں اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کو حاکم و مالک سمجھنے سے انسان میں بے خوفی، بہادری، جرات، عزم، توکل، قناعت اور فیاضی جیسی صفتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور توحید کے مقابل شرک و کفر میں آدمی بزدل، کمزور، کم ہمت، ناتواں اور بے عزم ہو جاتا ہے۔ ایک موحد کسی بھی حال میں شکستہ خاطر اور مایوس نہیں ہوتا۔ خدائی طاقت اسکے عزم ارادہ کو مضبوط تر بناتی ہے اور وہ باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے جب کہ مشرک اپنی کمزور طاقت اور محدود وسائل کے ساتھ میدان عمل میں ہوتا ہے اور کسی زبردست طاقت پر عدم ایمان کے سبب خوفزدہ وملول آگے بڑھتا ہے اور آخرت کے ساتھ دنیا میں بھی ناکام ہو جاتا ہے۔ ایک مومن کے پیش نظر یہ سب باتیں پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہونا چاہئے اور اس کے دل میں توحید کی اہمیت و عظمت کا چراغ روشن رہنا چاہئے تاکہ وہ زمانہ کے کسی مکر کا شکار نہ ہوسکے نیز خدا کے بارے میں اس کے خیالات اس قدر مستحکم ہوں کہ کوئی وہم اس کے قریب نہ آسکے اور کوئی وسوسہ اس کے چراغ ایمانی کو بجھانے کی جرات نہ کرسکے۔ غرض خدا کی ذات کو زمانہ کے حوالے سے جاننے کی کوشش کرنا اس ذات مطلق کے عدم عرفان کی دلیل ہے۔ خدائے تعالی ازل سے ہے، اور ساری چیزوں کا خالق ہے ہم اس کی عطاکردہ نعمتوں کے وسیلے سے اپنی زندگی کو کامیاب طور پر گزاتے ہیں، اس نے دماغ وقلب عطا کیا ہم غور فکر کرتے ہیں، اس نے آنکھیں عطا کیں ہم مناظر قدرت کا مشاہدہ کرتے ہیں، اس نے کان عطا کئے ہم آوازیں سنتے ہیں، اس نے حواس عطا کئے جس سے ہم مختلف فوائد حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح اس نے کائنات کی تمام اشیاء سورج، چاند، آسمان، زمین ہوا، پانی وغیرہ پیدا کئے جن سے ہم استفادہ کرتے ہیں۔ اگر ہم اس کی عطاکردہ نعمتوں اور اس کی پیدا کردہ چیزوں کے وسیلہ سے اسی کی ذات پر اعتراض کرتے ہوں یا ان ہی چیزوں کو معیار قرار دیتے ہوئے اس عظیم خالق کو انسانی فکری کسوٹی پر جانچنے کی کوشش کرتے ہوں تو یہ سراسر نقصان کا سودا ہے جس میں ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہاں یہ واقعہ بڑا موزوں ہے کہ کسی دہریہ نے یہی سوال ایک اہل دل سے کیا کہ "خدا سے پہلے کیا تھا؟ آپ نے الٹا اس سے سوال کیا کہ کیا تجھے گنتی آتی ہے؟ کہا۔ ہاں، فرمایا اعداد کو دس سے معکوس شمار کر، گننا شروع۔ ۱۰،۹،۸،۷،۶،۵،۴،۳،۲،۱۔۔۔۔ اور رک گیا۔ آپ نے فرمایا آگے گن: کہنا لگا ایک سے پہلے کچھ نہیں!۔۔۔۔ اب فرمایا کہ نادان یہ گنتی انسان نے اپنی ضرورت کے پیش نظر ایجاد کرلی ہے اور اس کے ایک ہندسہ میں یہ کمال ہے کہ اس سے پہلے کچھ نہیں! اور تو خالق کے بارے میں سوچنے چلا ہے " العیاذ باللہ۔"

موقتی نکاح، (کنٹراکٹ میریج) شرعی نقطہ نظر

مولوی حافظ محمد عبدالجلیل قادری
کامل جامعہ نظامیہ

نکاح کے لغوی معنی جماع کے ہیں اور اصطلاح فقہ میں نکاح ایک خاص عقد یعنی بندھن کا نام ہے جس سے مرد قصداً یعنی ارادی طور پر عورت سے نفع اٹھانے کا مجاز ہوتا ہے، نکاح کے مقابلہ میں زنا ہے اور زنا کے معنی یہ ہیں "الزنا وطی الرجل المراۃ فی غیر الملک و شبھہ" یعنی زنا اس مجامعت کو کہتے ہیں جو ایک مرد ایک ایسی عورت کے ساتھ کرے جو اس کی ملک اور شبہہ ملک میں نہ ہو۔

اللہ تبارک و تعالی نے اہل ایمان سے ارشاد فرمایا کہ "اور زنا کے قریب بھی نہ جانا یہ وہ بے حیائی اور برائی کی راہ ہے "۔ (بنی اسرائیل آیت ۳۱)

اور نکاح سے متعلق ارشاد فرمایا کہ "اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے سواء جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو یا تین تین یا چار چار ان سے نکاح کرلو اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت کافی ہے۔ یا لونڈی جس کے تم مالک ہو اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے" (سورہ نساء آیت ۳)

اسلامی تہذیب و تمدن اور معاشرہ انسانی کا ایک اہم پہلو خواہشات نفسانی کی تہذیب و تربیت نیز نکاح کے آداب کی رعایت بھی ہے۔ خالق کائنات نے شریعت میں شارع اسلام حضور ختمی مرتبت سیدنا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس بات کی تعلیم دی ہے کہ انسان خصوصاً مسلمان نفسانی خواہشات یا فطری خواہشات کی تربیت و تہذیب میں اعتدال پسندی سے کام لے یعنی افراط و تفریط سے اپنے دامن عفت کو بچا کر دنیائے انسانیت کے سامنے ایک مہذب و باکردار انسان کا علمی نمونہ پیش کریں چنانچہ اہل علم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی بالفاظ دیگر انسان کو جانوروں کی طرح کھلم کھلا علانیہ طور پر اپنی نفسانی خواہشات کو سر بازار پورا کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے جہاں پر فطری خواہشات کی تکمیل کیلئے مسلمان حدود اللہ کو پھلانگ نہیں سکتے ہیں وہیں اس بات کا خیال رکھنا بھی لازم ہے کہ اللہ تبارک و تعالی نے انسان کے فطری جذبات کو بالکل مٹا دینا کا حکم بھی نہیں دیا بلکہ مناسب شرائط و قیود کے ساتھ انسان کو نفسانی و فطری خواہش کو پورا کرنے کی اجازت دی گئی ہے چنانچہ ایک طرف زنا کو حرام قرار دیا گیا ہے تو دوسری طرف لا رھبانیۃ فی الاسلام کا مژدہ جانفزا سنا کر مسلمان کو ایک سے چار بیویوں تک سے نکاح کرنے کی اجازت بھی گئی لہذا معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تبارک و تعالی کی جانب سے عطا کردہ نعمت و اجازت نے اور رخصت کے اختیار کرنے کے بجائے غلط طریقہ پر اپنی جسمانی قوت کو برباد نہ کریں اور نکاح جیسی عظیم سنت نبوی کو چھوڑ کر ہرگز زناکاری میں مبتلا نہ ہوں۔

زنا حرام ہے اور اس کا مرتکب گناہ کبیرہ کا مرتکب قرار پاتا ہے۔ قرآن عظیم فرقان حمید نے اللہ تعالی کے حکم کا اعلان اعلی روس الاشھاد فرمایا کہ اے ایمان والوں کے قریب بھی نہ جاو کیونکہ بے حیائی کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔ اکثر

کبیرہ گناہوں کی سزا تو آخرت میں دی جائے گی مگر چند ایسے گناہ ہیں جن کے مرتکبین کو دنیا میں اس کی سزا دی جائے گی منجملہ ان کے نمایاں طور پر زنا ہے کہ زنا ثابت ہونے کے بعد اس کی سزا دنیا ہی میں دی جانی مقرر ہے اور سزا بھی اتنی سخت اور بڑی ھیکہ اگر ایک دفعہ زانی کو یہ سزا دی جائے تو اس سزا کی تاب نہ لاکر یا تو زنا کا تصور ہی اس کے لئے سوہان روح بن جائے گا اور اگر زانی و زانیہ سزا کے بعد زندہ بچ جائیں تو بقیہ زندگی پھر کبھی زنا کا نام بھی نہ لیں گے۔ چنانچہ قرآن مقدس میں غیر شادی شدہ زانی و زانیہ کی سزا سو (۱۰۰) کوڑے مقرر ہے۔ اور اگر شادی شدہ مرد عورت سے زنا کا فعل سرزد ہو تو ان دونوں کی سزا شریعت میں سنگسار کرنا ہے یعنی مسلمانوں کے بھرے مجمع میں دونوں کو پتھروں سے اس قدر ماریں کہ وہ پتھروں کی مار سے موت کے گھاٹ اتر جائیں۔ اللہ تعالی ہم سب کو اس گناہ عظیم سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور دوسرے مسلمانوں کو اس بارے میں مطلع کر کے تبلیغ دین کا کام کرنے کی ہمت و کوشش عطا فرمائے آمین۔

ان دنوں ایک مسئلہ موقتی نکاح یعنی کنٹراکٹ میریج سے متعلق مسلم معاشرہ میں بے چینی کی کیفیت پائی جاتی ہے جاننا چاہئے کہ ہمارے اس زمانہ میں اس طرح کے نکاح یعنی موقتی نکاح کی بالکل اجازت ہی نہیں ہے اور اگر کسی فرد یا قوم یا ادارہ یا کمیونٹی کی جانب سے اس طرح کے نکاح کی جواز کی شکل دی جاتی ہے تو مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام نے اور شارع اسلام نے اس طرح کے نکاح کو حرام و ناجائز قرار دے کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس کی تمام جڑیں اکھاڑ دیں چنانچہ صحیحین کی روایت سے یہ بات ثابت ہیکہ اللہ کے رسول حضور سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے موقع اور پھر فتح مکہ کے سال موقتی نکاح جس کو متعہ بھی کہا جاتا ہے کو ہمیشہ کیلئے قطعی طور پر حرام قرار دے دیا ہے اس روایت کی روشنی میں ائمہ اربعہ اور دیگر علماء و فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ نکاح متعہ ناجائز ہے۔

بات اصل میں یہ ہے کہ گناہ اور ناجائز و حرام کام یقیناً اپنی جگہ ناجائز و حرام ہے لیکن اگر کسی مسلمان سے اگر کوئی ایسی حرکت کا صدور و ظہور ہو جو قرآن و حدیث اور شارع اسلام کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہو تو اس کو چاہئے کہ فوراً اللہ رب العزت کی بارگاہ میں رجوع ہو کر توبہ و استغفار کرے نہ کہ اس کے جواز کی راہیں تلاش کرتے ہوئے اپنے عمل کو اور اپنے کردار کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ اگر کسی سے کوئی ایسا کام جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب ہو سرزد ہو جائے تو اس سلسلہ میں بے جا تاویلات و مباحث سوائے تضیع اوقات کے کچھ اور نہیں بلکہ ہماری سلامتی اور حفظ و امان اسی میں ہے کہ ہم اس سے توبہ کرتے ہوئے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔ قرآن پاک کے ارشاد "ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما" سے یہی مستفاد ہے۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ آج کل مسلمانوں سے کوئی اس قسم کی بات سرزد ہو جاتی ہے تو اس کو میڈیا خوب بڑھا چڑھا

کر پیش کرتا ہے اس کی خوب تشہیر کی جاتی ہے لہذا مناسب ہیکہ ہم ایسے مسائل میں فوری طور پر اپنے مرکز شرعی سے رجوع ہو کر اپنے مسائل کا حل تلاش کریں جس سے یہ ہوگا کہ گھر کی بات گھر میں ہی حل ہو جائے گی۔ اور گھر کا بھیدی باہر جا کر افشاء راز نہ کر سکے گا۔ اگر ایسا نہ ہوا تو پھر مثل مشہور ہے کہ "گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے" کے مصداق ہماری اجتماعی قوت اور اسلام کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر اور توجہ طلب ہے کہ ابتدائے اسلام میں متعہ یعنی موقتی نکاح کی اجازت ضرور تھی لیکن بعد میں اجازت نہ رہی اور چونکہ عرب کے ماحول و معاشرتی زندگی میں جو برائیاں زوروں پر تھیں ان کا خاتمہ اسلام کے آنے کے بعد یک لخت عمل میں نہیں آیا بلکہ یکے بعد دیگرے مرحلہ وار بتدریج عمل میں آیا۔ ابتدائے اسلام میں ایک مقررہ مدت کی حد تک مثلاً سال دو سال ماہ دو ماہ کیلئے کسی عورت سے نکاح متعہ کیا جاتا تھا اور اس نکاح متعہ کی کیا وجوہات تھیں یہ الگ بحث ہے لیکن مذکورہ قرآن و حدیث کی تشریحات اور علمائے اسلام کے اقوال سے یہ بات بات روز روشن کی طرح ظاہر اور عیاں ہو جاتی ہے کہ نکاح متعہ ناجائز و حرام قطعی ہے ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی بھی مسلمان قرآن و حدیث کے احکام کے بعد نکاح متعہ یعنی کنٹراکٹ میریج کی تائید و جواز کی راہیں تلاش کرے گا اور اس کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کرے گا۔

قرآن و حدیث کے احکام پر عمل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے چہ جائیکہ اگر کوئی اس مسئلہ میں اپنی عقل نارسا کو دخل دیتے ہوئے کنٹراکٹ میریج یا نکاح متعہ کو جائز یا حلال قرار دے تو سمجھنا چاہئے کہ یہ حرکت یا عمل دراصل اسلام کو بدنام کرنے اور شرعی احکام کو مسخ کر کے پیش کرنے کے مترادف ہے۔

آخر میں یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ نکاح متعہ میں ہوتا ہیکہ بوقت نکاح لڑکی کا ولی یا نائب ولی یا رابطہ کار اس بات یا معاہدہ سے متفق ہو کر کہ عاقدہ کو عقد کے چند دن بعد ہی طلاق دینے کیلئے پہلے سے تیار کردہ دستاویز کا بخوبی علم رکھنے کے باوجود دیدہ و دانستہ عقد نکاح کے جملہ امور کی تکمیل کرتے ہیں اگر اس نکاح موقتی کے انعقاد و انصرام میں کوئی بھی شخص کسی بھی طرح ملوث ہو تو اس کا صریح مطلب یہ ہوا کہ وہ دھوکہ دہی کے معاملہ میں برضا و رغبت نکاح متعہ کے امور کو انجام دے رہا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ عند اللہ و عند الرسول مطعون و مغضوب ہیں۔ اللہ تعالی ہم سب مسلمانوں کو قرآن و حدیث کی تعلیمات کلی و جزئی طور پر ہر طرح سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

○○○

بیماری و بیمار پرسی اسلامی نقطہ نظر

مولوی حافظ سید شاہ فاروق محی الدین
کامل الحدیث والفقہ جامعہ نظامیہ

اللہ سبحانہ وتعالی نے تمام مخلوقات میں انسانوں کو مکلف بنایا۔ یعنی شرعی احکام کی پابندی ان پر لازم کی ہے اور اس دنیا کو چونکہ امتحان کی غرض سے بنایا گیا ہے اس لئے اس میں انسانوں کو مختلف ادوار سے گذارا جاتا ہے تاکہ انکی جانچ ہو اور ان کا امتحان لیا جائے کہ کون اچھے اعمال سے اپنی زندگی کو آراستہ کرتا ہے اور کون ہے جو اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہے اور امراض و بیماریاں مصائب و مشکلات آجائیں تو صبر کی روش پر قائم رہتا ہے۔ زمانہ قدیم سے بیماری کے بارے میں دنیا میں عجیب وغریب خیالات موجود رہے ہیں عام طور پر لوگوں نے بیماری کو ایک مصیبت اور عذاب الہی سمجھا ہے۔ اب ہمکو اس بات پر غور کرنا ہے کہ بیمار اور بیماری کے بارے میں اسلام کا نظریہ کیا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اس کے تمام اصول و قوانین فطرت کے عین مطابق ہیں اسلام کی تعلیم یہ ہیکہ بیماری عذاب نہیں بلکہ اللہ کی رحمت کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ بیماری بیمار کیلئے خیر و برکت فلاح و کامرانی کا سبب بنتی ہے، حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ " من یرد اللّٰہ بہ خیرا یصب منہ " (موطا امام مالک کتاب الجامع) اللہ سبحانہ وتعالی جس کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسکو تکلیف سے دوچار کردیتے ہیں۔ دنیائے فانی میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ بیماری سرکش سے سرکش انسان کی سرکشی توڑدیتی اور اسکو کمزور کردیتی ہے، اور سنگ دل انسان کے اندر بھی سوز و گداز پیدا کردیتی ہے بیماری میں انسان کی زبان پر اللہ کا نام آجاتا ہے، اور قلب میں اللہ سبحانہ وتعالی کی یاد تازہ ہوجاتی ہے اور وہ ہمیشہ اللہ سبحانہ کی طرف لولگائے رہتا ہے۔

فرمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جب کوئی شخص بیمار ہوتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسکی طرف دو فرشتے بھیجتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ دیکھو وہ اپنی عیادت کرنے والوں کے ساتھ کیسی گفتگو کرتا ہے اگر بیمار ان کے آنے پر اللہ سبحانہ کی حمد و ثناء بیان کررہا ہے تو فرشتے اللہ سبحانہ کے پاس یہ اطلاع لیکر جاتے ہیں تو اللہ سبحانہ وتعالی اس کے لئے بہتر جزا کا فیصلہ فرماتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ اگر میں اس کو موت دوں تو اسکو جنت میں داخل کرونگا اور اگر اسکو شفاء بخشوں تو اس کا فاسد گوشت طیب گوشت سے اور فاسد خون عمدہ خون سے بدل دوں گا اور اس کو گناہوں سے پاک وصاف کردونگا (موطا امام مالک) دنیا میں کچھ لوگ وہ ہیں جو بیماری کو عذاب اور تکلیف و مصیبت سمجھتے ہیں لیکن حضرت سیدنا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری کو جنت کے حصول کا ذریعہ بتایا ہے۔ حضرت عطاء بن رباح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنھما نے فرمایا کیا میں تمہیں ایک جنتی خاتون کو نہ دکھادوں میں نے عرض کیا کیوں نہیں ضرور دکھادیجئے انھوں نے فرمایا اس سیاہ فام خاتون کو دیکھ لو یہ خاتون ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور بعض اوقات میرا ستر کھل جاتا ہے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری صحت کے لئے دعا فرمایئے حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہتی ہو تو صبر کرو تمہیں جنت ملیگی اور اگر تم صحت چاہتی ہو تو میں اللہ سبحانہ

وتعالی کی بارگاہ میں دعا کردوں یہ سن کر خدا ترس خاتون نے کہا حضور میں صبر کرونگی، لیکن اللہ کی بارگاہ میں یہ دعا فرمائیے کہ میری بے پردگی نہ ہو چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعا فرمائی (بخاری و مسلم) اور کچھ لوگ تو وہ ہیں جو بیماری کو شامت اعمال اور گناہوں کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ بیماری کسی سابقہ گناہوں کا خمیازہ ہے حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ان اللہ لیکفر عن المؤمن خطایاہ کلھا بحمی لیلۃ" ایک رات کے بخار سے زندگی کے سارے گناہ دھل جاتے ہیں۔ حضرت سیدنا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بخار کا ذکر کیا گیا اس پر ایک شخص نے بخار کو برا بھلا کہا تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لاتسبھا فانھا تنقی الذنوب کما تنقی النار خبث الحدید" (ابن ماجہ) بخار کو برا بھلامت کہو کیونکہ یہ بخار گناہوں کو یوں پاک وصاف کردیتا ہے جیسے آگ لوہے کے میل و کچیل کو دور کردیتی ہے۔ حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں بیمار تھی حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لئے تشریف لائے اور فرمایا اے ام العلاء تمہارے لئے خوشخبری وبشارت ہے کہ مسلمان کی بیماری اس کے گناہوں کو ایسے دور کردیتی ہے جیسے آگ چاندی وسونے کے میل و کچیل کو دور کردیتی ہے (سنن ابوداؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا بیان فرماتی ہیں کہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "لایصیب المؤمن من مصیبۃ حتی الشوکۃ الاقص بھا او کفر بھا من خطایاہ" (مؤطا امام مالک) مومن کو کوئی مصیبت نہیں پہونچتی یہاں تک کہ اگر اس کو کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس کے ذریعہ اس کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں اور اسکی خطائیں دور کردی جاتی ہیں۔ مومن کا معاملہ بھی خوب ہے وہ جس حال میں بھی ہو خیر ہی خیر سمیٹتا ہے اگر دکھ بیماری تنگدستی کا شکار ہو یا کوئی معمولی تکلیف کا سامنا ہو یا یہ کہ اسکو ایک معمولی کانٹا بھی چبھ جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ سبحانہ اسکے گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں، اور خوشحالی میں وہ اپنے پروردگار کا شکر گذار بندہ بنارہے تو یہ بھی اسکے حق میں خیر ورحمت کا موجب بن جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص کا انتقال ہوا کسی نے اس موقع پر کہا موت کیسی اچھی پائی کہ بیمار بھی نہ ہوا اور فوت ہوگیا، یہ سن کر حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ویحک ومایدریک لو ان اللہ ابتلاہ بمرض یکفر عنہ من سیاتہ" (مؤطا امام مالک) تم پر افسوس تمھیں کیا معلوم اللہ سبحانہ وتعالی اگر کسی بندے کو کسی مرض میں مبتلاء فرماتے ہیں تو اس سے اسکی برائیوں کو دور فرمادیتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کی مجلس میں فرمایا بے شک جب کبھی کوئی بندہ مومن بیمار ہوجاتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالی اس کو شفاء سے ہمکنار فرمادیتے ہیں تو اس کی بیماری اس کے گذشتہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔

مریض کی عیادت۔ انسانی اوصاف و خوبیوں میں سب سے بلند ترین صفت اگر دیکھی جائے تو وہ رحم دلی ہے۔ نسل انسانی کی حفاظت اور اسکی بقاء وارتقاء اور کائناتی منصوبے کی تکمیل کیلئے اللہ سبحانہ نے ماں باپ کے اندر جذبہ رحم رکھکر ایسا مضبوط انتظام کیا ہے کہ اس سے بہتر انتظام ممکن نہ تھا۔ صرف انسانیت ہی کا مسئلہ نہیں بلکہ ہر ذی روح کی نسلی بقاء اسی جذبہ

رحم پر موقوف رکھی گئی ہے ۔یوں تو تمام مذاہب نے جذبہ رحم کی تعلیم دی ہے لیکن اسلام میں اسکو بہت ہی اعلی ترین درجہ کی انسانی خوبی قرار دیا گیا ہے اور اس پر بے پناہ اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے ۔اور یہ عظیم ترین خوبی وصفت جس انسان کے اندر بھی سما جائے اسکو قرآن مبارک واحادیث نبویہ میں خوب سراہا گیا ۔اللہ سبحانہ وتعالی نے خود اپنے متعلق فرمایا میرے غیض وغضب سے میرا رحم بڑھا ہوا ہے اللہ سبحانہ وتعالی نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ رحم کی تعریف فرمائی اور کار نبوت کی تکمیل اور کامیابی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ رحم کو عظیم درجہ بتایا ۔ مسند احمد ، ترمذی شریف میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ رحمن رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے تم زمین پر بسنے والی اللہ کی مخلوق پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا ۔" الراحمون یرحمھم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء " اور ایک جگہ ارشاد ہے " لایرحم اللّٰہ من لایرحم الناس " جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ سبحانہ ان پر رحم نہیں فرماتا ۔کسی انسان کو دوسروں کے جذبہ رحم وہمدردی کی قدر و قیمت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ خود قابل رحم حالت میں آجاتا ہے اور اگر کوئی انسان سخت تکلیف میں مبتلاء ہو یا بیمار پڑجائے اور چلنا پھرنا دشوار ہو تو اس وقت اسکی پکار وفریاد کو کوئی شخص سن کر نظر انداز کردے تو اس وقت اسکو جو قلبی وروحانی اذیت پہونچتی ہے اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جسکو ایسی حالت کا تجربہ ہوا ہو اس لئے حضرت سیدنا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماروں کی عیادت کو عظیم نیکی واسلامی معاشرے کے لازمی فرائض میں شامل فرمایا ہے (بخاری ومسلم) اور حدیث پاک کی کتابوں میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے ، ہر مسلمان کے ذمہ پانچ حق ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب بیمار ہو تو اسکی مزاج پرسی کی جائے اور ایک حدیث پاک میں سات (۷) باتوں کے کرنے کا حکم ارشاد فرمایا گیا اور سات (۷) چیزوں سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے ان ہی میں سے ایک بیمار کی مزاج پرسی ہے (بخاری ومسلم) ایک حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص کسی مریض کی عیادت کیلئے جاتا ہے ایک فرشتہ آسمان سے نداء دیتا ہے کہ تو مبارک ہے اور تیرا یہ چلنا بھی مبارک ہے اور تو نے اس عمل کے بدلے جنت میں اپنا مقام متعین کرلیا ہے (مشکوۃ شریف) حضرت سیدنا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود اپنے اصحاب کی مزاج پرسی وعیادت کیلئے تشریف لے جاتے تھے اور اس معاملہ میں کسی بڑے چھوٹے ہونے کا قطعا کوئی لحاظ نہ تھا عام دنیا والوں کی نظر میں جن لوگوں کی کچھ حیثیت نہ تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم انکی بھی عیادت فرماتے تھے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکینوں غریبوں کی مزاج پرسی فرماتے اور انکی خیریت دریافت کرتے تھے (نسائی شریف) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک نابینا صحابی بیمار تھے حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کرام سے فرمایا کرتے تھے چلو انکی عیادت کر آئیں ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے اعرابی جو تعلیم واخلاق سے نابلد رہے ہوں انکی اور غربت وتنگدستی میں زندگی بسر کرنے والوں کی بھی عیادت و مزاج پرسی فرماتے تھے ۔جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ بلند مرتبہ کو جانتے تھے نہ گفتگو کے مہذب طریقے سے واقف تھے ۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک اعرابی کی عیادت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے وہ بوڑھا سخت بخار میں مبتلاء تھا آپ نے اسے دیکھکر یہ ارشاد فرمایا یہ گناہوں

کا کفارہ ہے اور یہ پاک کر دینے کا ذریعہ ہے وہ اپنی نادانی یا تکلیف کی شدت سے کہنے لگا۔ نہیں نہیں بلکہ یہ بھڑکتا ہوا بخار جو اس بوڑھے کو قبر میں پہونچا کر ہی دم لیگا۔ وہ ضعیف شخص اس وقت نصیحت سننے کے محل میں نہیں تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے خاموش اٹھ کر چلے آگئے۔ صحیح مسلم کی مشہور حدیث ہیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سبحانہ وتعالی قیامت کے دن فرمائیگا اے آدم کے بیٹے میں بیمار تھا تو مجھے پوچھنے نہیں آیا وہ عرض کرے گا آپ تو رب العالمین ہے میں آپ کی عیادت کیسے کرتا۔ تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تونے اس کی عیادت نہیں کی اگر تو اسکے پاس مزاج پرسی کے لئے جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا (مشکوۃ شریف) عیادت کے سلسلہ میں اس کا بے حد خیال رکھیں اور حقیقت پسندی کے ساتھ یہ محسوس کریں کہ ہم سے مریض کو کتنا تعلق ہے اگر ہمارے جانے اور اس کے ہاں کچھ وقت گذارنے سے مریض کو اطمینان حاصل ہوتا ہے تو وہاں زیادہ وقت گذرنا عین ثواب اور خدا کی رضاء و خوشنودی کا سبب بنتا ہے، مسلم معاشرہ میں بیماروں کی مزاج پرسی قریبی تعلقات یا قریبی رشتہ داری تک ہی محدود ہو گئی ہے یا پھر ایسے اہم لوگوں کی مزاج پرسی کا چلن رہ گیا ہے جس سے آدمی کا کچھ کام نکل تا ہے یا ضرورت پڑسکتی ہے۔ عیادت جو بھائی چارہ، انسانی ہمدردی کا ایک عظیم حصہ ہے وہ اب انسانی خود غرضی و آخرت فراموشی کی وجہ یہ جذبہ سرد پڑتا جارہا ہے اور اب بھائی چارگی، اخوت، انسانی ہمدردی، بتدریج روبہ زوال ہے جس کی وجہ سے انسانی معاشرت پارہ پارہ ہوچکی ہے۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نیکی کی تلاش میں ایک مرتبہ مدینہ کے اطراف واکناف علاقہ میں تشریف لے گئے کہ ایک معذور اپاہج آدمی کا پتہ معلوم کریں اور چھپ کر اس کی خدمت کیا کریں آخر ان کو ایک بیمار بوڑھی عورت ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں فروکش نظر آئی جو نابینا تھی اور اس کا کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں تھا۔ انھوں نے دل میں یہ ارادہ کرلیا کہ کل سے اسکی خدمت کرونگا۔ چنانچہ اگلے دن صبح فجر پڑھتے ہی وہاں پہونچے تو دیکھا کپڑے دھلے ہوئے اسکی جھونپڑی کے پاس لٹک رہے ہیں اور صاف صفائی بھی ہو چکی ہے پانی کے گھڑے بھی بھرے ہوئے سلیقہ مندی سے رکھے ہوئے ہیں، انھیں حیرت اس بات کی ہوئی کہ اس کا کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں لیکن اتنی صبح کون ہے جو اس کے سارے کام کر گیا دوسرے دن صبح اور بھی جلد تشریف لے گئے وہ تمام کام پہلے سے ہو چکے تھے وہ بہت ششدر رہ گئے کہ ماجرا کیا ہے تیسرے دن فجر کی اذان کے وقت تشریف لے گئے تو ادھر سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس بوڑھیا کی جھونپڑی سے نکل رہے تھے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان سے چمٹ گئے، اور کہا اے ابوبکر جب ہم نے کسی اعلی درجہ کی نیکی کا ارادہ کیا اس میں آپ کو ہمیشہ اپنے سے آگے پایا۔ ضرورت ہیکہ ان جیسے واقعات سے ہم روشنی حاصل کریں اور انسانی ہمدردی، رحمدلی، محتاجوں، معذوروں کی خبر گیری کے جذبات بیدار کریں۔ انسان چاہے کسی مذہب، مکتب، مشرب سے تعلق رکھتا ہو اگر وہ بیمار ہو جائے تو عام طور اس کی عیادت و بیمار پرسی کرنا اور خاص طور پر اپنے عزیز واقارب دوست احباب بیمار ہوں تو اپنے قیمتی اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر ان کی عیادت کے لئے جانا یقینا بڑی نیکی اور کار ثواب ہے اور اس فریضہ کو خوشدلی و بشاشت قلبی کے ساتھ پورا کرنے میں ہی دنیا و آخرت میں حصول رحمت ممکن ہے۔ اور اسی میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاء و خوشنودی مضمر ہے۔

اخلاص

مولوی محمد مخدوم احمد معشوقی
کامل الحدیث جامعہ نظامیہ

قال اللہ تعالی " وما امروا الالیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین " وقال فی مقام آخر " الاللہ الدین الخالص "

اللہ رب العزت کاارشاد مبارک ہیکہ انکو صرف اس بات کا حکم دیا گیا ہیکہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اطاعت خالص اسی کی کریں اور دوسری جگہ ارشاد ہیکہ " آگاہ ہوجاؤ کہ دین خالص اللہ کیلئے ہے " ۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ایمان ہی موجب نجات دنیوی واخروی ہے اور اعمال صالحہ اسکی تقویت کے موجب ہیں لیکن یہ دونوں چیزیں بغیر اخلاص کے حاصل نہیں ہوسکتی اس لحاظ سے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اسلامی اعمال کا دارومدار اخلاص پر ہے اور اگر اخلاص نہ ہو تو نہ ایمان کام آسکتا اور نہ ہی اعمال صالحہ ۔ ان آیات مبارکہ کا سیاق وسباق بھی اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ قران مجید اپنے ساتھ اخلاص ہی کو لایا ۔ یہی وجہ ہیکہ قران کریم کے نزول کے ساتھ اخلاص کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے گویا اسلام کی اولین تعلیم یہی ہیکہ بندگان خدا اخلاص کو اختیار کریں اور اللہ کی عبادت کا جو حکم انھیں دیا گیا ہے اس میں اخلاص سے کام لیں یہی خالص دین اسلام ہے اور یہی دین اللہ سبحانہ وتعالی کا دین ہے جو اسکو تمام ادیان میں پسند ہے جیساکہ خود پروردگار عالم نے " رضیت لکم الاسلام دینا " میں اس کی صراحت فرمائی

اخلاص کے معنی ۔ اخلاص کے لغوی معنی صاف ، وفا اور بے لوث کے ہیں ، خلص خلوصا خالص ہونا صاف ہونا جیسے عربی کہا جاتا ہے " اللبن الخالص " ایسا صاف دودھ جس میں کوئی شئی ملی ہوئی نہ ہو

اخلاص کے اصطلاحی معنی میں اختلاف ہے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اخلاص کیا چیز ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ اخلاص کی حقیقت کیا ہے ؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جبرئیل امین سے یہ سوال کیا تھا کہ اخلاص کیا ہے ؟ تو جبرئیل نے کہا کہ میں نے اللہ سے درخواست کی کہ اخلاص سے کیا مراد ہے ؟ تو اللہ رب العزت نے فرمایا " الاخلاص سر من سری استودعتہ قلب من حببت من عبادی " یعنے اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے میں اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہوں امانت کے طور پر اسے رکھتا ہوں

ایک دفعہ صحابہ کرام نے حضور سید الاولین والاخرین صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاص کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا " ان تقول ربی اللہ ثم استقم کما امرت " یعنے اخلاص یہ ہیکہ تم زبان سے اس بات کا اقرار کرو کہ میرا رب (پالنے والا) اللہ ہے ۔ پھر جیسا تمہیں حکم دیا گیا ہے تم اس پر قائم رہو یعنے اس بات سے ہٹنا نہیں اور نہ کسی کو اس میں شامل کرنا

ایک دفعہ حضرت عیسی علیہ اسلام کے حواریوں نے آپ سے دریافت کیا کہ خالص عمل کونسا ہے تو آپ نے فرمایا" الذی یعمل للّٰہ تعالی لایحب ان یحمدہ علیہ احد " یعنے وہی عمل خالص ہے جسکو اللہ تعالی کیلئے کیا جائے اس میں اس امر کی بھی خواہش نہ ہو کہ اسکی کوئی شخص تعریف وتوصیف کرے۔

ابوادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہیکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ ہر حق کی ایک حقیقت ہے اور بندہ اخلاص کی حقیقت کو اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک خاص اللہ تعالی کیلئے کئے ہوئے عمل پر اپنی تعریف کو ناپسند کرنے لگے یعنے تعریف کو پسند نہ کرے حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ " کل شئی یتصور ان یشوبہ غیرہ فاذا صفا عن شوبہ و خلص عنہ یسمی خالصا ویسمی الفعل المصفی الخالص اخلاصا" یعنے جس چیز کی اصلیت دوسری شئی کے ملنے سے بدل جاتی ہے اگر وہ کسی ایسی شئی سے نہ ملے بلکہ اپنی اصلیت پر باقی ہو تو اسکو خالص اور ایسی چیز سے کسی چیز کے ملنے نہ دینے کو اخلاص کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالی کا ارشاد مبارک دیکھئے " من بین فرث و دم لبنا خالصا سائغا للشاربین " یعنے اللہ رب العزت چوپایہ جانوروں کی لید اور خون کے درمیان سے خالص خوشگوار دودھ اسکے پینے والوں کیلئے پیدا کرتا ہے پس خالص دودھ وہی ہے جس میں لید یا خون اور کسی چیز کی آمیزش نہ ہو محض دودھ دودھ ہو اور دودھ کو کسی دوسری شئی کے ملنے سے بچانا اور محفوظ رکھنا یا اگر کوئی چیز اس میں مل جائے تو اسکو علیحدہ کردینا اخلاص کہلائے گا گویا اخلاص انسان کا ایک اختیاری فعل ہے جسکے کرنے سے اسے اسکا معاوضہ ملتا ہے۔ حضرت سہل تستری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ " الاخلاص ان یکون سکون العبد و حرکاتہ للّٰہ تعالی خاصۃ " یعنی اخلاص یہی ہے کہ بندے کے جملہ حرکات وسکنات محض اللہ پاک کیلئے ہوں وہ اٹھتا بیٹھتا ہے تو اللہ کیلئے وہ چلتا پھرتا ہے تو اللہ کے لئے وہ کھاتا پیتا ہے تو اللہ پاک کی خاطر وہ پڑھتا لکھتا ہے تو اسی کیلئے وہ کہتا سنتا ہے تو اسی کے واسطے غرض ہر ایک کام محض اللہ تعالی کی رضاجوئی یا اسکے حکم کی تعمیل میں ہوتا ہے اسکے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتا اور کسی امر میں اپنی خواہش ونفس کو داخل نہیں ہونے دیتا بس یہی اخلاص ہے اور اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص یہ ہیکہ تم کوئی کام کرو تو اسکو صرف اللہ کیلئے کرو اور لوگوں کو دکھانے کیلئے نہ کرو اگر تم کوئی کام لوگوں کو دکھانے کیلئے کرتے ہو تو اس کام میں لوگوں کی شرکت ہوگئی یعنے وہ کام اللہ کیلئے تھا اور اس میں لوگوں کی خاطر بھی شامل ہوگئی یہ شرک ہے اور اگر اس کام کو چھوڑ دیتے ہو محض اس خیال سے کہ لوگ دیکھتے ہیں تو یہ بھی ریاکاری ہے کیونکہ لوگوں کی خاطر یہاں بھی ملحوظ رہی اور یہ دونوں صورتیں اخلاص سے دور ہیں۔ اخلاص تو یہی ہیکہ نہ کسی کام کے کرنے میں لوگوں کا خیال ہو اور نہ اسکو ترک کرنے میں اسکا دھیان ہو بلکہ کام کا کرنا اور نہ کرنا دونوں بھی اللہ کیلئے ہو، یہی اخلاص ہے۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہیکہ " الاخلاص فی العمل ان لایطلع علیہ شیطان فیفسدہ و لا ملک فیکتبہ " یعنے اخلاص عمل میں یہ ہیکہ شیطان کو بھی

سکی (عمل کی) اطلاع نہ ہونے پائے کہ وہ اسکو بگاڑ سکے، اور نہ فرشتے ہی کو اطلاع ہو کہ وہ اسکو لکھ سکے یعنے اپنا نفس امارہ جو کہ شیطان کا تابع ہے اسکی کسی خواہش کو اس میں دخل نہ ہو اور نہ ہی لذت ثواب پیش نظر ہو اگر نفس کو دخل ہو گا تو وہ عمل خراب ہو جائیگا اور اگر لذت ثواب پیش نظر ہو تو اخلاص باقی نہ رہے گا۔ ایک عارف کا قول ہے " الاخلاص ما استتر عن الخلائق و صفا عن العلائق " یعنی جو کام مخلوق سے پوشیدہ اور علائق سے پاک ہو وہ اخلاص ہے۔

اخلاص کے مدارج۔ ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک اخلاص تو وہ ہے کہ جس کے اندر نفس کا کوئی صہ کسی حال میں نہ ہو یہ عوام کا اخلاص ہے اور خواص کا اخلاص یہ ھیکہ بغیر ارادہ خود بخود اعمال حسنہ کا صدور ہو۔ ان سے طاعت کا ظہور بغیر قصد کے ہوتا ہے اور ان سے اس سلسلے میں کوئی ایسی علامت ظاہر نہ ہو جس سے اس امر کا اظہار ہو کہ ان و اطاعت ملحوظ تھی۔

حقیقی اخلاص۔ حضرت ابوبکر دقاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر مخلص کو اپنے اخلاص کے دیکھنے سے نقصان پہنچتا ہے اللہ عالی جب کسی کے اخلاص کو پسند فرمالیتا ہے تو پھر اسکے اخلاص کو اسکی نظر سے گرا دیتا ہے یعنے مخلص اپنے اخلاص پر نظر نہیں رکھتا اسی طرح وہ مخلص اپنے اخلاص کو اخلاص ہی نہیں سمجھتا، اسطرح وہ خدا کی نظر میں پسندیدہ ہو جاتا ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اخلاص ایسی چیز ہیکہ اللہ عزوجل کے سوا اس سے کوئی اور باخبر نہ ہو۔

اخلاص تمام عبادتوں میں زیادہ شاق ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ " الاخلاص لیس لھا فیہ نصیب " یعنے اخلاص تمام عبادتوں میں زیادہ شاق ہے کیونکہ نفس کیلئے اس میں کوئی حصہ نہیں ہے اس لئے مخلص کا ہر عمل خالص اللہ سبحانہ کیلئے ہوتا ہے، کسی اور کی شرکت ممکن نہیں۔

اخلاص کی فضیلت۔ حضرت سیدنا علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ لوگو! تم تھوڑا عمل کرنے کی وجہ سے غمگین نہ ہو کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ " اخلص العمل یجزیک منہ القلیل " یعنے اے معاذ عمل میں اخلاص کو اختیار کرو اس لئے کہ اخلاص سے کیا ہوا تھوڑا سا بھی عمل تمہارے لئے کافی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کی تصدیق چودہ سو برس سے ہر زمانے میں ہوتی جا رہی ہے اور یہ امر ثابت و متحقق ہو چکا ہیکہ بسا اوقات تھوڑے سے کام سے وہ نفع حاصل ہوتا ہے جو زیادہ کام سے حاصل نہیں ہوتا اور ایک حدیث شریف میں آیا ہیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " ما من عبد یخلص للہ العمل اربعین یوما الا ظھرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ " یعنے جو کوئی بندہ اللہ تعالی کیلئے چالیس دن تک عمل خالص کرتا ہے تو حکمت کے چشمے اس کے قلب سے اسکی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں غور کیجئے کہ صرف چالیس دن تک با اخلاص عبادت کرنے کی یہ فضیلت ہے تو اس سے زیادہ مدت اگر اخلاص میں گذرے تو کیا مدارج حاصل ہوں

گے ؟ مخلصین کا دنیا میں ادنی مرتبہ یہ ہیکہ شیطان کا ان پر داو نہیں چل سکتا جیسا کہ قرآن کریم میں اسکی تصریح کی گئی ۔
ارشاد باری ہے " قال فبعزتک لاغوینهم اجمعین الا عبادک منهم المخلصین " یعنے شیطان نے کہا اے
پروردگار تیرے عزت وجلال کی قسم میں تمام بندوں کو بھٹکاونگا مگر ان میں جو تیرے مخلص بندے ہیں (ان کو نہیں بھٹکا سکتا)
حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ اپنے آپ کو مارتے اور فرماتے تھے " یانفسی اخلصی تخلصی " یعنے اے میرے نفس تو اخلاص کو
اختیار کر تو خلاصی پائے گا یعنے نجات پانا ہو تو تو اخلاص اختیار کر ۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے " اخلاص ساعة نجاة الا بد " یعنے ایک ساعت کے اخلاص میں ہمیشہ کی نجات ہے
جیسے کوئی انسان ایک وقت اخلاص کیساتھ کلمہ طیبہ پڑھ لیتا ہے تو وہ مسلمان ہو جاتا ہے اور ابدالاباد کے عذاب سے چھٹکارا
پالیتا ہے اور ہمیشہ کیلئے جنت کا مستحق ہو جاتا ہے اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک لمحے کے اخلاص کا یہ اثر ہے
تو جولوگ ہمیشہ اخلاص کو اختیار فرماتے ہیں انکے مراتب کا عالم کیا ہوگا

ایک عارف کا قول ہیکہ " علم بمنزلہ تخم " کے ہے اور عمل بمنزلہ کھیتی کے ہے اور اسکا پانی اخلاص ہے
چونکہ کھیت کیلئے بیج کا بھی ہونا ضروری ہے اور اس بیج سے کھیتی ہونے کی بھی ضرورت ہے اور کھیتی کیلئے پانی لازم
ہے ۔ گویا کہ علم و عمل اور اخلاص تینوں ضروری امور ہیں اور ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہوسکتے اگر علحدہ ہوئے
تو نفع حاصل نہیں ہوسکتا ۔ بہر حال علم کے ساتھ عمل اور عمل کے ساتھ اخلاص بھی لازمی ہے ورنہ علم و عمل کے
برکات کا حصول ممکن نہیں ۔

کیا ائمہ اربعہ کی تقلید پر اجماع ہوا ہے؟

مولوی محمد شرف الدین
متعلم کامل دوم جامعہ نظامیہ

تقلید کے معنی یہ کہ کسی شخص کو معتبر سمجھ کر اس کے قول و فعل کی پیروی بغیر طلب دلیل کی جائے۔ تقلید انسان کی فطری صفت ہے اور تمام کمالات کی تحصیل کا مبداء بھی یہی صفت ہے۔ جس انسان میں یہ صفت کمی کے ساتھ ہوگی کمالات میں نقص ضرور ہوگا۔ دیکھئے جب لڑکا کسی قدر سمجھنا شروع کرتا ہے تو ایک ایک چیز کا نام پوچھتا ہے اور اس کے ماں باپ یا مربی جو کچھ بتلادیتے ہیں اس کو تقلیداً مان لیتا ہے اور اگر اس میں تقلید کا مادہ نہ ہوتا تو حیوان ناطق ہی بننے سے محروم رہ جاتا ہے اور سوائے غائیں غائیں کرنے کے کوئی بات نہ کرسکتا۔ اسی طرح جب استاذ کے پاس جاتا ہے تو ایک ایک مسئلہ میں تقلید کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ تمام علوم سے محروم رہ جائے علی ھذہ پھر دین میں بھی تقلید کی ضرورت ہے چنانچہ حق تعالی فرماتا ہے کہ " ما اتاکم الرسول فخذوہ " یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرمادیں اس کو قبول کرلو جس کا مطلب یہ ہوا کہ چوں چرا کی اجازت نہیں۔ صرف آپ کے ارشاد کو بلا دلیل مان لیا کرو مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح کی نماز دو رکعت مقرر ہے کسی کو یہ پوچھنے کا حق نہیں کہ دو رکعت مقرر ہونے کی کیا وجہ اور قرآن میں کہیں اس کا ذکر بھی ہے یا نہیں۔

یہ بحث دوسری ہیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو تقلید کہتے ہیں یا نہیں۔ مگر صورۃً تقلید ہونے میں کوئی کلام نہیں اسی طرح صحابی نے جب کہدیا کہ " انما الاعمال بالنیات " تو تابعی کو یہ پوچھنے کا حق نہیں کہ اسکے حدیث ہونیکی کیا دلیل۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جس کی تقلید کی جائے وہ شخص معتمد علیہ اور راستباز ہو اسی وجہ سے محدثین کو رجال کی بحث کرنے کی ضرورت ہوئی جس سے مقصود یہ ہیکہ جو شخص ثقہ، عادل، صادق، معتمد علیہ ہو اسی کی تقلید کیجائے یہ بات قریب میں معلوم ہوگی کہ رجال کی جرح و تعدیل کا مدار تقلید ہی پر ہے۔

فقہاء کی تقلید کی ضرورت قرآن شریف سے بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ حق تعالی فرماتا ہے " یاایھاالذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم " یعنی اے مسلمانوں اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور ان اولی الامر کی بھی جو تم میں سے ہوں، اگرچہ اولی الامر کے معنی امراء کے ہیں مگر قرائن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اولی الامر سے مراد علماء فقہاء ہیں اسلئے کہ مقصود اس آیت شریفہ میں اطاعت خدا اور رسول اور اطاعت اولی الامر ہے اس مطلب کو ادا کرنا صرف حرف عطف سے ہوسکتا تھا۔ یعنی " اطیعوا اللہ والرسول و اولی الامر " سے مقصود معلوم ہوجاتا ہے۔ لفظ اطیعوا کو مکرر کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی مگر چونکہ کلام بلیغ میں خصوصاً کلام الہی میں کوئی لفظ بے کار نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ مقصود اس زیادتی سے کچھ دوسرا ہی ہے وہ یہ ہیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو کوئی ضمنی نہ

سمجھ لے اور یہ خیال نہ کرے کہ قرآن شریف میں جتنے احکام ہیں انہیں میں حضرت کی اطاعت ضروری ہے اس خیال کے دفع کر نیکے لئیے یہ تکرار لفظ اطیعوا مثلہ اطیعو اللہ کے مستقل طور پر اطیعو الرسول ارشاد ہوا جس سے مقصود یہ کہ جو کچھ حضرت فرمادیں خواہ وہ قرآن میں ہو یا نہ ہو سب مان لیں اور اطاعت کریں اور اس کے بعد اولی الامر کے ساتھ لفظ اطیعوا کا ذکر نہ ہوا۔ جس سے یہ بات معلوم کردی گئی ان کی اطاعت ضمنی ہے یعنی جو احکام حضرت فرمادیئے ہیں انھیں میں ان کی اطاعت کی جائے کیونکہ جو لوگ خلاف شرع حکم کرتے ہیں ان کے باب میں وارد ہے " و من لم یحکم انزل اللہ فاولیک ھم الفاسقون اور ھم الضالمون اور ھم الکافرون۔ اب اولی الامر کو یہ معلوم کرنا ضرور ہوا کہ ہم اس آیت شریفہ کی رو سے امور کے امر کرنے کے مجاز ہیں جنکی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ کل آیات واحادیث سے ایسے امور کا نکالنا جو واجب الاتباع ہیں فقیہ کا کام ہے غرضکہ اولوالامر کو ضروری ہوا کہ خود فقیہ ہوں یا فقہاء سے مدد لیکر امر کریں۔ بہرحال دونوں صورتوں میں اولی الامر کو اطاعت فقہاء ہی کی اطاعت ہوئی پھر اگر اطاعت کرنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ حاکم عالم نہیں تو مشتبہ امور میں ان کو ضروری ہو گا کہ علماء سے دریافت کریں کہ وہ امور واجب الاطاعت ہیں یا نہیں اور اگر وہ فتوی دیں کہ ان امور میں اطاعت نہیں تو ان کی اطاعت واجب ہوگی جس سے معلوم ہوا کہ فقہاء اور امراء کے اوامر متعارض ہیں تو اہل اسلام مامور ہیں کہ فقہاء کا امتثال امر کریں اور امراء کی اطاعت نہ کریں۔ جیسا کہ اس روایت سے بھی ظاہر ہے " عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا طاعۃ فی معصیۃ اللہ انما فی المعروف متفق علیہ کذافی المشکوۃ فی کتاب الامارۃ "

یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ نے معصیت میں کسی کی اطاعت درست نہیں اطاعت صرف انہی امور میں ہے۔ جو دین میں معروف ہیں۔

اب دیکھئے کہ امیر اور فقیہ کے اقوال متعارض ہونے کی صورت میں فقیہ کا قول جب واجب العمل ہو تو امراء اولو الامر ہوئے فقہاء اس وجہ سے اجلہ صحابہ اور تابعین کرام مثلاً جابر بن عبداللہ اور ابن عباس رضی اللہ عنھم اور عطا اور مجاہد اور ضحاک اور ابو العالیہ اور حسن بصری وغیرھم رحمہ اللہ نے اولی الامر کی تفسیر میں فقہاء اور علماء ہی لکھا ہے جیسا کہ تفسیر ابن جریر و ابن کثیر وغیرہ سے واضح ہے۔ کیوں نہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ نے علماء ہی کو اپنا جانشین قرار دیا جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے " عن الحسن ابن علی رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللہ علی خلفائی قیل و من خلفائک یا رسول اللہ قال الذین یحیون سنتی و یعلمون بھا الناس رواہ ابو النصر فی الامانۃ و ابن عساکر و فی معناہ رواہ الطبرانی والرامھر مزی و ابن ابی حاتم کذافی کنز العمال " یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی رحمت کرے میرے خلفاء پر کسی نے پوچھا آپ کے خلفاء کون ہیں یارسول اللہ فرمایا وہ لوگ میری سنت کو زندہ کرتے ہیں اور لوگوں کو سنت کی تعلیم کرتے ہیں۔ غرضکہ فقہاء کی اطاعت قرآن شریف سے بھی ثابت ہے اور احادیث سے بھی۔ اس وجہ سے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تمام شہروں میں حکم جاری کر دیا کہ جس باب میں فقہاء کا اتفاق ہو اس پر عمل کیا جائے۔ جیسا کہ اس روایت سے ثابت ہے جو دارمی میں ہے۔ " عن حمید قال قیل لعمر بن عبدالعزیز لو جمعت

علی شئی فقال مالیسو فی انهم لم یختلو اقال ثم کتب الی الافاق و الامصار یقضی کل قوم بما اجتمع علیه فقهائهم ۔ دیکھئے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جو تمام ممالک اسلامیہ میں عام حکم جاری کر دیا کہ فقہاء کے اقوال پر عمل کیا جائے اس سے انھوں نے ثابت کر دیا کہ اولی الامر جن کی اطاعت واجب ہے وہ صرف فقہاء ہیں حکام کو اس میں کوئی دخل نہیں ۔ ابن حزم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ تقلید کو حرام سمجھتے ہیں مگر فقہاء کی تقلید کے وہ بھی قائل ہیں جیسا کہ ان کی اسی عبارت سے ظاہر ہے جو الفصل فی الملل میں لکھا ہے ۔ " نعم ان التقلید لا یحل البتة و انما التقلید اخذ المرء قول من دون رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم فمن لم یامرنا اللہ عز و جل باتباعه قط و الا باخذ بل حرم علیناذا لک و نهانا عنه " یعنی اس میں شک نہیں کہ تقلید ہرگز حلال نہیں ۔ مگر تقلید اسی کا نام ہے کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایسے دوسرے شخص کا قول مان لیا جائے جس کی اتباع اور اس کے قول پر عمل کرنے کا حکم خدا نے کبھی نہ دیا ہو ۔

تقلید کے ثبوت کے بعد یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے تقلید صرف چار ائمہ ہی کی کیوں ان کے علاوہ اور بھی علماء و محدثین وغیرہم کی تقلید کیوں جائز نہیں ہے ۔ اس سلسلہ میں ان اکابر علماء کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں جو خود امام اور مجتہد کی حیثیت رکھتے ہیں اس کے باوجود انہوں نے تقلید کو اور صرف ائمہ اربعہ کی تقلید کو لازم گردانا ۔

قرآن میں ارشاد ہے " و من یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی و یتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولی و نصله جهنم ساءت مصیرا ۔ ترجمہ : اور جو شخص مخالفت کرے (اللہ کے) رسول کی اس کے بعد کہ روشن ہوگئی اس کے لئے ہدایت کی راہ ۔ اور چلے اس راہ پر جو الگ ہے مسلمانوں کی راہ سے تو ہم پھیر دیں گے اسے جدھر وہ خود پھرا ہے ۔ اور ڈال دیں گے اسے جہنم میں اور یہ بہت برا ٹھکانہ ہے ۔

اس آیت کریمہ میں مومنین کی مخالفت کو رسول اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کی مخالفت قرار دیا گیا ہے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین دونوں میں سے ہر ایک کی مخالفت کرنے والے کیلئے سخت وعید بیان کی گئی ہے ۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مومنین جس راستے پر چلتے ہیں اور جس طریقے کو وہ اختیار کرتے ہیں وہ باطل نہیں ہوسکتا ۔ یعنی مومنین کا راستہ حق کا راستہ ہے ۔ متعدد احادیث شریفہ سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے ۔ چنانچہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے " لا تجتمع امتی علی الضلاله " میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی ہے ۔

مذاہب اربعہ قرآن و حدیث کے عین مطابق ہیں اور ان کے اصول و قواعد و مسائل قرآن و حدیث سے مستنبط ہیں اور ان کی صداقت و حقانیت پر اور ان کی وجوب تقلید پر علماء صالحین اولیاء کاملین اور فقہاء نابغین کا اجماع ہے ۔

گیارہویں صدی ہجری کے محدث اعظم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب " الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف " میں تحریر فرمایا ہے ۔ " و اعلم ان الناس کانوا فی المائة الاولی و الثانیة غیر مجتمعین علی التقلید

لمذہب مجتہد بعینہ۔ و بعد المائتین ظہر فیہم التمذہب للمجتہدین باعیانہم و قل من کان لا یعتمد علی مذہب مجتہد بعینہ و کان ھذا ھو الواجب فی ذالک الزمان " پہلی اور دوسری صدی ہجری تک تو مسلمانوں میں تقلید مطلق رائج تھی اس کے بعد لوگوں نے کسی ایک مجتہد کو معین کر کے اسی کے مذہب پر عمل کرنے لگے اور تقلید شخصی رائج و شائع ہوگئی۔ اور اس زمانے میں یہی چیز واجب تھی چونکہ اس زمانے میں ایسے لوگ بہت کم تھے جو کسی ایک مجتہد کو معین کر کے اسی کے مذہب پر بھروسہ و اعتماد نہ کرتے ہوں۔ اسی طرح دسویں صدی ہجری کے فقیہ اعظم حضرت العلامہ الشیخ احمد بن ابو سعید ملاجیون رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تفسیرات احمدیہ کے صفحہ ۶۲۹ میں مذاہب اربعہ پر اجماع ہونے کے متعلق جامع و مانع بحث تحریر فرمائی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا اور مجتہدین کی تعداد سو سے بھی متجاوز ہے۔ اس کے باوجود اس بات پر علمائے امت کا اجماع ہیکہ تقلید صرف ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی جائز ہے لہذا اگر امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، شمس الائمہ وغیرھم کا قول ائمہ اربعہ کے خلاف ہو تو ائمہ اربعہ کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔ اور ان کے سواء کسی اور کی تقلید جائز نہ ہوگی۔ اسی طرح بعد میں آنے والا کوئی مجتہد خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو قابل تقلید نہیں شائد ان کا منشاء یہ قول ہے کہ جب کسی مسئلہ میں علمائے امت کی آراء مختلف ہوں تو جو قول ان تمام آراء کے خلاف ہو وہ یقینا باطل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مذاہب اربعہ ہی کی تقلید واجب ہونے اور ان پر اجماع ہونے کے متعلق اپنی کتاب الانصاف میں اس طرح تحریر فرمایا ہے۔ " اعلم ان فی الاخذ بھذہ المذاھب الاربعۃ مصلحۃ عظیمۃ و فی الاعراض عنھا کلھا مفسدۃ کبیرۃ " جان لو کہ ان چار مذاہب کو اختیار کرنے میں ہی بہت بڑی مصلحت ہے اور ان سے اعراض کرنے میں بہت بڑا فساد اور بڑی خرابی ہے۔ اس کے بعد شاہ صاحب قبلہ رحمہ اللہ نے مذاہب اربعہ کی صداقت و حقانیت اور ان پر اجماع ہونے کے اسباب و وجوہ کو بڑی تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے تین اسباب ہیں۔

(۱) پہلی وجہ۔ شریعت کو سمجھنے کیلئے اسلاف پر اعتماد کرنا باجماع امت ناگزیر ہے۔ لیکن اسلاف کے اقوال پر اعتماد اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے جبکہ وہ اقوال یا تو صحیح سند کے ساتھ ہم تک پہنچے ہوں یا مشہور کتابوں میں مدون ہوں۔ نیز ان اقوال پر اعتماد کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اقوال مخدوم ہوں یعنی بعد کے علماء نے ان اقوال پر شروح و توضیح کی خدمت انجام دی ہو۔ اگر ان اقوال میں کئی معنی کا احتمال ہو تو ان پر بحث کر کے راجح احتمال کو معین کیا گیا ہو۔ نیز بعض مرتبہ کسی مجتہد کا قول بظاہر عام ہوتا ہے لیکن اس سے کوئی خاص صورت مراد ہوتی ہے۔ (جسے اس کے مذہب کے مزاج شناس علماء سمجھتے ہیں) اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس مذہب کے اہل علم نے ایسی صورتوں کو واضح کر رکھا ہو اور اس کے احکام کی علتیں بھی واضح کر دی ہو۔ اور جب تک کسی مجتہد کے مذہب کے بارے میں یہ کام نہ ہوا ہو اس وقت تک اس پر اعتماد کرنا درست

نہیں اور یہ صفات ہمارے زمانے میں مذاہب اربعہ کے سوا کسی بھی مذہب میں نہیں پائے جاتے۔

(۲) دوسری وجہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" اتبعوا السواد الاعظم "یعنی تم سواد اعظم کی پیروی کرو۔ اور جب ان چار مذاہب کے سوا تمام مذاہب حقہ مٹ چکے ہیں۔ توانہیں چار مذاہب کی اتباع سوا اعظم کی اتباع ہے اور ان سے ہٹ جانا اور نکل جانا سواد اعظم سے نکل جانا ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر مذاہب اربعہ سے ہٹ کر کسی بھی مجتہد کے قول پر فتوی دینے کی اجازت دے دی جائے تو خواہشات نفس کی پیروی کرنے والے علماء سوء اپنے کسی بھی فتوی کو سلف کے کسی مشہور عالم کی طرف منسوب کردیں گے اور کہیں گے کہ یہ بات فلاں امام کے فلاں قول سے ثابت ہے لہذا جس امام کے اقوال کی تشریح وتوضیح میں علماء حق کی بڑی تعداد مشغول رہی ہو ان کے مذہب پر عمل کرنے میں تو یہ خطرہ نہیں۔ لیکن جہاں یہ بات نہ ہو (بلکہ کسی مجتہد کے اکا دکا اقوال ملتے ہوں) ہاں اس بات کا شدید خطرہ ہے (کہ اس مجتہد کی بات کو غلط معنی کالباس پہنا کر اس سے من مانی نتائج نکال لیئے جائیں گے)۔

صاحب درر المسائل نے تفسیر مظہری سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے " ان اهل السنة والجماعة قد افترقت بعد القرون الثلاثة على اربعة مذاهب و لم يبق فى الفروع مذهب سوى المذاهب الاربعة فقد انعقد الاجماع المركب على بطلان قول يخالف كلهم "

فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت قرون ثلاثہ کے بعد مذاہب اربعہ میں سما گیا ہے اور فروعی مسائل میں مذاہب اربعہ کے سواء کوئی مذہب برحق باقی نہیں رہا پس اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ مذاہب اربعہ کے مخالف جو بھی قول ہو وہ باطل ہے۔

صاحب مقیاس القیاس نے مذاہب اربعہ پر اجماع ہونے کے متعلق اسطرح تحریر فرمایا ہے۔

قال السيد الطحطاوى فى حاشية الدر المختار قال بعض المفسرين ان هذه الطائفة الناجية المسماة باهل السنة والجماعة قد اجتمعت اليوم فى المذاهب الاربعة هم الحنفيون والمالكيون و الشافعيون والحنبليون و من كان خارجا من هذه المذاهب الاربعة من ذالك الزمان فهو من اهل النار۔ مذاہب اربعہ ہی فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت ہے۔ مذاہب اربعہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہے اور جو شخص ان مذاہب اربعہ کی مخالفت کرے اور ان سے الگ ہوجائے تو وہ گمراہ اور دوزخی ہے۔

مذاہب اربعہ پر اجماع ہونے کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب " عقد الجيد فى احكام الاجتهاد و التقليد " میں یوں تحریر فرمایا " قال ابن حجر فى فتح المبين شرح الاربعين اما فى زماننا فلا يجوز تقليد غير الائمة الاربعة " پس ائمہ اربعہ کے سواء کسی اور کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے۔

صاحب خلاصہ التحقیق فی بیان حکم التقلید والتلفیق نے مذاہب اربعہ کی صداقت و حقانیت و اصابت اور ان کی وجوب تقلید

اور ان پر اجماع امت ہونے اور دیگر مجتہدین کی تقلید جائز نہ ہونے کے متعلق مدلل و مفصل بحث تحریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۔ مجتہدین تو بہت سے گذرے ہیں اور صحابہ تابعین اور اتباع تابعین کے مذاہب بے شمار اور ان گنت ہیں لیکن تمام ائمہ مجتہدین تمام ائمہ مسلمین کے متعلق ہمارا یہی عقیدہ ہیکہ وہ سب ہدایت اور حق پر ہیں لیکن اب ائمہ اربعہ کے مذاہب اربعہ کے سوا کسی اور مجتہد کے مذہب کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ دیگر مجتہدین کے مذاہب میں نقص ہے اور مذاہب اربعہ ان کے مقابل میں راجح ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دیگر مجتہدین کے مذاہب تحریری شکل میں مدون نہیں ہیں اور ان کے شروط و قیود نہیں معلوم ہوئے اور متواتر طریقے سے ہم تک نہیں پہنچے ۔ اگر مذاہب اربعہ کے سواء کوئی مذہب اس کیفیت کے ساتھ ہم تک پہنچتا تو ہمارے لئے اس کی تقلید جائز ہوتی لیکن مذاہب اربعہ کے سواء کوئی بھی مذہب اسطرح نہیں پہنچا ۔ اسی وجہ سے امام رازی رحمہ اللہ نے عوام الناس کو صحابہ کی تقلید سے منع کرنے پر محققین کا اجماع نقل کیا ہے ۔ اب جن مذاہب کی تقلید کرنا جائز ہے وہ صرف مذاہب اربعہ ہی ہیں ۔ اس لئے شریعت پر عمل کرنا صرف ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے مذہب پر عمل کرنے میں منحصر ہو گیا ہے ۔

نویں صدی ہجری کے فقیہہ بے مثال حضرت علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ اپنی کتاب " الاشباہ والنظائر " کے صفحہ ۱۰۸ پر مذاہب اربعہ پر اجماع ہونے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ۔ " الخامس مما لا ینقذ القضاء به ما اذا قضى بشئى مخالف للاجماع و هو ظاهر و ما خالف الائمة الاربعة مخالف للاجماع و ان كان فيه خلاف لغير هم فقد صرح في التحرير ان الاجماع انعقد على عدم العمل بمذهب مخالف للاربعة لانضباط مذاهبهم و انتشارها و كثرة اتباعهم " مذاہب اربعہ " کی حقانیت اور مذاہب اربعہ کی وجوب تقلید پر ساری امت کا اجماع ہو چکا ہے لہذا مذاہب اربعہ کے خلاف جو بھی قول اور جو بھی مذہب ہو گا وہ اجماع کے مخالف ہو گا اور جو مذاہب اربعہ کے مخالف ہو اس پر عمل نہ کرنے پر بھی اجماع ہو گیا ہے ۔ کیونکہ مذاہب اربعہ ضبط تحریر میں آچکے ہیں اور عام ہو چکے ہیں اور ان کے متبعین کی تعداد بہت زیادہ ہے ۔

بارہویں صدی ہجری کے عظیم مجدد دین و ملت شیخ الاسلام عارف باللہ مولانا محمد انوار اللہ فاروقی بانی جامعہ نظامیہ علیہ الرحمۃ و الرضوان نے اپنی کتاب حقیقۃ الفقہ حصہ دوم کے صفحہ ۱۳۴ پر مذاہب اربعہ پر اجماع ہونے کے متعلق اس طرح تحریر فرمایا ہے ۔

صرف چار ہی مذہبوں میں اختلاف منحصر ہو گیا اور علماء نے فیصلہ کر دیا کہ اب پانچواں مذہب ضرورت سے زائد ہے اس فیصلہ کا پرزور اثر یہ ہوا کہ یہی چار مذہب بالاجماع حق سمجھے گئے ۔

یوم میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی حیثیت

مولوی سید غوث احمد حسینی
کامل دوم جامعہ نظامیہ

دنیا کے تمام مذاہب میں تقاریب و تہوار منانے کا رواج رہا ہے۔ دنیا کی مختلف اقوام کے افراد اپنی اپنی تقاریب انتہائی مسرت و شادمانی سے مناتے ہیں۔ بالخصوص اسلامی اعیاد کی حیثیت و غرض ارفع و اعلیٰ ہے کیونکہ اسلامی اعیاد محض رسوم و رواج، لہو و لعب، اسراف و تبذیر سے موسوم نہیں ہیں۔ بلکہ ان اعیاد اسلامیہ میں اسلاف کے کارناموں اور اکابرین کے اعمال حسنہ کی اتباع اور شریعت پر عمل پیرائی کی مسرت کا اظہار اور اللہ کے حضور اس کی نعمتوں کا شکر بجالانا مقصود ہے۔ منجملہ ان میں ایک بارہ ربیع المنور کی عید ہے جس کو مؤمنان اسلام اپنے قلوب میں فرحت، ایمان میں تازگی، اعمال کی درستگی، درجات میں بلندی، قلوب میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیوستگی، سعادت دنیوی، نجات اخروی تعلق الٰہی کے لئے انتہائی مسرت وشادمانی کے ساتھ مناتے ہیں، جلسے و محافل منعقد کرتے ہیں، ناواقف عوام کو اسوہ حسنہ سے روشناس کرواتے ہیں، مولود پڑھتے ہیں، واقعات میلاد بیان کرتے ہیں، سرکار خیر الانام کی روح مطہر کے لئے ایصال و ثواب کرتے ہیں، ان تمام اعمال حسنہ و افعال خیر کو اہل اسلام سعادت دارین تصور کرتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ آیا انعقاد یوم میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم درست و جائز ہے یا نہیں؟ اللہ تعالی اپنے مقدس کلام میں ارشاد فرمارہا ہے کہ " وذکرھم بایام اللّٰہ " ترجمہ، اور تم ان کو اللہ کے دن یاد دلاؤ (سورہ ابراھیم، پارہ ۱۳، رکوع ۱۳، آیت ۵) اس میں کچھ شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ ہر دن اور کل زمانہ اللہ ہی کا ہے، اہل اسلام کا یہ یقین کامل ہے کہ " کل یوم من ایام اللّٰہ " پھر آیت مذکورہ میں وہ کونسا دن ہے جسکو یاد دلانے کا امر ہورہا ہے، آیت مذکورہ کی تفسیر! تفسیر مدارک جزء ثانی ص ۱۹۶ اور تفسیر جلالین شریف جزء اول ص ۲۱۸ میں ایام سے مراد اللہ کی نعمتیں بتلائی گئی ہیں۔ اور اسی طرح تفسیر خازن جزء ثالث ص ۰، میں حضرت رئیس المفسرین عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت مجاہد، اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنھم سے مروی ہیکہ "یعنی بنعم اللّٰہ" (اللہ کی نعمتیں) اہل ایمان جانتے ہیں کہ ایک ایسے وقت جبکہ دنیا میں ظلم و بربریت کا دور دورہ تھا، قتل وغارت گری، یتیموں کے اموال پر ناجائز قبضہ، بیواؤں پر طرح طرح کے مظالم کی انتہاء، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا اس وقت کے لوگوں کا اہم مشغلہ تھا، ساری کائنات بت پرستی، عیش کوشی، لذت کیشی، قمار بازی، دختر کشی، شراب نوشی، زناکاری کی بحر ظلمات میں مستغرق تھی، خدائے ذوالجلال کی وحدانیت سے لوگ ناواقف ہوکر اشیائے غیر ذی روح وغیرہ کو معبود حقیقی کے ساتھ شریک ٹہرا کر گناہ عظیم کے مرتکب ہوگئے تھے، بعض اقوام اللہ پر افتراء کرتے ہوئے حضرت مسیح وعزیر علیہما السلام کو ابن اللہ کہکر نار جحیم و عذاب الیم کے مستحق ہوگئے تھے، دریں وقت کائنات کو ھادی اعظم کی اشد ضرورت پڑنے لگی، جو اقوام عالم کو بحر ظلمات سے نکالکر ان کے قلوب کو ایمان وہدایت کے نور سے منور

کرے۔ لھذا اللہ تعالی نے سردار دو جہاں، خاتم پیغمبراں، باعث تخلیق کون ومکان، نبی انس وجان رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین حضرت احمد مجتبی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو نعمت عظمی بناکر مبعوث فرمایا۔ اللہ کی عظیم نعمت، امت بے رشد وہدایت کے لئے عظیم فضل، گناہ گاروں کے لئے عظیم رحمت آپ ہی ہیں۔ اور اللہ کی نعمت عظمیٰ، فضل ورحمت کبریٰ کے ملنے پر خوشی منانا چاہیے۔ " کما فی قولہ تعالی قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذالک فلیفرحوا " (سورہ یونس، پارہ ۱۱، رکوع ۱۰، آیت ۵۸) ترجمہ۔ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیجئے کہ اللہ کے فضل اور اسکی رحمت ملنے پر چاہیے کہ وہ خوشی منائیں۔ اس آیت شریفہ میں معنی حصر پایا جاتا ہے۔ اور خوشی اللہ کے فضل ورحمت پر ہی منحصر ہے۔۔ آیت مذکورہ کی تفسیر! " وقال صاحب الکشاف فی معنی الایۃ قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا " والتکریر للتاکید والتقریر، وایجاب اختصاص الفضل والرحمۃ بالفرح دون ماعداھما من فوائدالدنیا، والفرح: لذۃ فی القلب بادراک المحبوب و المشتھی یقال فرحت بکذا اذا ادرکت المامول " ترجمہ۔ اور صاحب کشاف علامہ زمخشری نے اس آیت شریفہ کی تفسیر میں یہ کہا کہ آیت مذکورہ میں لفظ کی تکرار تاکید اور تقریر اور خوشی فضل ورحمت کے ساتھ مخصوص ہونے کے وجوب کے لئے ہے نہ کہ دیگر فوائد دنیا کے لئے مرغوب اور پسندیدہ شئی کے حصول سے دل میں حاصل ہونے والی لذت کا نام فرحت ہے۔ جیسے فرحت بکذا یہ اس موقعہ پر کہا جاتا ہے جب کوئی مقصد کو پالیتا ہے۔

فان ابن عباس، والحسن، وقتادہ رضی اللہ عنھم قالوا فضل اللہ الاسلام ورحمتہ القرآن وقال ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ فضل اللہ القرآن ورحمتہ ان جعلن من اھلہ " حضرت ابن عباس، حضرت حسن، اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنھم نے فرمایا فضل اللہ سے مراد اسلام ہے اور رحمۃ سے مراد قرآن ہے اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا فضل اللہ سے مراد قرآن اور رحمت سے مراد یہ ہیکہ اس نے ہم کو اہل القرآن میں سے بنایا۔ (تفسیر خازن جزء ثانی ص ۳۰۲) اور اسی طرح تفسیر ضیاء القرآن جلد دوم ص ۳۰۹ میں قرطبی کے حوالہ سے مذکورہ قول نقل کرتے ہوئے یہ بھی وضاحت کی گئی کہ لوگ دنیوی جاہ وجلال، مال ومنال کے حصول بڑے خواہاں ہوتے ہیں، اور شب وروز اسی اڈھیر پن میں رہتے ہیں کہ زیادہ دولت کیسے کمائی جائے، بتایا جارہا ہے کہ جو نعمت انھیں قرآن کی شکل میں بخشی جارہی ہے وہ ان تمام چیزوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ جنکو جمع کرنے کے لئے وہ سرگراں رہتے ہیں، حصول نعمت پر اظہار مسرت حکم الہی ہے۔ سرور عالم کی ولادت نعمت عظمیٰ ہے اس پر جتنی خوشی کی جائے کم ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن جلد دوم ص ۳۰۹) آیت مذکورہ اور اسکی تفاسیر سے یہ بات فہم وادراک میں آرہی ہے کہ اللہ کا فضل اور اسکی رحمت دین وقرآن ہیں جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت اور آپکے تشریف آوری کے طفیل ہمکو نصیب ہوئے ہیں۔

کل آیات مذکورہ سے آپکے نعمت عظمیٰ، فضل ورحمت کبریٰ ہونے میں کچھ کلام نہیں۔ تو اس نعمت عظمیٰ ملنے کے دن کو بطور خوشی کے انعقاد کرنا کیونکر بدعت ہوگا؟

بدعت کی تحقیق: لغت میں "بدعت" بدع یبدع (ف) سے ہے جس کا معنی ہے کوئی شئی ایجاد کرنا، کوئی چیز بغیر نمونہ کے بنانا، ابتداء کرنا (المنجد) "کمافی قوله تعالی قل ماکنت بدعامن الرسل" اے حبیب فرمادیجئے میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں (سورہ احقاف، پارہ ۲۶۔ رکوع ۱۔ آیت ۹) اور اصطلاح میں بدعت کی پانچ قسمیں ہیں (۱) بدعت واجبہ جیسے قرآن پاک کی تفسیر کرنا اور احادیث شریفہ کی شرح کرنا (۲) بدعت مستحبہ جیسے دینی مدرسہ کا قیام، میلاد شریف کا انعقاد اور اس پر خوشی کا اظہار (۳) بدعت مباحہ، جیسے صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا (۴) بدعت مکروھہ جیسے مسجدوں کی نقش ونگار کرنا (۵) بدعت محرمہ، جیسے خارجیوں اور جبریوں وغیرہ کے مذاہب (ملخص از فصل الخطاب بین الخطا والصواب ص ۱۶ بحوالہ میلادالنبی ص ۸) صاحب کتاب حضرت سید السادات مولانا شاہ محی الدین عبداللطیف قادری رحمۃ اللہ علیہ نے قیام میلاد کو بدعت مستحبہ قرار دیاہے حضرت شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ نے اپنی مشہور تصنیف لطیف "بشری الکرام فی عمل المولود والقیام" میں تفصیل سے وہاں حرمین شریفین کے چشم دید حالات بیان کئے ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ۔

اہل حرمین کا یہ عمل متوارث تھا، اور قرون اولیٰ سے برابر چلا آرہاتھا، اور خلفائے راشدین کی سنت سے بھی ایساہی ثابت ہے "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین" ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔ النعمة الکبری علی العالم فی مولدسید ولد آدم" نامی کتاب میں (جو مملکت ترکستانیوں کی مطبوعہ ہے) صاحب کتاب حضرت علامہ محدث کبیر ابن حجر ہیثمی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خلفائے راشدین سے منسوب یہ ایمان افروز روایات نقل فرمارہے ہیں (۱) قال ابوبکر صدیق رضی اللّٰہ عنه من انفق درهما علی قراۃ مولد النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کان رفیقافی الجنة۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو کوئی مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات پر ایک درہم خرچ کرے گا وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا (۲) قال عمر رضی اللّٰہ عنه من عظم مولدالنبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فقد احیاء الاسلام۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس کسی نے مولدالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی اس نے اسلام کو زندہ کیا (۳) قال عثمان رضی اللّٰہ عنه من انفق درهما علی قراہ مولد النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فکانما شهد غزوہ بدر وحنین۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس کسی نے مولدالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرات پر ایک درہم خرچ کیا گویا وہ جنگ بدر وحنین میں حاضر رہا (۴) قال علی رضی اللّٰہ عنه من عظم مولد النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم وکان سببا لقراته لا تخرج من الدنیا الا بالایمان ویدخل الجنة بغیر حساب۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو کوئی مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرے اور اسکی قراءت کا سبب بنے وہ دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہوگا اور بفضل خدا بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا۔ (فصیح الکلام فی فضائل شفیع الانام ص ۲۷) اور حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات کا سمجھ کر ہر سال منعقد کرتاہوں، اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں (فیصلہ ہفت مسئلہ

بحوالہ میلاالنبی ص ۱۶) حضرت اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر روح البیان آیت کریمہ محمد رسول اللہ کے تحت ہ۔ ۶۶۱ میں ضبط تحریر ہیں کہ " ومن تعظیمه عمل المولد اذا لم یکن فیه منکر قال الامام السیوطی قدس سره یستحب لنا اظهار الشکر لمولده علیه السلام و قد استخرج له الحافظ ابن حجر اصلا من السنة و کذا الحافظ السیوطی و رد اعلی انکارها فی قوله ان عمل المولد بدعت مذمومة " ترجمہ۔ اور میلاد شریف کرنا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تعظیم ہے جبکہ وہ منکرات سے پاک ہو امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر اظہار تشکر کرنا متحب ہے ۔ مزید فرمایا کہ اور حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی رحمہما اللہ نے میلاد کی اصل، سنت سے ثابت کی ہے اور ان لوگوں کی تردید کی ہے جو میلاد شریف کو بدعت سیئہ کہکر منع کرتے ہیں (برکات میلاد شریف ص ۸) غور کیجئے کہ علامہ ابن حجر اور علامہ سیوطی رحمہما اللہ نے منکرین میلاد شریف کا انکار کیا ہے تو میلاد شریف کا مقام ومرتبہ کیا ہوگا ۔ حضرت ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فیوض الحرمین کے ص ۲۷ میں رقمطراز ہیں کہ میں مکہ معظمہ میں میلاد کے روز حضور علیہ السلام کے مولود مبارک میں تھا ۔ اس وقت لوگ آپ پر درود شریف پڑھتے تھے اور آپ کی ولادت کا ذکر کرتے تھے اور وہ معجزات بیان کرتے جو آپکی ولادت کے وقت ظاہر ہوئے تھے میں نے اس مجلس میں انوار و برکات دیکھے ۔ " فتاملت تلک الانوار فوجدتها من قبل الملئکة المتوکلین بامثال هذه المشاهد و بامثال هذه المجالس و رایت یخالطه انوار الرحمة "پس میں نے تامل کیا تو معلوم ہوا کہ یہ انوار ان ملائکہ کے ہیں جو ایسی مجالس مشاہد پر موکل ومقرر ہوتے ہیں ۔ اور میں نے دیکھا کہ انوار ملائکہ و انوار رحمت آپس میں ملے ہوئے ہیں (برکات میلاد شریف ص ۸) حضرت شاہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے میلاد شریف کی رفعت و عظمت ثابت ہورہی ہے ۔ اسے بڑھ کر اور کیا سعادت و خوشبختی کی بات ہوسکتی ہے کہ ہم انعقاد یوم میلاد مبارک کریں اور اس میں انوار رحمت و انوار ملائکہ کا نزول ہو اور ہم اس سے مستفیض ہوں ۔ وفقنا اللہ توفیقا رشیدا ۔ جیسا کہ حضرت شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ علیہ الرحمۃ نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف انوار احمدی کے صفحہ ۱۹ میں اپنے تخیلات و تفکرات سپرد قلم فرمارہے ہیں کہ ۔

ٹھرا کفارہ گناہوں کا جو ذکر اولیا — اور از قسم عبادت ہے جو ذکر انبیاء

پھر ہو ذکر سرور عالم کا کیا مرتبہ — جسکا ذکر پاک ہے گویا کہ ذکر کبریا

قولہ ٹھرا کفارہ گناہوں کا جو ذکر اولیا الخ ۔ حدیث شریف میں وارد ہیکہ " عن معاذ رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ذکر الانبیاء من العبادة و ذکر الصالحین کفارة و ذکر الموت صدقة و ذکر القبر یقربکم من الجنة فهو ۔ حدیث حسن لغیره کذافی الجامع الصغیر و شرحه سراج المنیر " ترجمہ ۔ روایت ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ذکر نبیوں کا ایک قسم کی عبادت ہے اور ذکر صالحین کا (

اولیاء اللہ) کفارہ ہے گناہوں کا ۔ اور ذکر موت کا صدقہ ہے ۔ اور یاد کرنا قبر کا نزدیک کرتا ہے تم کو جنت سے ۔ الحاصل جب اولیاء و سائر انبیاء علیھم السلام کا ذکر عبادت اور کفارہ گناہوں کا ہو تو سلطان الاولیا والانبیاء کا ذکر کس درجہ کی عبادت اور کفارہ گناہوں کا ہوگا ۔ یقین ہے کہ بحسب خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ایسی خصوصیت ہوگی کہ دوسرے میں ہرگز نہ ہوسکے ۔ مزید ص ۲۰ میں اپنا قول "جس کا ذکر پاک ہے گویا کہ ذکر کبریا" کی وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمارہے ہیں کہ " کمافی الشفا (و روی ابو سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ) کمافی صحیح ابن حبان و مسند ابی یعلے ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اتانی جبرئیل فقال لی ان ربی و ربک یقول تدری کیف رفعت ذکرک قلت اللّٰہ و رسولہ اعلم قال اذا ذکرت ذکرت معی قال ابن عطاء جعلت تمام الایمان بذکری معک وقال ایضا جعلتک ذکرا من ذکری فمن ذکرک ذکری " ترجمہ ۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جبرئیل علیہ السلام نے میرے پاس آکر کہا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ جانتے ہو کہ آپ کا ذکر میں نے کیسا بلند کیا ہے میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول جانتے ہیں ۔ کہا جس وقت ذکر کیا جاتا ہوں نہیں ذکر کئے جاتے ہو آپ میرے ساتھ ۔ ابن عطاء کہتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہیکہ ایمان کا تمام و کمال اس بات پر مقرر کیا کہ آپ کا ذکر میرے ذکر کے ساتھ ہو اور آپ کا ذکر میرا ذکر ہے ۔ اور اس حدیث کو تفسیر در منثور میں الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ علامہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے (انوار احمدی ص ۲۰ ۔ ۱۹) الغرض مذکورہ تمام اقوال سے روز روشن کی طرح اس بات کا ثبوت مل رہا ہے کہ انعقاد یوم میلاد مبارک میں رحمت، برکت، فضیلت، عبادت، نورانیت اور ذکر اللہ پنہاں ہے ۔ جو بھی اس سے مستفیض ہوا سعادت دارین سے مالامال ہوا ۔

کیا بارہ ربیع الاول بتعین یوم ہر سال کیا جاسکتا ہے: بخاری و مسلم کی حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرماکر مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو یہودیوں کو عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھ کر دریافت فرمایا کہ تم لوگ عاشورہ کا روزہ کیوں رکھتے ہو تو یہودیوں نے کہا کہ اس دن حضرت موسی علیہ السلام کو اللہ تعالی فرعون سے نجات عطا فرمایا اس خوشی میں ہم روزہ رکھتے ہیں پس آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا " نحن احق بموسی منکم فصامہ و امر بصیامہ " (حضرت موسی علیہ السلام کے تعلق سے ہم تم سے زیادہ مستحق ہیں پس آپ نے روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا امر صادر فرمایا) یہاں حضرت شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ علیہ الرحمۃ کا قول ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا جو مقاصد الاسلام حصہ اول ص ۴۵ میں ارشاد فرمارہے ہیں کہ شیخ الاسلام عسقلانی رحمۃ اللہ نے صوم عاشورہ سے جو استدلال کیا ہے اس میں غور کیجئے کہ باوجودیکہ حضرت موسی علیہ السلام کی کامیابی ایک معین عاشورہ میں ہوئی تھی مگر تمام سال کے ایام میں صرف اسی روز کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس نعمت کا شکریہ اسی روز مکرر ہر سال ادا کیا جائے ۔ جس سے ثابت ہے کہ لوگو واقعہ مکرر نہیں مگر اس کی برکت کا اعادہ ضرور ہوتا ہے ۔ جس کی دلیل یہ ہیکہ ہر دوشنبہ میں ابولھب کے لئے اسکی برکت کا اعادہ ہوتا ہے ۔

حضرت شیخ الاسلام الامام الحافظ شاہ محمد انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمۃ بانی جامعہ نظامیہ نے کنزالعمال کے حوالہ سے معرکۃ الآراء تصنیف مقاصد الاسلام حصہ اول ص ۴۱ میں ۔ اور حضرت شیخ التفسیر مولانا الحاج سید شاہ عبدالجبار صاحب قادری باقوی رحمۃ اللہ تعالی بانی دارلعلوم ضیاء الباقیات کڑپہ نے مواھب اللدنیہ کے حوالہ سے اپنی کتاب میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۲ میں تحریر فرمارہے ہیں کہ ثوبیہ جو ابولہب کی باندی تھی حضور علیہ السلام کی تولد کی مبارک بادی ابولہب کو دی جس کی وجہ سے مسرور و شاداں ہوکر ابولہب نے ثوبیہ کو اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے اشارہ سے آزاد کردیا ۔ ابولہب کے مرنے کے بعد کسی نے اس کو خواب میں دیکھا اور حال دریافت کیا تو ابولہب نے اپنے معذب ہونے کا حال بتلاتے ہوئے کہا کہ سوائے دوشنبہ کے ہر روز مجھ پر سخت ترین عذاب ہورہا ہے ۔ اور پیر کے دن عذاب میں تخفیف ہوتی ہے اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے پانی نکلتا ہے میں اس کو چوس لیتا ہوں تو طبیعت میں سکون و راحت یسر ہوتی ہے (مقاصد الاسلام ۔ میلاد النبی) اس واقعہ سے یہ بات فہم و ادراک میں آتی ہے کہ مؤمن تو مؤمن کافر بھی یوم میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفیض ہوتا ہے تو ہم غلامان مصطفیٰ کو کیسی کیسی سرفرازیاں نصیب ہونگی ہم گناہ گاروں کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ اللہ تعالی ہمارے گناہوں و خطاؤں کو درگذر فرماتے ہوئے بطفیل خیر الانام اپنے دیدار سے مستفیض فرمائے ۔ حضرت شیخ الاسلام فرمارہے ہیں کہ جب ایسا ازلی شقی جس کی مذمت میں ایک کامل سورہ تبت یدا ابی لھب نازل ہوئی ہے ۔ یوم میلاد شریف میں اظہار مسرت کی وجہ سے ایک خاص قسم کی رحمت کا مستحق ہوا وہ عین دوزخ میں تو خیال کیجئے کہ ہم امتیوں کو اس اظہار مسرت کے صلہ میں کیسی کیسی سرفرازیاں عطا ہونگی ۔ اس روایت سے یہ بات بھی علم و فہم میں آئی کہ آنحضور علیہ السلام کی ولادت شریف ایک معین دوشنبہ ہی کو ہوئی لیکن اس کے اثرات ہر پیر کے دن میں مستمر ہیں ۔ اور اللہ تعالی کس قدر خوش ہوا ہوگا ایک کافر کی اظہار مسرت پر کہ ہر ہفتہ میں پیر کے دن عذاب میں کمی اور اپنی جانب سے ایسا مادہ عطا کیا جس کی وجہ سے وہ پرسکون ہوجائے ۔ رسالہ اتمام النعمۃ الکبری علی العالم بمولد المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم میں حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ مولود شریف کی اصل خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور ہے ۔ مولود کی فضیلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس میں ارغام شیطان اور سرور اہل ایمان ہے (مقاصد الاسلام ص ۴۵) مزید استفادہ کے لئے پڑھئے حضرت شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ کی مایہ ناز اور معرکۃ الآراء تصانیف مقاصد الاسلام وغیرہ ۔ سہیل نے تقی بن مخلد کی تفسیر سے نقل کیا ہے کہ ابلیس چار مرتبہ دھاڑیں مار مار کر رو دیا تھا ، ایک اس وقت جبکہ اللہ نے اس کو ملعون ٹھرایا تھا ، دوسری مرتبہ اس وقت جبکہ اس کو جنت سے نکال کر زمین پر پھینک دیا تھا ، تیسری مرتبہ سرکار خیر الانام کی ولادت باسعادت پر اور چوتھی مرتبہ جبکہ اللہ نے سورہ فاتحہ نازل فرمائی (عربی سے ترجمہ البدایہ والنہایہ ج اجزء ثانی ص ۲۶۹ بحوالہ میلاد النبی) ۔ قارئین کرام تمام اقوال مذکورہ سے یوم میلاد شریف کا انعقاد بتعین دن ثابت ہورہا ہے اب آپ ہی تفکر فرمائیں کہ منکرین عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقام ہے ۔

علم باعث افتخار

مولوی حافظ محمد واجد پاشاہ قادری
کامل الحدیث سال اول

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قوموں کی تعمیر و ترقی ان کے اپنے افراد کی مرہون منت ہوتی ہے اور افراد اپنا یہ فریضہ اسی وقت بحسن و خوبی انجام دے سکتے ہیں جب کہ نظام تعلیم و تربیت ان کے انفرادی و اجتماعی تقاضوں کے مطابق ہو۔ تمام مسلمانوں کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہر میدان میں مشعل راہ ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں انہی کے اسوہ حسنہ سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

اللہ نے انسان کی تخلیق فرما کر اور اس کو علم سے نواز کر تمام مخلوقات پر تفوق عطا فرمایا ہے اور پھر انسانوں میں بھی درجات کے مساوات کے ساتھ ان لوگوں کو برتری عطا فرمائی جو علم و عمل کے پیکر اور باکردار ہوں۔ ایک بندہ مومن کے لئے تعلیمی شعبہ اور علمی میدان میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات اسوہ اور نمونہ ہے کیونکہ حضور کا ارشاد مبارک ہے "بعثت معلما"۔

علم باعث افتخار:۔ اسلام وہ تنہا مذہب ہے جس نے یہ تصور دیا کہ مخلوق میں انسان کو صرف اس لئے افضلیت ثابت ہے کیونکہ اسکو قوت تعلم و تعلیم دی گئی ہے اللہ تعالی کے پاس علم وہ واحد وسیلہ ہے جس سے انسان اپنے خالق کی معرفت کے مدارج طے کرسکتا ہے علم کے ذریعہ وہ اپنی ذات اور ماحول کا ادراک کرسکتا ہے علم کے ذریعہ وہ اپنی موجودہ اور آنے والی زندگی کی مکمل تیاری کرسکتا ہے۔ اللہ نے جب دنیا کی تخلیق فرمائی تو سب سے پہلے لوح و قلم کو پیدا فرمایا قلم اور اس سے لکھی گئی اشیاء علم کی نشاندہی کرتی ہیں اور اللہ کے نزدیک لکھنے کا یہ عمل اسقدر محبوب ہیکہ خدا نے اسکی قسم کھائی ہے ارشاد باری تعالی ہے " ن و القلم و مایسطرون"

ترجمہ: قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتا ہے۔ دنیا کی تمام مخلوق میں حضرت آدم علیہ السلام کو اسلئے فضیلت عطا کی گئی کے انہیں تمام چیزوں کا علم دیا گیا تھا باقی تمام مخلوق اس علم سے بے بہرہ تھی اور دنیا میں بھی علم کی بنیاد پر فضیلت و فوقیت کا سلسلہ شروع ہوا۔

علم اللہ تعالی کی صفت ہے:۔ اسلام میں اللہ تعالی کو ماخذ علم متصور کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کی اہمیت کا سب سے بڑا ذریعہ بھی اللہ ہی کی ذات ہے۔ اسمائے الہیہ اور صفات الہیہ کی درجات بندی میں علم کی صفت سب سے نمایاں نظر آتی ہے۔ اصطلاح علم اور اس کے مفہوم سے دیکھا جائے تو مندرجہ ذیل صفات سے صفت علم ہی مترشح ہے:

الخبیر: خبر رکھنے والا، باخبر، جاننے والا۔ العلیم: علم رکھنے والا اور خوب جاننے والا۔ السمیع: سننے والا۔ البصیر: دیکھنے والا۔ المتکلم: بولنے والا، ارادہ ظاہر کرنے والا۔ علام الغیوب: پوشیدہ چیزوں کو جاننے والا۔ الواجد: پانے والا، جس کے علم سے کوئی چیز گم نہیں۔ الشھید: موجودہ، حاضر، جس سے کوئی چیز چھپی نہیں۔ الحسیب: حساب کرنے والا (وزن مقدار)۔ المحصی: شمار کرنے والا

ان تمام صفات سے واضح ہوتا ہیکہ علم اللہ تعالی کی ایک اہم صفت ہے اس صفت کا حصول جو اللہ کی ذات میں بھی موجود ہو انسان کیلئے کس درجہ فضیلت اور سعادت کا باعث ہے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

علم انبیاء کو عطا کیا گیا:۔ علم اللہ تعالی کی صفت ہے اللہ تعالی نے اپنے پیغمبروں کو بھی اسی صفت سے نوازا ہے تمام ادوار اور اقوام میں مبعوث انبیاء کی نمایا خصوصیت علم ہے۔ انبیائے کرام میں علم کی منتقلی کا یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا جیسے کہ ارشاد ہے " وعلم آدم الاسماء کلھا " (سورہ بقرہ آیت ۳۱) اور اللہ نے سکھادیا آدم کو تمام اشیاء کے نام حضرت داؤد کے لئے قرآن میں واضح ارشاد ہے " وآتینہ الحکمۃ و فصل الخطاب " (۔ سورۃ ص) اور ہم نے بخشی انہیں دانائی اور (فیصلہ کن) بات کرنے کا ملکہ " یہ دونوں خصوصیات علم ہی وابستہ ہیں "۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس نعمت کا واضح اعتراف کیا اور علم کو ہر شئے کے حصول سے اعلی قرار دیا" وکلا آتینا حکما وعلما۔ سورۃ الانبیاء " اور ان سب کو ہم نے بخشا تھا حکم اور علم سے " واوتینا من کل شئی سببا " ۔ (سورۃ الانبیاء) اور ہمیں عطا کی گئیں ہر قسم کی چیزیں ۔ قرآن کریم کی ان مذکورہ بالا دو آیتوں سے تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت داؤد حضرت سلیمان علیہما السلام کو علم عطا کیا گیا تھا۔ بزبان کلیم اللہ علم کی قدر و منزلت کو اس طریقہ سے جتلایا ہے " اعوذ باللہ ان اکون من الجھلین " (سورۃ البقرۃ) اس آیت میں حضرت موسی علیہ السلام نے علم سے بے بہرا ہونے کی پناہ مانگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آیات میں اللہ نے علم کو بہت بڑی حرمت اور فضلیت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا " وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم " ۔

علم کا مقصد:۔ علم کا سب سے اولین مقصد اللہ تعالی کی اطاعت ہے اس مقصد کی تصدیق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے جسمیں آپ نے اللہ کی رضا کا تذکرہ فرمایا ہے ۔ (من تعلم علما مما یبتغی بہ وجہ اللہ لا یتعلم الا لیصیب بہ عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنۃ یوم القیامۃ یعنی ریحھا) جس نے اللہ کی رضا جوئی کے سوا علم کو دنیا کی کسی غرض کے لئے سکیھا اس کو قیامت کے دن جنت کو بو بھی نصیب نہ ہوگی۔ جس طرح اللہ تعالی تمام علوم کا سرچشمہ ہے اسی طرح علم کے تمام مقاصد میں اولین حیثیت اللہ اور اس کے رسول کی رضا و خوشنودی کو حاصل ہے ۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت معلم :۔ " وما اتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا (سورۃ الحشر) اور رسول کریم جو تمہیں عطا فرمادیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں رک جاؤ۔ اللہ تعالی نے ہر دور میں انسانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے انبیاء کرام مبعوث کئے تھے ۔ دنیا کا کوئی علاقہ یا قوم ایسی نہیں جہاں رہنے والوں کی فلاح و کامرانی کے لئے اللہ نے اپنے رسول نہ بھیجے ہو۔ اور ہر نبی کو انکے عہد اور علاقہ کی مناسبت سے مختلف اشیاء کا علم عطا کیا گیا۔ حضرت خضر فراست میں یکتا تھے، حضرت داؤد صنعت و حرفت کے بہت بڑے ماہر تھے، حضرت یوسف کو تعبیر خواب کے علم سے نوزا گیا تھا، حضرت مسیح کو علم طب میں ید طولی حاصل تھا، نبی اخر الزماں محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور تمام انبیاء میں منفرد مقام و امتیاز رکھتے ہیں اور ذات سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع علوم ظاہرہ و باطنہ سے سرفراز کیا گیا۔ خود حضور انور

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد ارشاد فرمایا ہے ۔ انما بعثت معلما۔ یعنی میں معلم بنا کر مبعوث ہوا ہوں۔

تاوان کے بدلہ علم :۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاعت علم اور اہمیت علم کی غرض سے جو اقدامات فرمائے ان میں نمایاں واقعہ غزوہ بدر کے قیدیوں کا ہے وہ کفار جو معرکہ حق و باطل میں قید ہو کر آئے ان میں پڑھے لکھے قیدیوں پر یہ تاوان لگایا گیا کہ وہ مسلمانوں کے بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں اور اسکے معاوضہ میں ان کی جان بخش دی جائے گی ۔ یہ حصول علم اور اکتساب علم کا وہ عظیم نمونہ تھا جسکی بنیاد خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی اسیران بدر سے علم سیکھنے والوں میں کئی مقتدر صحابہ کرام بھی شامل تھے ۔

قلم کی تقدیس :۔ قلم کے بغیر علم کا تصور بے معنی ہو جاتا ہے اسی حرمت اور تقدیس کے پیش نظر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسلمانوں نے اس سے استفادہ شروع کیا کئی صحابہ نے اسی لئے کتابت اور خوشنویسی میں مہارت حاصل کی اسی مہارت کی وجہ سے کئی صحابہ کاتب وحی کے اہم منصب پر فائز ہوئے جن میں مشہور اسماء ابی بن کعب اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما ہیں ۔

تعلیمات اسلامی کا سب سے پہلا مرکز دار ارقم :۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں موجودہ اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کی طرز پر تعلیمی اداروں کا وجود تو نہیں ملتا البتہ مکاتب اور مدارس موجود تھے دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دینی تعلیم کا سب سے پہلا مرکز دار ارقم تھا ۔ مکہ مکرمہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن مولود تھا اور آپ نے یہیں سے تبلیغ اسلام کا آغاز کیا اس سلسلے میں سب سے پہلا درس دار ارقم میں دیا گیا اسی نسبت سے در ارقم کو تعلیمات اسلامی کا سب سے پہلا مرکز ہونے کا اعزاز حاصل ہے ۔ یہ مکان مکہ میں کوہ صفا پر واقع تھا اور ابتدائی دور کے ایک مسلمان صحابی حضرت ارقم بن ابی الارقم کا تھا ۔ انہی سے منسوب ہونے کی وجہ سے اسے دار ارقم کہا جاتا ہے ۔ درس و تدریس کا سلسلہ اسی مکان میں تین سال تک جاری رہا ۔

صفہ باقاعدہ پہلا مدرسہ :۔ مسلمانوں کے پہلے باقاعدہ تعلیمی ادارہ کا قیام مسجد نبوی کی تعمیر سے ہوا اس مسجد سے ملحق چبوترے (صفہ) کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی کیونکہ تعلیمی اعتبار سے مسجد نبوی کو پہلی باقاعدہ درسگاہ اور اصحاب صفہ پر مشتمل طالبان علم صحابہ کرام کو اولیں استفادہ کنندگان ہیں ۔ اسکے علاوہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں جتنے تعلیمی ادارے تھے وہ مختلف مساجد سے متصل تھے مسجد نبوی میں سلسلہ تعلیم کے بعد رفتہ رفتہ کئی مساجد میں بھی تعلیم کا اہتمام شروع ہوا مساجد کو درسگاہ کی حیثیت دینے سے ایک تو تعلیم کی تقدیس و اہمیت کا پتہ چلتا ہے اور اس امر کی نشاندہی بھی ہوتی ہے کہ تعلیم کو عام کرنے اور اسمیں اضافہ کیلئے تعلیمی اداروں کی کمی کا مسئلہ بھی نہ رہے ۔ غرض یہ کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال رسول و اسوہ رسول سے یقیناً ایک مثالی اسلامی نظام تعلیم کا تصور ملتا ہے جسکی نظیر کسی مذہب اور اسکی تعلیمات میں نہیں ملتی ارشادات رسول کی روشنی میں تعلیم کا ایک ایسا ضابطہ ملتا ہے جسمیں طلبہ کا اساتذہ سے برتاؤ اور اپنے رفقاء سے تعلقات کا تعین کیا جاسکتا ہے ۔ مجموعی طور پر طلبہ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ میں آداب کے ایسے اصول ملتے ہیں جس سے تعلیم زیادہ سے زیادہ مفید ، پرمغز ، اور روحانی ہو جاتی ہے جس کو تا قیام قیامت کوئی مذہب یا قوم پیش نہیں کر سکتی ۔ وما علینا الا البلاغ

وسعتیں دی ہے خدا نے دامن محبوب کو

حافظ جی محمد رکن الدین انواری
کامل الحدیث سال اول جامعہ نظامیہ

تمام اہل محشر کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استغاثہ اور ان سے فریادرسی کی اپیل کرنا سب استغاثوں سے عظیم ترین استغاثہ ہے ۔ کیونکہ جس رنج و الم اور درد و کرب کا انہیں محشر میں سامنا ہوگا وہ اور کہیں نہیں ہوسکتا اور اس استغاثہ کے ذریعہ سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا جس قدر فضل و شرف حضرات انبیاء، مرسلین اور دیگر خلائق پر ظاہر ہوگا۔ وہ اور کہیں ظہور پذیر نہیں ہوسکتا اور آپ سے اس وقت شفاعت کی درخواست سے استغاثہ کا جواز اور اس کا نفع اور فائدہ بعد از وفات و وصال بھی واضح ہوتا ہے ۔ کیونکہ حالت حیات میں آپ کی ذات ستودہ صفات سے استغاثہ ثابت ہوچکا ہے اور بعد از وصال بھی ثابت ہوتا ہے ۔ اور علی الخصوص اہل محشر کا پہلے سادات رسل سے عند اللہ شفاعت کی التجا کرنا اور انکا معذرت ظاہر کرنا اور اس امر عظیم کو سید رسل شفیع کل حبیب کریم صاحب مقام محمود اور صفوت الانبیاء، اور مجتبی الرسل محبوب ترین خلق سیدنا محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کرنا جن حدیثوں میں مذکور ہے ان کا بیان اس مقام کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت رکھتا ہے ۔

حافظ منذری : "الترغیب والترھیب" کی فصل شفاعت میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی شفاعت سے متعلق احادیث بہت زیادہ ہیں جو صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں مذکور ہیں ، امام سبکی "شفاء السقام" میں فرماتے ہیں کہ شفاعت کے ضمن میں وارد احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے جن کا مجموعہ حد تواتر تک پہونچتا ہے اور تواتر سے مراد شفاعت سے متعلق کے معنی کا تواتر ہے ۔ نہ کہ کسی خاص لفظ سے مروی حدیث کا تواتر ، تواتر معنوی سنن و احادیث میں بکثرت موجود ہیں البتہ کسی خاص حدیث کا ازروئے لفظ متواتر ہونا بہت کمیاب ہے ۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیکہ رسول خدا علیہ التحیہ و الثناء نے ارشاد فرمایا میں قیامت کے دن لوگوں کا سردار ہوں اور ان کا ملجا و ماوی ، کیا تمہیں معلوم ہے وہ کیونکر ہے اللہ تعالی سب اولین و آخرین کو ایک ہموار میدان میں جمع فرمائے گا کہ دیکھنے والا سبھی اہل محشر کو دیکھ سکیگا اور ان کو بلانے والا سب تک اپنی آواز پہنچا سکے گا ۔ سورج لوگوں کے سروں کے قریب آجائے گا اور لوگوں کو اس قدر کرب و الم لاحق ہوگا جو ان کی قوت برداشت سے باہر ہوگا ، چنانچہ وہ باہم صلاح و مشورہ کریں گے کہ تم سب کو اپنی حالت زار معلوم ہے اور جس مصیبت و مشقت سے دوچار ہو وہ تمہاری نگاہوں سے
اوجھل نہیں ہے ۔ کیوں نہ کسی ایسے محبوب و مقبول بارگاہ خداوندی کو تلاش کریں جو اللہ تعالی کے ہاں شفاعت کریں ؟
سب سے پہلے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام اس کے بعد نوح علیہ السلام پھر حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہ والسلام اور حضرت موسی و عیسی علیہما السلام کی بارگاہوں میں پہونچ کر اپنی زبوں حالی اور طلب شفاعت کا استفسار کریں گے تمام انبیاء و رسل کا

ایک ہی جواب ہو گا کہ میرے رب کا غضب و جلال آج کے دن جس عروج پر ہے ایسا نہ کبھی پہلے غضب ناک ہوا اور نہ بعد ازاں ہو گا لہذا میں آج اپنی ذات کی فکر میں ہوں سب انبیاء و رسل کی امتیں اور ان کی اولاد روحانی و جسمانی یکے بعد دیگرے انبیاء و رسل کی بارگاہوں سے ناکام و نامراد لوٹنے کے بعد حضرت عیسی روح اللہ کے ارشاد اور رہنمائی کے مطابق خاتم الانبیاء والمرسلین کی بارگاہ میں حاضری دیں گے اور آپ سے عرض کریں گے اے محبوب خدا اور محمود خلق آپ اللہ کے رسول برحق اور پیغمبر آخر الزماں ہے اللہ نے آپ کے لئے آپ کے اولین اور آخرین کے گناہوں کی مغفرت کا اعلان کر دیا ہے اور آپ کو اپنی ذات کے غم و الم سے آزاد کر دیا ہے اور صرف دوسروں کے غم کھانے اور ان پر رحم فرمانے کے لئے مخصوص فرمایا ہے ہماری حالت زار اور پریشانی و سرگردانی آپ کی نگاہ اقدس میں ہے ہمارے لئے اپنے رب کریم کی جناب میں شفاعت فرمایئے اور ہمیں ان غموم و آلام سے نجات دلایئے ۔ سرور ہر دوسرا محبوب خدا علیہ التحیہ والثناء ارشاد فرماتے ہیں میں ان کی سفارش اور شفاعت اور فریاد رسی وہ مشکل کشائی کے لئے بارگاہ رب ذوالجلال میں حاضری دونگا حریم قدس میں داخل ہوتے ہی عرش اعظم کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤں گا، پھر اللہ کریم مجھ پر محامد و محاسن اور حسن و ثناء اور ستائش کے وہ خزائن منکشف فرمائے گا جو مجھ سے پہلے کسی پر منکشف نہیں ہوئے پھر ارشاد باری ہو گا اے محمد اپنا سر اٹھاؤ جو مانگو تمہیں دیا جائے گا اور جس کی شفاعت کرو قبول کی جائیگی میں اپنے سر کو سجدے سے اٹھاؤنگا اور عرض کرونگا اے میرے رب کریم میرے امت کی مغفرت و بخشش فرما میری امت پر نگاہ لطف و کرم فرما مجھے حکم دیا جائے گا۔ اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے ان افراد کو جن پر حساب و مواخذہ نہیں ہے جنت کے دروازوں میں سے دائیں دروازے سے جنت کے اندر داخل کردو آپ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں مجھے اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جنت کے دروازوں میں سے ہر دروازے کی دونوں جانب کا باہمی فاصلہ اور فراخی اس قدر ہے جس قدر کہ مکہ مکرمہ اور ہجر کے درمیان بعد از مسافت ہے یا مکہ مشرفہ اور بصری کے درمیان۔ نکات الحدیث۔ (۱) امام سبکی علیہ الرحمۃ "شفاء السقام" میں ارشاد فرماتے ہیں اللہ تعالی کی طرف سے امم و اقوام کو یہ الہام کیا جانا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بعد تشریف لانے والے تمام انبیاء علیھم السلام سے شفاعت کا سوال کرو اور ابتداء و آغاز میں نبی الانبیاء فخر المرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم سے سوال کرنے کا الہام نہ کیا جانا کس حکمت و مصلحت کے پیش نظر ہے ۔ "واللہ اعلم بحقیقۃ الحال" اگر اہل محشر پہلی مرتبہ اسی بارگاہ عالیجاہ میں حاضر ہو کر سوال کرتے اور فائز المرام ہو جاتے تو یہ گمان ہو سکتا تھا کہ دوسرے حضرات بھی اہل محشر کی حاجت روائی کر سکتے تھے مگر چونکہ ان سے سوال نہیں کیا گیا لہذا ان کی اس قدرت و طاقت اور قرب و منزلت کا ظہور نہیں ہو سکا مگر جب سب نے سوال و التجاء میں اپنی پوری کوشش اور جد و جہد کر دیکھی اور منزل مقصود تک رسائی کیلئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ جملہ رسل کرام اصفیاء باری اور اولو العزم ہستیوں سے سوال کر چکے اور انہوں نے اس مشکل امر میں کام آنے سے

مجبوری ظاہر کردی البتہ ان کی ہمدردی اور رہنمائی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا اور یکے بعد دیگرے مقربان بارگاہ خداوندی کی طرف رہنمائی فرمائے گئے حتی کے سائلین کا قافلہ اس سید کریم کی بارگاہ والا جاہ تک جا پہونچا اور اپنے مدعا اور مقصود تک واصل ہوگیا تو ہر ایک کو حبیب مکرم علیہ التحیہ والثناء کی بلندی مرتبت، رفعت منزلت، کمال قرب، کرم خداوندی پر اعتماد و ناز، ذات باری تعالی سے انس و تعلق، اور سب مخلوق رسل و انبیاء انسانوں اور فرشتوں پر آپ کا شرف و فضل معلوم ہوگیا

خلیل و نجی کلیم و مسیح سبھی سے کہی کہیں نہ بنی — یہ بے خبری کے خلق پھری کہاں سے کہاں تک ہمارے لئے

ایسے مقام و منصب پر فائز ذات والاصفات کو ہی سید الانبیاء اور سرور امم ہونا زیبا ہے

(۲) توسل و استغاثہ کا جواز۔ لوگوں کا اس روز انبیاء علیھم السلام سے شفاعت کی درخواست کرنا (حالانکہ اللہ تعالی اسی دن بلا حجاب سب اہل اسلام و ایمان کے سامنے ہوگا) توسل و استغاثہ کے جواز کی قوی اور واضح ترین دلیل ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ ہر گناہ گار کو اللہ تعالی کے مقرب ترین بندوں کا وسیلہ اختیار کرنا چاہیے اور یہ امر اتنا مسلم اور اجماعی ہیکہ اہل اسلام میں سے کوئی شخص اس کا منکر نہیں ہے

(۳) امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ امر عین ممکن ہے کہ انبیاء کرام علیھم السلام کو قطعی طور پر معلوم ہو کہ آج شفاعت کے مالک صرف اور صرف نبی آخر الزماں علیہ السلام ہیں اور ہر نبی کا اہل محشر کو دوسرے نبی کے طرف بھیجتے چلے جانا (بالخصوص سرور دوعالم علیہ السلام کی طرف رہنمائی نہ کرنا) اس عظیم مقام میں آپ کے شرف فضل کو ظاہر کرنے کے لئے ہے (شرح مواہب لدنیہ)

(۴) مقام توسل و استغاثہ میں صرف پانچ انبیاء کرام علیھم السلام کی تخصیص کرنا یعنی انہیں کے خدمت اقدس میں حاضر ہونا اور دوسروں کی بارگاہ میں حاضر نہ ہونے کی وجہ یہ ہیکہ یہ مقدس ہستیاں سب رسل و انبیاء سے مشہور ہیں اور ان کی شریعتوں پر عرصہ دراز تک عمل ہوتا رہا نیز حضرت آدم علیہ السلام جملہ انبیاء علیھم السلام اور نسل انسانی کے باپ ہیں حضرت نوح علیہ السلام گویا آدم ثانی ہیں اور حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام تمام مذاہب و ملل پر کاربند لوگوں کے نزدیک قابل مدح و ثناء ہیں اور بعد تشریف لانے والے جملہ انبیاء علیھم السلام کے باپ ہیں حضرت موسی کلیم اللہ علیہ السلام فخر مرسلین علیہ السلام کے علاوہ جملہ انبیاء کرام سے زیادہ امت کے والی اور مقتدا و پیشوا ہیں اور حضرت عیسی روح اللہ علیہ السلام کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان کوئی دوسرا نبی نہ تھا اور وہ اپ کی امت سے بھی ہیں اور پہلی دفعہ شفیع و مغیث کے طلب گار کو اس شفیع عاصیاں اور چارہ بے چارگان کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضری دینے کا الہام اس لئے نہ کیا گیا تاکہ آپ کا فضل عظیم اور مقام رفیع لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔

(۵) امام عبدالوھاب شعرانی حضرت شیخ محی الدین ابن العربی سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں (روز محشر ہر ایک کو معلوم

ہو جائے گا شفیع روز جزا کون ہے) سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کی خبر کیوں دی ہے کہ شافع اول بھی میں ہوں اور سب سے اول میری شفاعت ہی قبول ہوتی ہے یہ محض ہم پر شفقت عامہ اور رحمت تامہ کا اظہار ہے تا کہ ہم یکے بعد دیگرے انبیاء علیہم السلام کے پاس جانے اور ان سے نفسی نفسی کا جواب سن کر لوٹنے کی مشقت نہ اٹھائیں لہذا آپ نے ہمیں خدا داد رفعت و عظمت کی اطلاع دے کر یہ سمجھانا چاہا کہ ہم اپنی جگہ آرام و سکون اور راحت و اطمینان کے ساتھ کھڑے رہیں تا آنکہ محبوب کریم علیہ السلام کا وقت شفاعت آپہنچے ،اور آپ " انا لھا انا لھا " (میں ہوں شفاعت کیلئے میں ہوں شفاعت کیلئے اے شفیع اور فریاد رس کے متلاشیوں ادھر آؤ) کا اعلان فرمائے وہ لوگ جن کو یہ حدیث معلوم ہی نہ ہوگی یا معلوم تو ہوگی مگر اس اس وقت اس کو بھول جائینگے وہ تو لامحالہ مشقت و محنت میں بمتلا ہوں گے اور یکے بعد دیگرے مختلف انبیاء علیہم السلام کی بارگاہ میں حاضری دیں گے بخلاف ان مخلص امتیوں کے جن کو یہ حدیث معلوم ہوگی اور اس دن یاد بھی رہے گی وہ اس تھکان اور کوفت سے محفوظ رہے گے اللہ تعالیٰ اس جواد و کریم اور سراپا رافت و رحمت نبی پر درود و سلام بھیجے وہ اپنی امت پر کس درجہ شفیق و رحیم ہیں (الیواقیت والجواہر) (۶) سرور دوعالم علیہ السلام نے " ولافخر " کا جملہ مبارکہ زبان اقدس پر جاری فرمایا تو اس میں یہ وضاحت مقصود و مطلوب ہیکہ میں اولاد آدم کا سردار ہونے پر فخر و ناز نہیں کر رہا ہوں بلکہ میرے اس اعلان کا مقصد صرف تمہیں راحت پہونچانا ہے ،اور یکے بعد دیگرے انبیاء کرام کی خدمت میں حاضری کی مشقت سے بچانا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے میرے ساتھ اول شافع اور اول مقبول الشفاعت ہونے کا وعدہ کر رکھا ہے لہذا آپ کا اپنی رفعت و برتری اور فضل و شرف کا اظہار اس پاکیزہ غرض اور ارفع واعلیٰ غایت کے تحت ہے ۔ جیساکہ حدیث شریف ہے " قال صلی اللہ علیہ وسلم انا اول الناس خروجا اذا بعثوا، وانا خطیبھم اذا وفدوا وانا مبشرھم اذا یسوا لواء الحمد یومئذ بیدی وانا اکرم ولد آدم علی ربی ولافخری " (رواہ الترمذی۔ عن انس) ترجمہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب لوگوں کو روز قیامت اپنی قبروں سے اٹھایا جائے گا تو میں سب سے پہلے اپنی مزار اقدس سے نکلنے والا ہونگا اور میں ہی ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام کروں گا جب وہ جناب باری تعالیٰ میں سائل بن کر حاضر ہوں گے اور میں ہی ان کو مژدہ مغفرت و بخشش سنانے والا ہوں گا جب کہ وہ ناامید ہونے لگیں گے لواء حمد اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا میں تمام اولاد آدم اور نسل انسانی سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ معظم و مکرم ہوں گا اور انکشاف اور اعلان بطور فخر نہیں کر رہا ہوں (بلکہ بیان واقعہ اور تحدیث نعمت کے لئے) (اس روایت کو امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نقل فرمایا ہے)

اس طرح اور ایک حدیث میں اپ فرماتے ہیں۔ " قال صلی اللہ علیہ وسلم اناسید ولد آدم یوم القیامۃ واول من ینشق عنہ القبر واول شافع واول مشفع " (رواہ مسلم و ابوداؤد عن ابی ھریرۃ) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

سے روایت ہیکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں قیامت کے روز اولاد آدم اور نسل انسانی کا سردار ہوں سب سے پہلے حجاب قبر مجھ سے الگ ہو گا میں پہلا شفیع ہوں اور عنداللہ پہلا مقبول الشفاعت (مسلم شریف و ابوداؤد شریف) اور شفاعت کے تعلق سے سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں " قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم کل نبی سال سوالا او قال لکل نبی دعوۃ قد دعاھا لامتہ وانی اختبات دعوتی شفاعۃ لامتی " (رواہ البخاری ومسلم عن انس) ترجمہ ۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہیکہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کیلئے اللہ کی طرف سے ایک دعا کا اذن تھا (جس کی قبولیت اللہ نے اپنے ذمہ کرم پر لی تھی) جو انہوں نے دنیا میں ہی اپنی امت کے لئے استعمال فرمالیا اور میں اپنا حق دعا قیامت کے دن امت کی شفاعت کے لئے اٹھا رکھا ہوں (بخاری و مسلم)

" قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم انی لارجوا ان اشفع یوم القیامۃ عدد ماعلی الارض من شجرۃ و مدرۃ " (رواہ الامام احمد عن بریدۃ) ترجمہ ۔حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیکہ رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہیکہ قیامت کے دن روئے زمین کے جملہ درختوں پودوں ڈھیلوں اور پتھروں کی مقدار افراد امت کی شفاعت کر کے انہیں نجات دلا دوں گا (مسند امام احمد) ان احادیث میں آپ کے فضائل و مناقب جلیلہ اور مراتب و درجات رفیعہ کا بیان ہے ۔جن میں دوسرا کوئی نبی و رسول آپ کا شریک و سہیم نہیں اور یہ محض اللہ کا آپ پر فضل عظیم اور احسان عمیم ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء و مرسلین سے ازروئے عبودیت مخلص ترین ہیں اور ان میں من جمیع الوجوہ محبوب ترین ہے ۔

ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر　　　لیکن تیری رحمت نے گوارہ نہ کیا

جامعہ نظامیہ دینی و عصری علوم کے تناظر میں

مولوی محمد جسیم الدین نظامی
فاضل جامعہ نظامیہ

یہ ایک حقیقت ہیکہ اعلان حق، تبلیغ و ہدایت بہت ہی اہم کام ہے۔ لیکن یہ جتنا اہم ہے اس سے کہیں زیادہ مشکل و دشوار ہے۔ اسکی ترویج واشاعت کیلئے پرخار وادیوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ طرح طرح کے مصائب وآلام کو گلے لگانا پڑتا ہے تب کہیں جا کر تبلیغ کا کما حقہ حق ادا ہوتا ہے۔ لیکن ان تمام کھٹنائیوں سے گذر کر اس اہم فریضے کو انجام دینا صرف انہی حضرات کا نصیبہ ہے جنکو اللہ نے مخصوص صلاحیت اور ہمت سے نوازا ہو۔ پروردگار عالم اس اہم کام کیلئے اپنے مخصوص بندوں کو منتخب کرلیتا ہے۔ انہی مخصوص بندوں میں سے ایک روشن و تابندہ نام۔ حضرت شیخ الاسلام عارف باللہ مولانا حافظ محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ علیہ الرحمۃ والرضوان کا ہے۔ جنہوں نے ایسے وقت دعوت واصلاح کا بیڑہ اٹھایا جب دکن میں اسلام کی نبض ڈوب رہی تھی۔ نباض فطرت نے آپکو ایسا نبض شناش بناکر بھیجا تھا کہ جب بھی قوم کسی روحانی مرض میں مبتلا ہوئی، آپ نے فوراً اس کی رگ پہ ہاتھ رکھ کر مسیحائی کی۔ یوں تو دکن کی سرزمین ہمیشہ سے دینی علوم و فنون کا مرکز رہی ہے لیکن جیسے جیسے اسلامی حکومتیں غلط روی کا شکار ہوئیں، عام مسلمانوں میں دینی فقدان بڑھتا گیا، دینی تعلیم برائے نام رہ گئی اور غلط رسم ورواج نے فرض کی جگہ لے لی تھی، لادینیت اپنے پیر جمانے لگی تھی پامالئ حقوق شیوۂ زندگی بن چکا تھا ایسے پر آشوب حالات میں اللہ کے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خدا بانی جامعہ علیہ الرحمہ کو اہل دکن کی داخلی اور خارجی اصلاح کیلئے منتخب فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن امور کیلئے آپکو منتخب فرمایا تھا، یقینی طور پر اس سفیر انبیاء نے آخری وقت تک ان امور کی انجام دہی میں ذرہ برابر کوتاہی نہ فرمائی۔ آپ نے ایک منظم طریقے سے اصلاحی نظام قائم فرمایا، اصول و قوانین مرتب فرمائے، اور اصلاحی نظام کا ایک ایسی مستحکم بنیاد ڈالی، جو آپکے وصال کے بعد بھی قائم ہے، اور انشاء اللہ تاقیامت قائم رہے گی۔ یوں تو آپکے سینکڑوں کارنامے ہیں مگر آپ کے کارناموں میں جو سب سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے وہ یہ کہ آپ نے دین اسلام کی ترویج واشاعت کیلئے ۱۸۷۵ء میں جامعہ نظامیہ قائم فرما کر امت مسلمہ پر ایک عظیم احسان فرمایا۔ " طلب العلم فریضۃ " کے تحت، علوم دینیہ کا حصول ہر دور میں لازمی اور ضروری سمجھا جاتا رہا ہے۔ لیکن ایسے وقت میں جبکہ مسلمانوں کے اذہان و قلوب سے خوف خدا، اور عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہو۔ مغربی تعلیم کے ذریعہ مغربی تہذیب کو مسلمانوں میں پھیلایا جارہا ہو تو ایسے وقت دینی تعلیم کی اہمیت و فرضیت اور بڑھ جاتی ہے۔ ایک طرف انگریزوں کی گھناؤنی سازش کے ذریعہ " فرنگی تخیلات " کو مسلمانوں کے ذہن و فکر میں اتارنے کی ناکام کوشش، تو دوسری طرف مسلم نما افراد کی جانب سے " روح محمد اس کے بدن سے نکال دو " کے مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو مسلمانوں کے قلوب سے ختم کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ انہی حالات کے پیش نظر بانی جامعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے

ایک خالص "دینی ادارہ" کی بنیاد رکھی۔ جس کا بنیادی مقصد ڈاکٹر صوفی افسر الحق دہلوی سابق استاذ جامعہ نظامیہ کی زبان میں یہ تھا۔

تحصیل علم قرآں ہے مشغلہ ہمارا — درس حدیث و فقہ مقصود مدعا ہے

تکذیب کفر و باطل ہے ضابطہ ہمارا — توحید کی اشاعت تفویض ہے ہمارے

آپ کے اس بر وقت اقدام سے باطل افکار و نظریات کے پردے چاک ہونے لگے، اور شب و روز "قال اللہ وقال الرسول" کی صدائیں گونجنے لگی۔ آپ نے درس نظامی (جو حدیث فقہ، تفسیر، عقائد کلام، منطق و فلسفہ اور عربی ادب پر مشتمل ہے) کو تعلیمی نصاب قرار دیا۔ درس نظامی کی تکمیل کیلئے آپ نے جو درجے مرتب فرمائے وہ آج بھی جاری ہیں۔ مگر حالات سے ہم آہنگ کرتے ہوئے ارباب جامعہ نے نصاب تعلیم میں جو ترمیم کی ہے، وہ آگے بیان کروں گا۔ سر دست میں آپکو یہ بتاتا چلوں کہ درس نظامی کو (۱۶ سالہ کورس) چار مرحلوں میں تقسیم کیا گیا (۱) تحتانوی (۲) وسطانی (۳) فوقانی (۴) علیا۔

(۱) تحتانوی درجے میں بنیادی تعلیم مثلاً اردو زبان کی نوشت خواند، ناظرہ قران مجید، اور بنیادی مسائل شرعیہ وغیرہ۔ (۲) وسطانیہ درجہ میں دینیات اخلاقیات، سماجیات، صرف و نحو عربی اور فارسی کے علاوہ حساب تاریخ جغرافیہ اور سائنس وغیرہ (۳) تیرا مرحلہ فوقانیہ درجے کا ہے جس میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، عقائد کلام، و عربی ادب منطق اور فلسفہ وغیرہ پڑھایا جاتا ہے (۴) آخری مرحلہ علیا کا ہے اس میں تفسیر حدیث، فقہ کلام عربی ادب اور تاریخ اسلام میں سے کسی ایک مضمون پر طلباء کو تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ شعبہ تحفیظ القران الکریم سے بھی طلباء کی ایک کثیر تعداد استفادہ کرتی ہے۔ اس سلسلے سے ایک کڑی "شعبہ اہل خدمات شرعیہ" ہے جس میں مختلف موضوعات پر متعلقہ طلباء کو تعلیم دی جاتی ہے۔ اس تعلیمی سفر کے دوران طلباء کو ان مراحل سے گذارا جاتا ہے جس مقصد کیلئے ایک طویل سفر کرنا پڑتا ہے۔ آپ دیکھیں ارباب جامعہ نظامیہ صرف قانون سازی نہیں کرتے بلکہ عملی طور پر طالب علم کو اس قابل بناتے ہیں کہ جس کی ضرورت عصر حاضر کو ہے۔ طلباء نظامیہ کو مختلف مراحل سے گذار کر اس قابل بنا دیتے ہی ہیں کہ وہ وہ اپنے Theory کو Practicl زمانہ کے سامنے پیش کر سکے یعنی طلباء کو تعلیمی کورس کے علاوہ تربیتی مراحل مثلاً۔۔۔ دار التقریر، المنتدی العربی، دعوت و ارشاد جیسے شعبہ جات میں تربیت دی جاتی ہے تاکہ وہ قوم کے سامنے حق کا نقیب بنکر اپنے مافی الضمیر کو ادا کر سکے۔ اس سلسلہ کی اہم کڑی دعوت ارشاد ہے۔ جس کے تحت علماء جامعہ نظامیہ اور وہ طلباء جو مذکورہ بالا شعبہ میں ٹریننگ حاصل کئے ہو۔ شہر اور اضلاع میں وعظ و نصیحت اور ترویج دین اسلام کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ ارباب جامعہ کے ان تمام تر کاوشوں کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں ایسے علماء و فضلاء، صلحاء و مبلغین اسلام اور صحافی حضرات نکلے جس سے عالم اسلام کی ایک کثیر تعداد فیضیاب ہو رہی ہے۔ یہ تھی دینی تعلیم و تربیت کی ایک جھلک۔ جامعہ نظامیہ چونکہ اسلامی یونیورسٹی کی حیثیت سے جانا تا ہے۔ لہذا جامعہ نظامیہ میں اسلامی ریسرچ سنٹر بھی قائم ہے۔ جس میں کامل کامیاب طلباء جنہیں عربی زبان میں مہارت حاصل ہوتی ہے مختلف موضوعات پہ مقالے تحریر کرتے ہیں۔ یہ مقالہ جات منتخب علماء و شیوخ کے

زیر نگرانی دو سال کے مدت میں تکمیل کئے جاتے ہیں۔ مقالہ کی تصحیح تنقیح اور زبانی امتحان کے بعد جامعہ کے جانب سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی جاتی ہے۔ جامعہ کے اسلامی سنٹر سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والوں میں مولانا شیخ حسین (کویت) مولانا محمد یاسر القضمانی (کویت) ڈاکٹر فوادالبرازی (ڈنمارک) شامل ہیں۔ اور اب اختصار کے ساتھ عصری علوم کا بھی تذکرہ پیش خدمت ہے۔ دنیا چونکہ اب ۲۱ دیں صدی میں داخل ہو چکی ہے۔ اور اب اس دور میں وہی قوم اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ جو اپنے آپ کو حالات کے مطابق کرنے کا فن جانتی ہو۔ کوئی قوم جب اپنے اندر حالات سے مطابقت رکھنے کی قوت نہ رکھتی ہو ترقی پذیر قوموں میں شامل نہیں ہو سکتی۔ موجودہ دور چونکہ سائنس اور ٹکنالوجی کا دور ہے۔ اور ہماری تعلیم کا بنیادی مقصد دین اسلام کی ترویج و اشاعت ہے۔ ظاہر ہے جب ہم اپنے آپ میں عصر جدید کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت پیدا نہ کرلیں۔ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تاریخ شاہد ہے کہ نبض شناس علماء نے حالات کو ہمیشہ ملحوظ نظر رکھا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عیسائیوں تک اسلام کو پہنچانے کے معاملے میں ضرورت محسوس کی تو صحابہ کرام کو عبرانی زبان سیکھنے کی تلقین فرمائی۔ لہذا ارباب جامعہ نے وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے عصری تعلیم کو ایک منظم انداز سے شامل نصاب کیا۔ مثلاً تحتانوی تا وسطانوی جماعتوں میں شوشل اسٹڈیز، جنرل سائنس اور حساب لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل نصاب ہے۔ اور فوقانی جماعتوں میں شعبہ انگلش کا قیام ہے جس میں بااخلاق اور باصلاحیت اساتذہ کے زیر نگرانی انگریزی پڑھنے اور لکھنے کے علاوہ اسپوکن انگلش کی بھی مشق کروائی جاتی ہے۔ مہارت حاصل کے بعد کامل کے لئے کمپیوٹر لیب کا انتظام ہے تاکہ وہ عصر حاضر کے تمام لوازمات سے لیس ہو کر مذہب و ملت کی صحیح خدمات انجام دے سکیں۔ ارباب جامعہ نے دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم کے جو منصوبے تیار کئے ہیں اس کی ایک جھلک ہے ورنہ ابھی تو ارباب جامعہ کے سامنے "تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں" کے مصداق مختلف منصوبے ہیں جو بتدریج عمل میں آتے رہیں گے۔ یہاں یہ بات واضح کر دینا مناسب ہے کہ جامعہ نظامیہ میں عصری علوم ثانوی حیثیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ جامعہ کا بنیادی مقصد علوم دینیہ کے ماہرین اور قرآن و سنت کے حاملین پیدا کرنا ہے۔ جامعہ عصری علوم کے ایسے امتزاج کا قائل نہیں جو بنیادی مشن کو بھی متاثر کر دے۔

بہر حال جامعہ نظامیہ دینی و عصری علوم فنون کا ایک عظیم مرکز کی حیثیت سے جانا اور پہنچانا جاتا ہے۔ اور یہ مرکز عظیم اس محسن قوم و ملت کے خوابوں کا شرمندہ تعبیر ہے جنھوں نے اپنی پوری زندگی اس کی ترقی کیلئے وقف کر دیا تھا جامعہ کے در دیوار اس بات کی گواہی پیش کرتے ہیں کہ بانی جامعہ علیہ الرحمۃ حکومت کے اعلی عہدے پر فائز ہونے کے باوجود ایک لحہ بھی جامعہ سے غافل نہ ہوئے۔ شب و روز اس کی ترقی کیلئے کوشاں رہے۔ آپ کی اس بے لوث جدوجہد کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اس چمن علم و عمل میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں پھول کھلے جو نہ صرف مہکنا جانتے ہیں بلکہ مہکانا بھی جانتے ہیں اس چمن میں کھلا ہوا ایک پھول "ایک مستقل چمن" کی حیثیت رکھتا ہے۔ دنیا جسے ایک "فرد" سمجھتی ہے حقیقت میں وہ انجمن ہے۔

ادب علم وایمان کا وسیلہ

مولوی شیخ عبدالکلیم
متعلم فاضل سندی جامعہ نظامیہ

قال اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ " اولئک الذین امتحن اللّٰہ قلوبھم للتقوی " ترجمہ : اللہ تعالی نے انسان کو اشرف المخلوقات بناکر اسکے نظام حیات کیلئے کچھ اصول وقوانین مقرر فرمائے جن کو انبیاء علیھم الصلوۃ والسلام اس دنیا میں ان تک پہنچا تے رہے ۔ اللہ تعالی آخری نبی سیدالمرسلین وجہ تخلیق کائنات کو تمام مخلوقات کیلئے رسول بناکر بھیجا ۔ آپ ہی پر ان تمام اصول وقوانین کو مکمل کیا جن کو کل انبیاء زمانوں قوموں کے اعتبار سے وقتاً فوقتاً لاتے رہے ہیں۔

اللہ رب العزت نے انسانوں کو اسلام جیسی عظیم نعمت سے سرفراز فرماکر انسان کو اعلی درجہ پر پہنچا دیا۔

پھر اسلام نے انسان کو باکردار بنانے کیلئے ادب جیسے حسین زیور سے آراستہ فرمایا۔ ادب ہی سے انسان ، انسان بنتا ہے اسکے بغیر وہ حیوان سے بدتر ہوجاتا ہے ۔ غرض عبادات معاملات شادی بیاہ ، چلنا پھرنا ، اٹھنا بیٹھنا ، ملاقات کرنا ہنسنا بولنا ، سیر و سیاحت جو چاہے کرے مگر صرف اتنا ہے کہ ادب سے کرے ہر کام کچھ مدت میں ختم ہوجاتا ہے مگر ادب سے زندگی کا کوئی شعبہ نہیں چھوٹتا آدمی کے نیند سے بیدار ہونے سے لیکر اسکے آرام کرنے تک جتنے امور اس کو پیش آتے ہیں ان تمام امور میں ادب کا بڑا دخل ہے "ادب برائے ادب نہیں ، ادب برائے زندگی " آدمی ادب کے ذریعہ سے ضلالت سے ہدایت کی طرف ، تاریکیوں سے نور کی طرف ، کفر سے ایمان کی طرف آجاتا ہے ۔

ادب کے لغوی معنی ۔ " اصل الادب الدعاء الادب الظرف وحسن التناول " (حوالہ از تاج العروس) ادب اصل میں دعاء ہے اور ادب ظرف اور شائستگی کو کہتے ہیں ویسے تو اسلام نے ہر کام میں آداب مقرر کئے ہیں ۔ جیسے کھانے پینے کے اداب ، سونے جاگنے کے آداب ، چلنے پھرنے کے آداب ، بیٹھنے کھڑے ہونے کے آداب ، معاشرے میں پڑوسی کے ساتھ پھر ماں باپ ، بھائی بہن ، بیوی بچے ، عزیز و اقارب اسطرح ہر ایک کے ساتھ کچھ آداب ہیں ۔ یہ سب اپنی جگہ بہت بڑی اھمیت کے حامل ہیں ۔ مگر مذکورہ آداب ایمان کے میسر ہونے کے بعد ہی فائدہ دیتے ہیں کیونکہ ایمان ہی اصل الاداب ہے اور اللہ تعالی کی بے شمار نعمتوں میں سے ایمان ایک ایسی عظیم ترین نعمت ہے جس کا بدل نہیں تو ایسی عظیم نعمت بھی ادب ہی سے حاصل ہوتی ہے ۔ جو کوئی آداب کو ملحوظ رکھے اسکی تعریف وستائش کی گئی ہے اور اسے دنیا میں سرخروئی اور آخرت میں سرفرازی کی ضمانت دی گئی ، مغفرت واجر عظیم کا وعدہ کیا گیا جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا " اولئک الذین امتحن اللّٰہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرۃ و اجر عظیم " یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالی نے تقوے کیلئے خالص کردیا انہیں کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے ۔ یہ صرف اور صرف آداب ملحوظ رکھنے کا نتیجہ تھا اور اس عمل کا اخروی فائدہ یہ بیان کیا گیا ہے

کہ ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے ۔ اس آیت کی توضیح شیخ الاسلام عارف باللہ امام محمد انواراللہ فاروقی علیہ الرحمہ والرضوان نے اپنی کتاب "انوار احمدی" میں اس طرح فرمائی سبحان اللہ کس قدر رحمت و فضل الٰہی مودبوں کے لئے موجزن ہے اگرچیکہ گناہ گار ہو علاوہ مغفرت گناہ کے بہت بڑا ثواب کا وعدہ لیا جارہا ہے (شعر)۔

سرمائیہ ادب بکف اور کہ ایں متاع　　　　آنرا کہ ہست فیض ابد آیدش بدست

اس آیت شریفہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ادب ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہوسکتا یہ دولت ان لوگوں کے حصہ میں رکھی ہے جن کے دل امتحان الٰہی میں پورے اترے اور جن میں کامل طور پر صلاحیت تقوی کی موجود ہے (انوار احمدی صفحہ ۲۱۶ - ۲۱۷) ادب رشد و ھدایت علم و عرفان اور ایمان واستقامت کا سبب ہے ۔ ادب سے کبھی ایمان جیسی عظیم ترین نعمت بھی یسر ہوتی ہے ۔ پھر اس میں استقامت واستقلال کا مادہ پیدا ہوتا ہے ۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں ایک واقعہ نقل فرمایا جسکا ماحصل یہ ہیکہ جس وقت حضرت موسی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرعون سے مخاطب ہوکر اپنی رسالت کا دعوے کیا اللہ کی وحدانیت کا ذکر فرمایا اور جب رسالت پر دلیل کے لئے معجزہ پیش کیا ۔ فرعون اور اسکے ساتھیوں نے اسکو جادو کا نام دیا اور جب جادوگروں اور موسی علیہ السلام کے درمیان مقابلہ ہوا تمام جادوگر موسی علیہ السلام سے عرض کرنے لگے " قالوا یاموسی اما ان تلقی و اما ان نکون نحن الملقین " سورہ اعراف اے موسی آپ ڈالیں یعنی آپ اپنا کرتب بتائیں یا پھر ہم ڈالیں ۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں "خیروہ علیہ الصلاۃ والسلام بالابداء بالالقاء مراعاۃ للادب ولذلک قیل من اللہ علیھم بما من " یہاں پر جادوگروں نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ ادب واحترام کا معاملہ کیا پہلے آپ کو موقعہ دینے کی پیش کش کی اس ادب کا یہ اثر ہوا کہ اللہ تعالی نے انکو ایمان دیکر سب سے بڑا احسان کیا (حوالہ روح المعانی جلد ۵ صفحہ ۲۲۶) ۔ ادب ایک ایسی شئی ہے جس سے آدمی ایمان واخلاق جیسی پسندیدہ امور سے بہرہ ور ہوتا ہے صرف ایمان ہی نہیں بلکہ استقامت واستقلال جوکہ ایمان کے بعد ضروری و لازمی ہے ایسی عظیم نعمتوں سے بھی بہرامند ہوتا ہے اسی واقعہ میں تمام جادوگروں نے اپنا عجز کا اقرار کیا اور آپکے اتباع میں آکر ایمان سے مشرف و آراستہ ہوئے انکا موسی علیہ السلام کے آگے اپنا سر خم کرنے کو دیکھ کر فرعون غضب میں آیا اور انکو دھمکی دی اور سخت ترین اذیتیں اور سزائیں دینے کا اعلان کیا ۔ باوجود اسکے ان جادوگرو نے ایمان سے اپنا رخ نہیں پھیرا بلکہ استقلال کے ساتھ موسی علیہ الصلاۃ والسلام کے ہمراہ ہوگئے یہ ادب ہی تو ہے جسکی وجہ سے ایمان کی دولت بھی حاصل ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ استقامت واستقلال نصیب ہوا ۔ انسان کو کمال حاصل کرنے کے لئے ہر کام میں شائستگی اور سلیقہ سے کام لینا ہوگا ۔ اسکی بڑی مدح سرائی ہوتی ہے ۔ وہاں مسلمان نہیں تھے بلکہ کافر قوم تھی جنکو تہذیب وادب کیا چیز ہے ؟ اس سے کیا حاصل ہے ؟ اسکے کرنے سے کیسی نعمتیں اپنی جھولی میں آجاتی ہیں ؟ اسکا کوئی علم نہ تھا ۔ باوجود اس جہالت کے انہوں نے فطری تقاضے سے یہ معاملہ کیا جو اللہ تبارک وتعالی کو بہت پسند آیا اور اسکی بدولت ایمان جیسی عظیم نعمت انکے ہاتھ

آئی۔ اب بتائیے چند کفار کو ایک نبی کے ساتھ ادب سے پیش آنے سے یہ فیض یابی ہوئی غور کیا جائے کہ امت محمدیہ سید الانبیاء والمرسلین کی بارگاہ میں ادب بجالائیں تو کس طرح سر فرازیوں کی بارش ہوگی اسلام میں ادب کی بڑی اہمیت بتائی گئی ہے اسی لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو آداب کو ملحوظ رکھنے اور ہر کام کو کمال ادب کے ساتھ ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ اور اپنی اولاد کو با ادب و باکردار بنانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے جس کو جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالی عنہ نے روایت فرمائی " قال رسول اللّٰہ علی اللّٰہ علیہ وسلم لان یؤدب الرجل ولدہ خیر لہ من ان یتصدق الصاع " (رواہ الترمذی ج دوم ص ۱۶) ۔ یعنے آدمی کا اپنے لڑکے کے لئے ادب سکھانا ایک صاع خرچ کرنے سے بہتر ہے آپ ہی سے روایت ھیکہ " قال علیہ الصلاۃ والسلام ما نحل والد ولدا من نحلۃ افضل من ادب حسن " (رواہ الترمذی۔ ج دوم۔ ص ۹۱۶ ۔کوئی باپ کسی بھی فرزند کو حسن ادب سے بہتر کوئی تحفہ نہیں دیا۔ تمام اشیاء سے بہتر حسن ادب ہے جب تک انسان اسکا پاس ولحاظ نہیں رکھا تب تک وہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ ادب سے اسکی شرافت و بزرگی سمجھ میں آتی ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا " الادب خیر میراث " ادب بہترین سرمایہ ہے آداب سے انسان کی نسبی و حسبی شرافت اور اسکے بلند کردار و اخلاق نمایاں ہوتے ہیں جیسا کے کہا جاتا ہے " و لا حسب ارفع من الادب " ادب سے بڑھکر کوئی ذاتی حسبی شرافت نہیں بغیر ادب کے ذاتی شرافت کا تصور محال ہے اس میں انتہا درجہ کا ادب تواضع وانکساری کا اظہار فرما دیا اس سے آپکا کمال ادب سمجھ میں آتا ہے۔ حدیث پاک میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " حق الولد علی الوالد ان یحسن اسمہ ویحسن موضعہ ویحسن ادبہ " (حوالہ از عوارف المعارف ص ۱۳۷) لڑکے کا حق اپنے والد پر یہ ھیکہ اسکا نام اچھا رکھے اسکو اچھے مقام پر رکھے اور اسکو با ادب بنائے اور انسان کتنا بھی علم حاصل کرلے اگر اسکے اندر ادب کا فقدان ہو تو اسکا کوئی مقام و مرتبہ نہیں۔

اسی طرح کتنے بھی اعمال کرلے۔ ان اعمال میں آداب پیش نظر نہ ہو تو خدا تک رسائی مشکل ہے حضرت ابو علی الدقاق نے فرمایا کہ " العبد یصل بطاعتہ الی الجنۃ و بادبہ فی طاعتہ الی اللہ تعالی " بندے اپنی اطاعت سے جنت تک کی رسائی پالیتا ہے بندہ اپنی اطاعت میں ادب سے اللہ تک کی رسائی پالیتا ہے۔ ہمارے استاد محترم عمدۃ المحدثین شیخ الحدیث مولانا محمد خواجہ شریف صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ فرائض و واجبات چھوٹ جائے تو انکی تلافی ہو سکتی ہے مگر آداب چھوٹ جائے تو اسکی تلافی نہیں ہو سکتی۔ مثلا نماز میں کوئی فرض چھوٹ جائے تو نماز ہی نہیں ہوتی اور اسکا اعادہ کیا جاسکتا اسی طرح اگر واجبات چھوٹ جائیں اسکا اعادہ بھی ہو سکتا ہے اسکے برخلاف نماز کا کوئی ادب چھوٹ جائے تو اب اس ادب کو ادا کرنے کے لئے پھر نماز کو دہرایا نہیں جائیگا۔ اس لئے کہ اسکے فرائض و واجبات تو ادا ہو چکے ہیں آداب کی تلافی کرنا ممکن نہیں نماز تو ہو جاتی ہے مگر جو آداب چھوٹ گئے اسکی تلافی محال ہے اس لئے کہ آداب وہ اشیاء ہیں جنکی قضاء نہیں ہو سکتی ادب سے جس طرح انسان کو

ایمان کی دولت حاصل ہوتی ہے اسی طرح علم و عرفان بھی حاصل ہوتے ہیں ۔ جو شخص آداب سے آراستہ ہوتا ہے اللہ تعالی اسکو نعمت علم سے بھی سرفراز فرماتا ہے ۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہیکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے یہاں رات گذاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس رات کو انہی کے یہاں تھے آپ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پانی پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرمانے کے بعد نماز کے لئے کھڑے ہوئے ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی نماز کے لئے آپکے بائیں طرف کھڑے ہوگئے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکا کان پکڑکر اپنی بائیں طرف سے گھماکر اپنی دائیں طرف آپکو کھڑا کر دیا اور آپ پیچھے ہٹتے گئے آپ سامنے کھینچتے رہے آپ پھر پیچھے ہٹ گئے بعد از نماز آپ نے فرمایا کہ تم میرے ساتھ کیوں نہیں ٹہرے آپ نے عرض کیا ۔ " او ینبغی لاحد ان یصلی حذائک وانت رسول اللہ " کیا کسی کی مجال ہے کہ وہ آپ کے برابری میں نماز پڑھ سکے جبکہ آپ رسول اللہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوری ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے سینے سے چمٹا لیا اور فرمایا " اللهم علمه تاویل القرآن " (مسند احمد بن حنبل) یا اللہ ان کو قرآن کی تاویل کا علم عطاء فرما ادب ہی کی بدولت آپکو علم عطاء کیا گیا آپ رئیس المفسرین بن گئے ۔ امت میں سب سے بڑے مفسر ہونے کا شرف و اعزاز حاصل ہوا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپکو علم کا جلیل الشان منصب عطاء فرمادیا جو صرف ادب ہی کا ثمرہ تھا ۔ علم کی کئی قسمیں ہے ان میں حدیث علم فقہ علم سیاست ۔ علم ادب ۔ چاہیں دنیا کا ہو کہ دین کا یہ تمام علوم اپنی جگہ مسلم اور ایک حقیقت رکھتے ہیں مگر وہ علم جو کہ ان تمام علوم کو شامل ہے ایسا علم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی اس ادا کو پسند فرماتے ہوئے عطاء کیا ۔ وہ ہے کتاب کا علم قرآن میں حدیث ، فقہ ، ادب ، دینی و دنیوی تمام علوم مندرج ہیں ۔ یہ فیض یابی یہ سرفرازی صرف ادب ہی کے سبب سے ہے ۔ حضرت امام شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں " قال یوسف بن حسین وبالادب یفهم العلم وبالعلم یصح العمل وبالعمل تنال الحكمة و بالحكمة يقام الزهد وبالزهد تترک الدنيا ۔ و بترک الدنیا یرغب فی الاخرة برغبة فی الاخرة تنال الرتبه عند الله " ۔ یعنی ادب سے علم کو سمجھا جاتا ہے علم سے عمل درست ہوتا ہے عمل سے حکمت حاصل ہوتی ہے اور حکمت سے زھد آتا ہے زھد سے دنیا چھوٹ جاتی ہے اور دنیا چھوٹ جانے سے آخرت کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے آخرت کی رغبت سے اللہ تعالی کے پاس رتبہ مقام و مرتبہ حاصل کیا جاتا ہے (عوارف المعارف ص ۱۳۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں " الادب في العمل علامة قبول العمل " ۔ عمل میں ادب کا ہونا قبول عمل کی علامت ہے ادب کی اہمیت و افادیت بتاتے ہوئے شیخ الاسلام امام عارف باللہ حضرت انوار اللہ شاہ فاروقی علیہ الرحمہ و الرضوان (مقاصد الاسلام حصہ ۱۱ ص ۱) میں فرماتے ہیں کہ ہمارے دین میں ادب کی نہایت ضرورت ہے جب اھل اسلام میں کامل طور پر ادب رہا دن دگنی رات چوگنی ترقی ہوتی رہی چنانچہ بخاری

شریف کی ایک حدیث جو مشکوۃ شریف میں مذکور ہے ۔ کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ایک جماعت جہاد کریگی پوچھا جائیگا کہ آیا تم میں کوئی صحابی بھی ہے کہا جائے گا ہاں تو اس وقت انکو فتح ہوگی پھر ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ ایک جماعت جہاد کریگی پوچھا جائیگا کیا تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو صحابی کے ساتھ رہا ہو کہا جائیگا ہاں ۔ تب انکو فتح ہوگی پھر ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ ایک جماعت جہاد کرے گی پوچھا جائیگا کہ تم میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو ان لوگوں کو دیکھا ہو جنہوں نے صحابی کو دیکھا ہو کہا جائے گا ہاں تب انکو فتح ہوگی اس سے ظاہر ہیکہ صحابی کی برکت سے لوگ فتح یاب ہوا کرتے تھے جو کمال درجہ کے ادب داں تھے ۔ برخلاف اس زمانے کے بے ادبی اکثر لوگوں میں آگئی اس وجہ بجائے ترقی تنزلی روز فروں ہے اگر ہم اپنی حالت درست کریں تو کیا تعجب ہیکہ ہم پر فیضان الٰہی نزول کرنے لگے ماخوذ از مقاصد الاسلام حصہ یازدہم صفحہ ۱)

اور قرآن پاک میں اللہ تعالی فرمایا ہے "یایھا الذین امنو لاتقدموا بین یدی اللّٰہ و رسولہ" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ ل سلم کے سامنے پیش قدمی نہ کرو بعض علماء نے فرمایا ہے کہ علماء و مشائخ دین بھی اس حکم میں ہیں کیونکہ العلماء ورثۃ الانبیاء ہیں دلیل اس کی یہ واقعہ ہے کہ ایک دن ابو درداء رضی اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آگے چل رہے ہیں تو آپ نے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ تم ایسے شخص کے آگے چلتے ہو کہ دنیا و آخرت میں آفتاب کا طلوع و غروب کسی ایسے شخص پر نہیں ہوا جو انبیاء کے بعد ابوبکر سے بہتر وافضل ہو (روح البیان) اس لئے علماء نے فرمایا کے اپنے استاذ و مرشد کے ساتھ بھی ادب ملحوظ رکھنا چاہئے ۔ قول ملخص یہ ہیکہ موت وحیات کے تسلسل اور عروج و زوال کے واقعات میں ادب ایک قدر مشترک ہے ۔ فرد عام ہو کہ یا پھر طالب علم ہنر پیشہ افراد ہو پھر نظم ونسق کے مالک لوگ ہر ایک کو کامیابی و کامرانی کے لئے زیور افتخار سے آراستہ ہونے کے لئے بہر صورت ادب کرنا پڑتا ہے حتی کہ ایمان کا تمام تر دار مدار شاہ لولاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و تعظیم پر منحصر ہے ۔ اللہ تعالی ہم کو زیور ادب سے آراستہ فرمائے اور حمارے اساتذہ و مرشدین کے ساتھ ادب واحترام کا معاملہ کرنے کی توفیق عطاء فرمائے ۔

•••

ولایت کا مرتبہ

مولوی حافظ محمد خلیل الرحمن نوری
متعلم فاضل سندی جامعہ نظامیہ

اللہ تعالی کا بے انتہا فضل واحسان کہ اس نے ہمیں سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا اور ہم کو اپنے محبوب بندوں کو چاہنے والا بنایا۔ اللہ تعالی کے انعام یافتہ میں انبیاء علیہ السلام کے بعد صدیقین، شہداء، صالحین یہ تینوں اولیاء اللہ کے زمرے میں ہیں۔ نبوت کا مقام ولایت سے بہت اعلی وارفع ہے نبوت کسبی نہیں بلکہ وھبی و عطائی ہے اور اس کا دروازہ ہمارے آقا و مولی حضور صلی اللہ علیہ و الہ وسلم پر بند ہوچکا ہے۔ جبکہ ولایت کا دروازہ قیامت تک کھلا ہوا ہے۔ اور مقام ولایت کسبی بھی ہے اور وھبی و عطائی بھی۔ اگر یہ راستہ وھبی وعطائی ہے ساتھ کسبی نہ ہوتا اور اس کا دروازہ قیامت تک کھلا نہ رہتا تو اللہ تعالی اپنے بندوں کو " صراط الذین انعمت علیھم "کی دعا بار بار کرنے کا حکم نہ فرماتا۔

دور حاضر میں اولیاء کرام کے مراتب و فضیلت تو سارے عقل و ہوش رکھنے والے بیان کرتے ہیں اور ان کی کرامات اور فیضان کو بھی مانتے ہیں لیکن وہ جس راہ پر چلے اور جن شرائط کو قبول فرمائے اور جو ریاضت و مجاہدات سے گذرنے کے بعد اس عظیم مرتبہ پر فائز کئے گئے ان کو اپنانے کی فکر ہم میں کم ہی لوگ کرتے ہیں ایسا نہیں ہے کہ اللہ نے کسی ناممکن، تمام کے حصول کی دعا کا ہم کو حکم دیا ہو۔ حق یہ ہے کہ ولایت کا دور ختم نہیں ہوا قرآن تو "کونوا مع الصادقین" (سورۃ التوبہ ۱۱۸) کہہ کر ان کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے۔ اگر یہ خود موجود نہ ہوتے تو ان کے ساتھ ہونے کا حکم کیا معنی رکھتا ہے وہ تو تکلیف مالا یطاق کے ضمن سے ہوگا۔ جو "لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا" (سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۵) کے مغایر ہے

قرآن و حدیث میں جہاں اولیاء کرام کی فضیلت کو کھول کھول کر بیان فرمایا گیا ہے وہیں دوسری طرف ان عوامل پر بھی واضح طور پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کی بدولت یہ حضرات ان مراتب جلیلہ پر فائز ہوئے۔ ان کی فضیلت کو سمجھنے کیلئے یہاں صرف ایک آیت پیش ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے " ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین الشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقاذلک الفضل من اللہ واللہ ذوالفضل العظیم " (سورہ النساء آیت ۶۸۔۶۹) مبارکہ پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ حق تعالی نے اس آیت کریمہ میں اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کے بدلہ میں جنت یا نعمائے جنت کا ذکر نہیں فرمارہا ہے۔ بلکہ ان اولیاء کرام کی معیت و رفاقت کا وعدہ فرمارہا ہے اور نہ صرف ان کی رفاقت کا وعدہ کیا ہے بلکہ " وحسن اولئک رفیقا " کے ذریعہ داد تحسین پیش کررہا ہے اور تنبیہ بھی کیا ہے کہ میں نے جزاء کے طور پر جن کی رفاقت تم کو دیا ہوں اسکو اپنی کوششوں یا کسب کا نتیجہ نہ سمجھیں بلکہ " ذلک الفضل من اللہ " یہ ٹھیک فضل الہی ہے۔ ان اولیاء کرام کی رفاقت خود اتنے بڑے فضل الہی کی بات ہے تو پھر ان کا اپنا مقام اللہ کے

پاس کس قدر اعلی وارفع ہوگا۔ ان کی فضیلت کو سمجھنے کیلئے حدیث شریف کے یہ جملے کافی ہیں کہ ایک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "هم الجلساء يشقى جليسهم" (بخاری شریف ج ۲ ص ۹۴۸) ترجمہ: پس وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا کبھی بد بخت نہیں ہوتا اور ایک جگہ فرمایا " ذکر الصالحين كفارة " (الجامع الصغیر ص ۱۹) اولیاء کرام کے مقامات ومراتب کو سمجھنے کے بعد ہم ان عوامل پر مختصر روشنی ڈالیں جن کی بدولت یہ عظیم نعمت ان کے حصے میں آئی۔ قرآن جن الفاظ میں اولیاء کرام کی توصیف بیان کی ہے اور محقق اکابرین نے ان آیات کی جو عالمانہ تفاسیر بیان فرمائی ہے ان کے پڑھنے سے عوامل کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے " الا ان اولياء الله لا خوف عليهم ولاهم يحزنون الذين آمنوا وكانوا يتقون " (سورہ یونس آیت ۶۲ ۔ ۶۳) آگاہ رہو کہ اللہ کے اولیاء کو خوف ہے نہ رنج اور وہ ایمان وتقوی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ دیکھئے " لاخوف عليهم ولا هم يحزنون " والا جملہ اولیاء کی شان اور امتیازی خصوصیت کو بتلارہا ہے تو " الذين آمنوا وكانوا يتقون " والا جملہ ان عوامل کی نشاندھی کر رہا ہے جن پر کار بند ہیں اب ہم ہر ایک لفظ کی ذرا وضاحت کریں۔

ولی کے لغوی معنی قریب رہنے والا محبت کرنے والا دوست اور مدد گار کے ہیں، ولی کے اصطلاحی معنی۔ " الولى فى اصطلاح الصوفية من كان قلبه مستغرقا فى ذكر الله يسبحون الليل والنهار لا يفترون ممتليا بحب الله تعالى لايسع فيه غيره " (ضیاء القرآن ج ۲ ص ۳۱۳) اصطلاح صوفیہ میں ولی اس کو کہتے ہیں جو رات و دن بلا وقفہ یاد الہی میں مستغرق رہتا ہے اور اس کا قلب محبت الہی سے ایسا لبریز ہو کہ اور کی محبت کیلئے اس میں کوئی جگہ نہ ہو اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر کبیر میں ولی کے معنی قریب رہنے والا بتانے کے بعد فرماتے ہیں۔ " والقرب من الله تعالى بالمكان والجهة محال فالقرب منه انما يكون اذا كان القلب مستغرقا فى نور معرفة الله فان راى راى دلائل قدرة الله وان سمع سمع ايات الله وان نطق نطق بالثناء على الله وان تحرك تحرك فى خدمة الله وان اجتهد اجتهد فى طاعة الله فهنالك يكون فى غاية القرب من الله تعالى فهذا الشخص يكون وليا الله تعالى " (تفسیر کبیر للرازی ج ۳ ص ۶۰۱) اللہ کیلئے قرب باعتبار مکان وجہت کے محال ہے تو پھر یہاں اس سے قرب کے معنی یہ ہونگے کہ ولی کا قلب نور معرفت الہی میں اس طرح مستغرق ہو کہ اب وہ ولی دیکھتا ہے تو اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھتا ہے سنتا ہے تو اللہ کی آیات کو سنتا ہے بات کرتا ہے تو اللہ کی حمد وثناء کرتا ہے حرکت کرتا ہے تو اللہ کے حکم کی تعمیل میں حرکت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالی اس ولی کی شان میں آگے فرمایا ہے " لا خوف عليهم ولا هم يحزنون " ولی کو تو خوف وحزن کا ادراک ہی نہیں ہوتا۔ اسی بات کو امام فخرالدین رازی اپنی تفسیر (تفسیر کبیر للرازی ج ۳ ص ۶۰۸) میں فرماتے ہیں۔ ولی اللہ کی معرفت میں مستغرق رہتا ہے اور لمحہ بھر بھی ماسوی اللہ کا اس کو خیال پیدا نہیں ہوتا ایسی حالت ہی میں اسکو کامل ولایت نصیب ہوتی ہے۔ اور جب یہ حالت حاصل ہوتی ہے تو یہ کیفیت والے کو کسی چیز کا خوف ہوتا ہے اور نہ کسی شئی کا غم ہوتا ہے۔ اور کسی بھی شئی کا خوف وحزن اس کا

شعور رکھنے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالی کے جلالی نور میں غرق رہنے والا تو ماسوی اللہ سے غافل ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالی اولیاء کے عوامل کی طرف نشاندھی کرتے ہوے فرماتا ہے " الذین آمنو او کانوا یتقون " یعنی ولی کامل وہ ہیں جو اللہ پر پورا یقین بھی رکھتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے " انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللّٰہ و جلت قلوبھم و اذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایمانا و علی ربھم یتو کلون الذین یقیمون الصلوۃ و مما رزقنھم ینفقون " (سورہ الانفال آیت ۲۔۳) ترجمہ: مؤمنین اللہ کے ایسے بندے ہوتے ہیں کہ جن کے سامنے اس کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف الہی سے دہل جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اور یہ اپنے رب پر مکمل بھروسہ کرتے ہیں اور یہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو عطا کیا وہ ہماری ہی راہ میں خرچ کرتے ہیں

اس آیت میں اللہ تعالی مؤمنوں کی پہلی صفت " و جلت قلوبھم " فرمایا ہے اسکی تفسیر میں شیخ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر روح البیان میں رقم طراز ہیں " من ھیبۃ الجلال و تصور عظمۃ المولی الذی لا یزال و ھذا الخوف لازم لاھل کمال الایمان سواء کان ملکا مقربا او نبیا مرسلا اور مؤمنا تقیا نقیا و ھذا بخلاف خوف العقاب " (تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۳۱۲) ولی کا دل اللہ تعالی کی عظمت کے تصور وجلال کی ہیبت سے کانپ اٹھتا ہے جبکہ یہ ھیبت ہر کامل ایمان رکھنے والے پر لازم ہے چاہے وہ مقرب فرشتہ ہو کہ نبی مرسل ہو یا مؤمن متقی ہو اور ان کا یہ خوف عقاب والے خوف کے مغایر ہوتا ہے اور یہ خوف صرف اللہ کے ذکر سے ہی حاصل نہیں ہوتا بلکہ گناہ کو دیکھنے سے اور گناہ گاروں پر اللہ کے عذاب کے ذکر سے بھی حاصل ہوتا ہے پھر اللہ تعالی مؤمنین کی دوسری صفت " زادتھم ایمانا " فرمایا ہے اسکی تفسیر میں صاحب روح البیان اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا کاشفی صاحب کا قول نقل فرماتے ہیں۔ حقائق سلمی میں مذکور ہے کہ تلاوت قرآن کریم کی برکت سے مؤمن کے باطن میں نور یقین ظاہر ہوتا ہے اور مؤمن کے ظاہر میں اطاعت پیدا ہوتی ہے۔ بحر حقائق میں فرمایا ہے کہ ایمان حقیقی ایسا نور ہے جو تلاوت قرآن کریم کی وجہ بقدر تلاوت اس کی روشنی میں اضافہ ہوتا ہے پس جب قرآن ارباب قلوب پر تلاوت کیا جاتا ہے تو دل کی کھڑکیاں اسکی برکت سے کھل جاتی ہیں اور ایمان کے نور کا بڑا حصہ اس میں داخل ہو جاتا ہے اور تلاوت کرنے والا نور جمال میں غرق ہو جاتا ہے (تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۳۱۳)۔ اور جب بندہ ان صفات کا حامل ہو جاتا ہے تب اللہ تعالی ان کے سچے مؤمن ہونے اور ان کے لئے درجات و مغفرت اور رزق کریم کی بشارت سنا رہا ہے فرمان باری تعالی " اولائک ھم المؤمنون حقا لھم درجات عند ربھم و مغفرۃ و رزق کریم " (سورہ الانفال آیت ۴) یہ " الذین آمنوا " کی تشریح تھی اس کے بعد " و کانوا یتقون " کے بارے میں وضاحت یہ ہیکہ متقی کہ لغوی معنی بچنے والے کے ہیں تو معلوم ہوا کہ متقی اپنے آپکو اللہ تعالی کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے بچانے اور نفس سے جہاد کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ کی رحمت سے پر امید ہوتے ہیں جیسا کہ امام رازی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل فرماتے ہیں "

الذین یحذرون من اللہ العقوبۃ فی ترک ما یمیل الھوی الیہ ویرجون رحمتہ بالتصدیق بما جاء منہ " (تفسیر کبیر للرازی ج ۱ ص ۱۷۰) اس کے علاوہ صاحب تفسیر خازن حضرت علاء الدین علی خازن یہ قول نقل فرماتے ہیں " التقوی فی عرف الشرع حفظ النفس " (تفسیر خازن ج ۱ ص ۲۵) شریعت کی اصطلاح میں تقوی نفس کی حفاظت کا نام ہے ، کیونکہ نفس ہمیشہ برائی کا ہی حکم دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد مبارکہ ہے " ان النفس لامارۃ بالسوء " (سورہ یوسف آیت ۵۳) اور یہ نفس کا تعلق جسم سے اور قلب دونوں سے ہوتا ہے تو یہ نفس جب بھی کوئی گناہ کا حکم دیتا ہے تو متقی گناہ سے اپنے جسم اور قلب کو بچالیتا ہے جسم کے گناہ یہ ہیں جھوٹ ہے غیبت کا بولنا اور سننا ہے ، زنا اور شراب میں مبتلاء ہونا ہے کسی کو ناحق مارنا یا قتل کرنا ہے اور غیر محرم عورتوں کو دیکھنا وغیرہ ہے ۔ اور قلب کے گناہ غرور ، تکبر ، ریاء ، عجب ، سمعت ، حسد ، دنیا کی محبت ، وغیرہ ہے متقی جب اوامر کا پابند اور نواہی سے اجتناب کرنے والا بن جاتا ہے تب اللہ تعالی متقی کے اس پاک قلب کو اپنا مسکن بنالیتا ہے جیسا کہ روایت میں آتا ہے " قلب المؤمن عرش اللہ " مؤمن کا قلب اللہ کا عرش ہے اور یہ کب بنتا ہے ؟ جبکہ یہ قلب ماسوی اللہ سے پاک ہو اور متقی کا قلب ماسوی اللہ کی گندگیوں سے پاک ہوتا ہے اسی مفہوم کی چند تعریفات علی بن محمد الجرجانی اپنی کتاب التعریفات میں فرماتے ہیں " قیل ، ان یتقی العبد ماسوی اللہ تعالی ۔ وقیل مجانبۃ کل ما یبعدک عن اللہ تعالی و قیل ان لاتری فی نفسک شیئا سوی اللہ و قیل ترک مادون اللہ " (کتاب التعریفات ص ۶۵) اس اعتبار سے متقی اپنے قلب کی ہمیشہ حفاظت کرتے رہتا ہے کہ اگر اس قلب میں دنیا وما فیھا کی محبت آگئی تو اللہ تعالی کی رحمت سے دور ہو جائے گا ۔ قارئین کرام دیکھئے اولیاء اللہ کے مجاہدات اور ان کے عوامل جن کے ذریعہ وہ ولایت کسبی پر فائز ہوتے ہیں ، جب اس عظیم منصب پر فائز ہوتے ہیں تب اللہ تعالی ان سے راضی ہو کر فرماتا ہے " لھم البشری فی الحیاۃ الدنیا وفی الاخرۃ " (سورۃ یونس آیت ۶۴) ان کے لئے دنیا وآخرت میں بشارتیں ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالی ہم کو ولایت کسبی پر فائز ہونے کے لئے کہیں تو " کونوا مع الصادقین " کے ذریعہ حکم دے رہا ہے تو کہیں " فاسئل بہ خبیرا " فرمارہا ہے ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم کو اللہ تعالی صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا " وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون " (سورہ الذاریات آیت ۵۶) ولی کی زندگی اللہ اور رسول کے اطاعت میں ہی ہوتی ہے اس لئے ہم کو اس دنیا میں اولیاء کرام کے طریقہ پر زندگی گزارنا ہوگا جیسا کہ ہم صراط الذین انعمت علیھم کی دعا کر رہے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرماں بردار بنکر جینا چاہیے ۔ نہ کہ نفس اور شیطان کے غلام بن کر اگر ہماری زندگی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق ہوگی تو ہم ولایت کسبی کے عظیم منصب کو پائیں گے اور جب اس دنیا سے جائیں تو صرف ڈاکٹر یا انجینیر یا تاجر یا ملازم بن کر ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ایک ولی بنکر جائیں ۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ تعالی جیسا ہم کو اولیاء کا چاہنے والا بنایا اسی طرح ان کے زمرے میں شامل فرمادے " وما علینا الا البلاغ " ۔

واقعات میلاد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

مولوی حافظ محمد عظمت اللہ نعیم
متعلم فاضل اول جامعہ نظامیہ

جتنے انبیاء کرام اس دنیامیں مبعوث ہوئے اور جتنے جلیل المرتبت رسول تشریف لائے وہ سب خاندانی اور اعلی حسب و نسب کے مالک تھے ۔ قدرت نے ایسے بلند مرتبہ خاندانوں میں انہیں پیدا فرمایا جن کی عظمت و فوقیت کو اس دور کے لوگ نہ صرف تسلیم کرتے تھے بلکہ اپنے سے برتر و اعلی سمجھتے تھے ،حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے ۔ اللہ تعالی معاشرے میں سے بہترین افراد ہی کو نبی بناکر بھیجتا تھا ،حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا " ان اللہ اذا اراد ان یبعث نبیا نظر الی خیر اھل الارض قبیلة فیبعث خیر ھا رجلا " (الطبقات لابن سعد ۱۰-۲۵) بے شک اللہ تعالی جب ارادہ فرماتا تھا کہ نبی مبعوث فرمائے توزمین پر سب سے بہتر قبیلے پر نظر فرماتا تھا اور پھر اس کے بہترین آدمی کو نبی بناکر مبعوث فرماتا تھا) ۔ جہاں تک عرب کا معاملہ ہے تو خاندانی وجاہت اور نسبی شرافت کو کچھ زیادہ ہی اہمیت دی جاتی تھی ۔ اہل عرب اس بارے میں بڑے حساس واقع ہوتے ہیں ۔ سرور کائنات فخر موجودات ، صاحب لولاک ، امام الانبیاء ، نبی آخرالزماں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا وقت آیا تو آپ کو ایک ایسے معزز گھرانے میں تولد بخشا گیا جس کی شرافت و نجابت اور وقار و جلال کا سارے عرب میں شہرہ تھا سب اس خاندان کی خوبیوں اور نیکیوں کے گیت گاتے تھے ، سب بنوہاشم کو ایک ایسا گھرانہ مانتے تھے جو سخاوت و شجاعت ، علم وفضل ،تقوی و طہارت ، خلوص و ایثار ،عدل و دیانت ، استقلال وجرات اور صورت و سیرت مختصرا یہ کہ ہر اعتبار سے بے مثال ہے " لقد جاء کم رسول من انفسکم (التوبة ۹ : ۱۲۸) بے شک تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک عظیم رسول تشریف لائے ۔ انفس ۔ نفس کی جمع ہے لیکن اگر اسے انفس پڑھا جائے تو پھر یہ اسم تفضیل کا صیغہ بن جاتا ہے جس کا معنی ہے سب سے زیادہ نفیس ، چنانچہ ایک قرات میں انفسکم بھی آیا ہے ۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں " قرا النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقد جاء کم رسول من انفسکم بفتح الفاء وقال انا انفسکم نسبا و صھرا و حسبا لیس فی ابائی من لدن آدم سفاح کلنا نکاح (المواھب اللدنیہ ۱-۱۳) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور حرف " فا " کو زبر کے ساتھ " من انفسکم " پڑھا او فرمایا میں حسب و نسب اور خاندانی شرافت کے حوالے سے تم سب سے افضل ہوں میرے آبا و اجداد میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کوئی بھی بے راہ رو نہیں نکلا سب نکاح کرتے رہے ہیں

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا " وتقلبک فی الساجدین " (مازال تقلبک فی الساجدین) کا مفہوم یہ ہیکہ " النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتقلب فی اصلاب الانبیاء حتی ولدتہ امہ

(دلائل النبوۃ ۔ ابونعیم ۔ ۲۵) نور النبی صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کرام کی پاکیزہ پشتوں میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ آپ کی گرامی مرتبت والدہ کے ہاں آپ کا تولد ہوا ۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ان اللّٰہ خلق الخلق فاختار من الخلق بنی ادم و اختارنی من بنی ھاشم فانا من خیار الی خیار " (الحاوی للفتاوی للسیوطی ۲۰۰ ۔ ۳۶۹) (بحوالہ طبرانی ۔ بیہقی ۔ ابونعیم) بے شک اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو بنی آدم کو ساری مخلوق سے افضل منتخب کیا (اور اسی طرح جتنے جتنے) مجھے بنی ہاشم میں سب سے افضل منتخب کیا پس میں سب سے برگزیدہ لوگوں میں سے سب سے برگزیدہ لوگوں کی طرف پھر سب سے برگزیدہ لوگوں میں سے سب سے برگزیدہ لوگوں کی طرف (نسل در نسل) منتقل ہوتا ہوا آیا ہوں ۔ حضرت عبد اللہ ۔ " کان عبداللّٰہ احسن فتی یری فی قریش و اجملھم و کان نور النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یری فی وجھہ کالکوکب الدری حتی شغف بہ نساء قریش ولقی منھن عناء (سیرت حلبیہ ۔ ۳۸۱) حضرت عبد اللہ پورے قریش میں سب سے زیادہ حسین و جمیل نظر آنے والے نوجوان تھے نور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے رخ انور میں روشن ستارے کیطرح چمکتا تھا اسی وجہ سے قریش کی لڑکیاں ان کے ساتھ شادی کرنے کی آرزو مند تھیں اور حضرت عبد اللہ کو ان کی وجہ خاصی وقت کا سامنا تھا حضرت عبا المطلب اپنے بیٹے کے نکاح کیلئے سوچنے لگے ہیں توسب میدان میں آگئیں اور حضرت عبد اللہ کی خواستگار بن گئیں ۔ قریش کی خواہش مند دوشیزاؤں کے علاوہ ایک ایسی خاتون کا نام بھی ملتا ہے جو علم و فضل کا پیکر اور تقوی و طہارت کا مجسمہ تھیں ، راوی اس کا نام قبیلہ بنت نوفل یا فاطمہ بنت مر بتاتے ہیں ممکن ہے ایک ہی شخصیت ہو ۔ اس خاتون نے حضرت عبد اللہ سے کہا آپ کے فدیہ میں سو اونٹ قربان کئے گئے تھے ۔ میں اتنے ہی اونٹ دینے کیلئے تیار ہوں آپ مجھ سے نکاح فرمالیں ۔ مگر حضرت عبد اللہ راضی نہ ہوئے ۔ آپکی شادی ہوجانے کے بعد اس عورت نے وضاحت کردی ۔ اے عبد اللہ میں کوئی بد قماش عورت نہیں ، تمہاری پیشانی میں نور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تاباں دیکھا تھا صرف اس لئے آپ کی طرف مائل ہوئی تھی ۔ حضرت عبد المطلب کے سامنے اب سب سے اہم مسئلہ کسی موزوں لڑکی کی تلاش تھی ۔ یعنی یہ کہ بیٹے کی شان و حیثیت سے مطابق رشتہ کہاں سے لیاجائے ۔ آخر ان کی نظر مدینہ کی قبیلہ بنو زھرہ پر جاکر رکی ۔ قبیلہ بنو زھرہ کے نامور سردار " وہب " وفات پاچکے تھے ان کے بھائی وھیب اب ان کے جانشین اور پورے خاندان کے سردار تھے ان کی بھتیجی اور وہب کی باکمال و نیک بخت صاحبزادی حضرت آمنہ انہی کی زیر نگرانی اور زیر کفالت پرورش پارہی تھی ۔ جن کے عروج اور بخت و اقبال کے سامنے ہفت سماوات عاجز تھے اور قدرت نے ایک ایسے اعزاز کیلئے منتخب فرمایا تھا جو نہ کسیکو نصیب ہوا اور نہ آئندہ نصیب ہوگا ۔

چنانچہ عبد المطلب وہاں پہنچ گئے اور وھیب سے حضرت عبد اللہ کیلئے آمنہ بیٹی کی خواتسگاری کی ۔ اس رشتے کو وھیب نے بڑے فخر و انبساط کے ساتھ قبول کیا ، حضرت عبد اللہ نے شادی کے بعد حضرت آمنہ کے پاس صرف تین دن قیام کیا اور بعد

ازاں دستور عرب کے مطابق قافلہ تجارت کے ساتھ ملک شام روانہ ہوگئے شادی اوائل ماہ رجب میں پیر کے دن عمل آئی۔ انہی تین دنوں کے دوران وہ بابرکت گھڑی بھی آئی جب نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی گراں بار اور درخشاں امانت حضرت آمنہ کے سپرد ہوئی اور ان کی مقدس پیشانی اس نور سے جگمگا اٹھی جو حضرت عبداللہ کی پیشانی میں جلوہ گر تھا۔ مروی ہیک جس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کانور حضرت آمنہ کے بطن میں منتقل ہوا وہ شب جمعہ تھی۔ دستور قریش کے مطابق حضرت عبداللہ کو تجارت کی غرض سے قافلہ کے ہمراہ ملک شام جانا پڑا۔ سامان بیچا اپنا کام مکمل کیا واپس آرہے تھے کہ راستے میں بیمار پڑگئے جب مدینہ کے قریب پہنچے تو اپنے قافلے سے کہا میری طبیعت زیادہ خراب ہوگئی سفر جاری نہیں رکھ سکتا۔ یہاں اپنے اخوال بنو مخزوم کے ہاں ٹھر جاتا ہوں۔ آپ حضرت عبداللہ وہاں ایک مہینہ رہے۔ مگر صحت یاب نہ ہوسکے اور انتقال فرماگئے اپنے والد گرامی حضرت عبدالمطلب کے اخوال بنی عدی بن نجار کے ہاں مدفون ہوئے " اناللّٰہ و انا الیہ راجعون "

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے المصنف میں اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے " یارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بابی انت و امی اخبر عن اول شئی خلقہ اللّٰہ تعالی قبل الاشیاء قال یاجابر ان اللّٰہ تعالی خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ فجعل ذالک النور یدور بالقدرۃ حیث شاء اللّٰہ تعالی ولم یکن فی ذالک الوقت لوح ولا قلم ولا جنت ولا نار ولا ملک ولا سماء ولا ارض ولا شمس ولا قمر ولا جن ولا انس " ترجمہ۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالی نے کون سی چیز پیدا کی۔ اپ نے فرمایا۔ اے جابر اللہ تعالی نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کانور اپنے نور سے (نہ بایں معنی کہ نور الہی اس کا مادہ تھا بلکہ اپنے نور کے فیض سے) پیدا کیا۔ پھر وہ نور قدرت الہیہ سے جہاں اللہ تعالی کو منظور ہوا سیر کرتا رہا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا اور نہ بہشت تھی اور نہ دوزخ تھی اور نہ فرشتہ تھا اور نہ آسمان تھا اور نہ زمین تھی اور نہ سورج تھا اور نہ چاند اور نہ جن تھے اور نہ انسان۔

" فلما ارادا اللّٰہ یخلق الخلق قسم ذالک النور اربعۃ اجزاء فخلق من الجزء الاول القلم، من الثانی اللوح، ومن الثالث العرش تم قسم الجزء الرابع اربعہ اجزاء فخلق من الجزء الاول حملۃ العرش ومن الثانی الکرسی ومن الثالث باقی الملا ئکۃ ثم قسم الجزء الرابع اربعۃ اجزاء فخلق من الاول السموت ومن الثانی الارضین ومن الثالث الجنۃ والنار (المواہب اللدنیہ ،القسطلانی ۹:۱) (السیرۃ الحلبیہ للامام حلبی ۵:۱) (لزرقانی علی المواہب ۴۶:۱) ترجمہ۔ پس جب اللہ تعالی نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور یعنی نور محمدی کے چار حصے کئے۔ ایک حصے سے قلم کو پیدا کیا اور دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش کو پیدا کیا اور پھر چوتھے کے چار حصے کئے ایک سے حاملان عرش کو پیدا کیا دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی فرشتے۔ پھر چوتھے کے چار حصے کئے ایک سے آسمان کو بنائے اور دوسرے سے

کرسی اور تیسرے سے جنت اور دوزخ کو پیدا فرمایا۔

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ المواہب میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور الہی سے خلق ہونے کا معنی یہ نہیں کہ خود نور الہی اس نور کا مادہ تخلیق تھا۔ بلکہ مراد ہیکہ باری تعالی نے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا واسطہ اپنے تعلق ارادہ سے اپنے نور ذات کے براہ راست فیض کے ساتھ خلق فرمایا اور "من نورہ" میں اضافت تشریفیہ ہے۔ جیسے سیدنا آدم علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا "اذا نفخت فیہ من روحی" (جب میں آدم میں اپنی روح پھونک لوں تو تم سب اسکے سامنے سجدہ ریز ہوجانا) امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قلم، لوح عرش اور حاملان عرش کے بعد باقی ملائکہ کی تخلیق کے بیان سے صحیح مسلم کی اس حدیث کی وضاحت ہوجاتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے "خلقت الملائکۃ من نور" (ملائکہ نور سے پیدا کئے گئے ہیں) اسی طرح ابوالشیخ نے عکرمہ سے روایت کیا ہے "خلقت الملائکۃ من نور العزۃ" (ملائکہ نور عزت سے پیدا کئے گئے ہیں نور عزت کی اضافت بھی اسی طرح تشریفی ہے جیسے ابتداء میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "من نورہ" کے الفاظ میں نور الہی سے تخلیق ہونے کا تشریفا ذکر آیا ہے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیکہ "سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول انی عند اللّٰہ لخاتم النبین و ان آدم لمنجدل فی طینتہ "مسند احمد بن حنبل۔۱۲۷۔۱۲۸) (دلائل النبوۃ للبیہقی ۱۰،۸۰) (مستدرک للحاکم ۲۰، ۶۰۰) ترجمہ۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالی کے حضور (اس وقت) سے خاتم النبین قرار پاچکا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی خاکی تشکیل کے مرحلے میں تھے۔

حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔" انہ علیہ السلام کان قبل النشاۃ النعصریۃ (العرف الشذی علی جامع الترمذی۔۲۔۲۰۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم وجود عنصری پانے سے بھی پہلے نبی تھے اور دلائل النبوہ میں آیا ہے "کنت اول النبین فی الخلق و آخرھم فی البعث" (دلائل النبوۃ۔۱۲ میں خلقت کے اعتبار سے تمام انبیاء سے پہلا نبی ہوں اور بعثت کے اعتبار سے سب سے آخری نبی ہوں۔

خلاصہ کلام:۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم ملکوت سے عالم ناسوت تک کے سفر کا اجمالی خاکہ بڑے پیارے انداز میں بیان کردیا ہے مذکورہ بالا احادیث اور روایات کا خلاصہ یہ ہیکہ وہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جسے کائنات کے وجود اول کے طور پر باری تعالی نے ہر شئے سے قبل تخلیق فرمایا اور اسے غیر معلوم عرصہ تک اپنے حضور میں رکھ کر فیضیاب فرمایا پھر اسی نور مقدس سے عالم ارواح میں ارواح انبیاء فیض یاب ہوتی رہیں جب سلسلہ بشریت کا آغاز ہوا تو اس نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا آدم علیہ السلام کی پشت مبارک میں بطور امانت رکھ دیا گیا یہاں سے اس عظیم نور کو عالم ملکوت سے عالم بشریت میں منتقل کردیا گیا اور اس کا ناسوتی سفر شروع ہوا جو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی

مبارک گود میں آکر اختتام پذیر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یہ ایک منفرد نورانی ولادت تھی جس میں عجیب واقعات اور انوار و تجلیات کا ظہور ہوا حوران بہشت کے ہمراہ حضرت آسیہ اور حضرت مریم رضی اللہ عنہما تشریف لائیں اور جشن ولادت میں شرکت کے ساتھ اپنی موجودگی سے حضرت آمنہ کو دلاسا دیا کہ وہ ایک بہت ہی عظیم و بے مثال ہستی کی ماں بننے کا شرف حاصل کرنے والی ہیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا اپنا قول ہے " رایت نسوۃ کالنخل طوالا کانھن من بنات عبد مناف یحدقن بی ما رایت اضوا منھن وجوھا و کان واحدۃ من النساء تقدمت الی فاستندت الیھا و کان واحدۃ تقدمت الی و ناولتنی شربۃ من من الماء اشد بیاضا من اللبن والبرد من لثلج واحلی من الشھد فقالت لی اشربی فشربت ثم قالت الثانیۃ ازدادی فازددت " (زرقانی علی المواھب۔۱۔۱۱۲) (الانوار المحمدیہ۔۳۳)

ترجمہ۔ میں نے کھجور کی طرح لمبی خواتین کو دیکھا جیسے قبیلہ عبد مناف کی عورتیں ہوتی ہیں۔ انہوں نے مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا میں نے ان سے زیادہ روشن چہرے والی خوبصورت عورتیں نہیں دیکھیں ان میں سے ایک آگے بڑھی میں نے اس کے ساتھ ٹیک لگادی۔ پھر دوسری آگے بڑھی اس نے پینے کیلئے ایک پاکیزہ مشروب پیش کیا جو دودھ سے زیادہ سفید برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا اور بولی پی لو۔ میں نے پی لیا دوبارہ بولی اور پیو میں نے اور پیا حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ میرے استفسار پر ان خوبصورت عورتوں نے مجھے بتایا کہ وہ حضرت آسیہ و حضرت مریم رضی اللہ عنہما ہیں اور ان کے ساتھ جنتی حوریں ہیں (الانوار المحمدیہ النبہانی ص ۳۳۔ الیسرۃ النبویہ۔ دحلان)۔

اسی طرح حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا خود اپنا مشاہدہ بیان فرماتی ہیں " لما ولدتہ خرج منی نور اضاء لہ قصور الشام فولدتہ نظیفا " (طبقات ابن سعد ۱۔ ۱۰۲) ترجمہ۔ ولادت کے وقت میں نے محسوس کیا کہ ایک نور مجھ سے خارج ہوا ہے جس کی روشنی میں شام کے محلات بھی نظر آنے لگے بوقت ولادت آپ بالکل پاک صاف تھے۔

مقاصد الاسلام حصہ اول میں شیخ الاسلام الحافظ محمد انوار اللہ علیہ الرحمہ نے لکھا ہے اب سنیئے کہ معنوی اور اصل نور کے طلوع کے وقت عالم غیب و شہادت میں کس قدر اہتمام ہوا تھا۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت کی ولادت باسعادت کے وقت مجھ سے ایک ایسا نور نکلا کہ اس سے تمام عالم منور ہوگیا۔ چنانچہ شام کے مکانات مجھے نظر آنے لگے۔ عثمان ابن ابی العاصی کی والدہ جو میلاد شریف کی رات حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھیں بیان فرماتی ہیں کہ قبل ولادت شریف گھر میں جدھر میں نظر ڈالتی تھی نور ہی نور نظر آتا تھا اور اس وقت ستاروں کی کیفیت یہ محسوس ہو رہی تھی کہ گویا وہ اس مکان پر ٹوٹ پڑ رہے ہیں۔

شفا رضی اللہ تعالی عنہا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی والدہ بیان کرتی ہیں کہ اس نور سے مجھے اس قدر انکشاف ہوا کہ مشرق اور مغرب تک میری نظر پہنچنے لگی اور روم کے مکانات میں نے دیکھے۔ ہرچند یہ نور جس کی خبریں دی گئیں ظاہرا نور ہی

تھا مگر اس کی حقیقت کچھ اور تھی۔ بصارت کو ہمرنگ بصیرت کر کے کل جسمانی ظلمات کو منور کر دینا معمولی نور کا کام نہیں یہ آفتاب کا نور نہ تھا کہ اجسام کی سطح بالائی پر ٹھیر جاتا بلکہ یہ اس ذات مقدس کا نور تھا جو "انا من نور اللہ" کی مصداق ہے۔ یہ نور اجسام کے اندر سرایت کئے ہوئے تھا۔ غرضکہ اس روز عالم میں ایک خاص قسم کی روشنی ہوئی تھی جس کے ادراک میں عقل خیرہ ہے۔ اور اس روز ملائکہ کو حکم ہوا تھا کہ تمام آسمانوں کے اور تمام جنتوں کے دروازے کھول دیں اور زمین پر حاضر ہو جائیں۔ چنانچہ کل ملائکہ کمال مسرت سے زمین پر اتر آئے۔

اس روز نہر کوثر پر ستر ہزار خوشبو کے جھاڑ نصب کئے گئے تھے جن کا ثمر اہل جنت کیلئے بخور بنایا جائے گا اس واقعہ کی یادگار میں آسمان پر ایک ستون زمرود کا اور ایک ستون یاقوت کا نصب کیا گیا۔ اس رات میں شیاطین قید کئے گئے کاہنوں کی خبریں بند ہوگئیں سارے جہاں کے بت سر بسجود ہوئے فارس کے آتشکدے جن کی پرستش سالہا سال سے ہوتی تھی بجھ گئے۔ ماہران نجوم ہر طرف خبریں دینے لگے کہ آج نبی آخر الزماں کا ستارہ طلوع ہوا اور قوم بنی اسرائیل سے نبوت جاتی رہی اب عرب و عجم نبی آخر الزماں کے مطیع اور فرماں بردار ہو جائیں گے۔ اس رات بادشاہوں کے تخت نگونسار ہوگئے۔ ایوان کسری میں زلزلہ آیا جس سے چودہ کنگرے اس کے گر گئے زبان اشارت یہ کہہ رہی تھی کہ بادشاہ وقت کے چودہ پشت تک سلطنت رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چودھویں پشت کے بعد ملک کسری مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالی نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے سال تمام عجیب و غریب واقعات رونما فرمائے تاکہ لوگ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و کرامت کو جان لیں کہ جس بشر کی ولادت ہوئی ہے وہ عام بشروں کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو نور مجسم ہیں جنکے نور سے دنیا کا گوشہ گوشہ روشن ہو جائے گا۔ اور شرک و بت پرستی اور بداعمالیوں کی ساری تاریکیاں کافور ہو جائیں گی۔

روزہ و ماہ رمضان

مولوی حافظ محمد حسین خاں
متعلم عالم سندی جامعہ نظامیہ

روزہ اسلام کا چوتھا رکن ہے چونکہ اس میں کھانے پینے اور جماع سے باز رہنا ہوتا ہے جو نفس پر زیادہ دشوار ہے اس لئے حکمت الٰہی مقتضی ہوئی کہ مکلف (عاقل بالغ) پر پہلے خفیف تکلیف عائد کی جائے یعنی نماز پھر متوسط یعنی زکواۃ پھر زیادہ دشوار یعنی روزہ چنانچہ قرآن مجید میں بھی اس ترتیب کی طرف اشارہ ہے۔

والخاشعین والغاشعات والمتصدقین والمتصدقات والصائمین والصائمات (سورہ احزاب آیت ۳۵)۔ ترجمہ اور خشوع و خضوع سے نماز ادا کرنے والے مرد اور خشوع و خضوع سے نماز ادا کرنے والی عورتیں اور صدقہ (زکواۃ) دینے والے مرد اور صدقہ (زکواۃ) دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور حدیث شریف بھی جس میں ارکان اسلام کا ذکر ہے اسی ترتیب کی موید ہے " اقام الصلوۃ و ایتاء الزکواۃ و صوم رمضان " ترجمہ۔ نماز کا پڑھنا اور زکوۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا گویا قرآن مجید اور حدیث شریف دونوں میں ایمان کے بعد اول نماز مذکور ہے پھر زکواۃ پھر روزہ لہذا ائمہ شریعت سے بھی یہی ترتیب رکھی اس بناء پر روزہ چوتھا رکن ہے اور رکن دوم و سوم یعنی نماز و زکواۃ کی طرح نہایت موکد اور اہم قرین رکن ہے۔

فرضیت روزہ۔ روزے ہجرت کے دوسرے سال فرض کئے گئے نیز کہا گیا ہے کہ کوئی امت ایسی نہیں مگر اللہ تعالی نے ان پر روزے فرض کئے تھے مگر وہ اس سے برگشتہ تھے۔

ماہ رمضان۔ رمضان کے تحت مفسر قرآن حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی تفسیر نعیمی میں فرماتے ہیں۔" رمضان یا تو رحمن کی طرح اللہ کا نام ہے چونکہ اس مہینہ میں رات دن عبادت کی جاتی ہے لہذا اسے شہر رمضان یعنی اللہ کا مہینہ کہا جاتا ہے یا یہ رمضان سے مشتق ہے اور رمضاء موسم خریف کی بارش کو کہتے ہیں جس سے زمین دھل جاتی ہے اور ربیع کی فصل خوب ہوتی ہے۔ چونکہ یہ مہینہ بھی دل کے گرد و غبار کو دھو دیتا ہے اور اس سے اعمال کی کھیتی ہری بھری رہتی ہے اس لئے اسے رمضان کہتے ہیں۔ یا یہ " رمضی " سے بنا جس کے معنی ہے گرمی یا جلنا چونکہ اس میں مسلمان بھوک پیاس کی تپش برداشت کرتے ہیں یا یہ اللہ تعالی گناہوں کو جلا دیتا ہے اس لئے اسے رمضان کہتے ہیں"۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب مہینوں کے نام رکھے گئے تو جس موسم میں جو مہینہ تھا اسی سے اس کا نام ہوا جو مہینہ گرمی میں تھا اسے رمضان کہہ دیا گیا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں شعبان کی آخری تاریخ کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ اے لوگو تم پر ایک عظیم مہینہ سایہ فگن ہے جس میں لیلۃ القدر ہے جو ہزاروں مہینوں سے بہتر ہے اللہ تعالی نے اس کے روزوں کو فرض کیا جو شخص اس ماہ کسی نیکی سے قرب حاصل کرتا ہے اسے دیگر مہینوں کے

مقابل میں فرض کی ادائیگی کا ثبوت ملتا ہے اور جس نے فرض ادا کیا ایسا جیسے اس نے دوسرے مہینوں میں ستر فرائض ادا کئے ۔رمضان صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا اجر جنت ہے یہ بھائی چارگی اور ہمدردی کا مہینہ ہے ۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی آدم کے ہر نیک کام کا بدلہ دس سے سات سو تک دیا جاتا ہے مگر روزہ کی نسبت اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ "الصوم لی و انا اجزی بہ" روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی تو افطار کے وقت ہوتی ہے اور دوسری خوشی اس وقت ہوتی جب اپنے پروردگار سے ملے گا اور بیشک روزہ دار کے منہ کی خوشبو اللہ تعالی کے ہاں مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے ۔ حجۃ الاسلام حضرت العلامہ امام غزالی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب " مکاشفۃ القلوب " میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ماہ رمضان میں میری امت کو پانچ چیزیں دی گئی ہیں ۔ جو اس سے پہلے کسی امت کو نہیں دی گئی۔

(۱) روزہ دار کی منہ کی بو اللہ کے ہاں مشک سے زیادہ عمدہ ہے ۔ (۲) ان کے افطار تک فرشتے ان کیلئے بخشش طلب کرتے ہیں ۔ (۳) اس ماہ میں سرکش شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں (۴) اللہ تعالی ہر دن جنت کو سنوار تا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ عنقریب میرے نیک بندے اس میں داخل ہوں گے ۔ (۵) ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کسی عمل کا حکم فرمائے آپ نے فرمایا کہ روزہ کو لازم کر لو اس کے برابر کوئی عمل نہیں پھر صحابی نے عرض کیا مجھے اور کسی عمل کا حکم دیجئے پھر ارشاد فرمایا کہ روزہ کو لازم کر لو اس کے برابر کوئی عمل نہیں پھر صحابی نے ویسی عرض کیا پھر جواب میں آپ وہی ارشاد فرمایا۔

ایک حدیث میں فرمایا کہ روزہ دار کا سونا عبادت خاموشی تسبیح اور دعاء مستجاب ہے ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ ہر شئے کیلئے زکواۃ ہے اور جسم کی زکواۃ روزہ ہے ۔حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو ایمان کی وجہ سے اور ثواب کیلئے رمضان کا روزہ رکھے گا اس کے اگلے گناہ معارف کر دیئے جائیں گے ۔ (بخاری، مسلم)

اب آپ دیکھئے کہ رمضان کا مہینہ اور روزہ کی یہاں تک فضیلت کے بارے میں ہمارے پیارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک ارشاد فرمایا کہ اگر بندوں کو معلوم ہوتا کہ رمضان کی فضیلت کیا ہے تو میری امت تمنا کرتی کہ کاش پورا سال رمضان ہی ہو۔

رمضان میں مرنے کی فضیلت ۔ جو خوش نصیب مسلمان ماہ رمضان میں انتقال کرتا ہے اس کو سوالات قبر سے امان مل جاتا ہے اور وہ عذاب قبر سے بھی بچ جاتا اور جنت کا حقدار ہو جاتا ہے چنانچہ محدثین کرام کا قول ہے کہ جو مومن ماہ رمضان میں مرتا ہے تو وہ سیدھے جنت میں جاتا ہے ۔

روزہ نہ رکھنے پر وعید ۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے رمضان کے ایک دن کا روزہ بغیر رخصت و بغیر مرض افطار کیا تو زمانہ بھر بھی روزے سے رکھنے سے اس ایک روزہ کی قضاء نہیں ہو سکتی ۔ (بخاری)

علم کی اہمیت

محمد قاسم علی
مولوی دوم جامعہ نظامیہ

حق تعالی کی لاتعداد ولا متناہی مخلوق میں انسان ہی منصب خلافت کا مستحق محض اس لئے ہوا کہ اسکو علم وفہم نطق وبیان سے نوازا گیا، علم کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) علم عطائی (۲) علم کسبی اول الذکر کو علم لدنی کہا جاتا ہے جسکی طرف اس آیت میں اشارہ ہے " وعلمناہ من لدنا علما " اور یہ علم علم کسبی سے اعلی وافضل ہے ان دونوں میں سے کسی ایک کے بھی حامل کی شان یہ ھیکہ جملہ عوالم میں کوئی مخلوق اسکے مثل نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ حق تعالی نے فرمایا " قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون انما یتذکر اولوالباب " (آیات ۸) فرمادیجئے کہ کیا برابر ہوسکتے ہیں جو لوگ جانتے ہیں (عالم) اور جو لوگ نہیں جانتے (جاہل) وہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے جیسا کہ اجالا اور اندھیرا برابر نہیں ہوسکتے اسکے سوا نہیں کہ عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔اس ایت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر نہیں ہوسکتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عالم کا ایک دن عبادت کرنا عابد کے چالیس دن عبادت کرنے کے برابر ہے۔ (مشکوۃ المصابیح کتاب العلم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تین جماعتیں شفاعت کریں گیں

(۱) انبیاء شفاعت کریں گے (۲) پھر علماء (۳) پھر شہداء۔ مقاتل نے کہا۔ جب مومن جنت کے دروازے کے پاس پہونچے گا (یقال لہ لست بعالم) اسے کہا جائے گا تو عالم نہیں ہے! تیرے عمل سے تو جنت میں داخل ہوجا اور عالم سے کہا جائیگا کہ تو جنت کے دروازے کے پاس ٹھہرجا اور لوگوں کی شفاعت کر اللہ تعالی عالم کے درجات کو بلند کرتا ہے۔اس آیت سے پتہ چلا جاننے والا اور نہ جاننے والے کا درجہ برابر نہیں ہوسکتا، کیا اسطرح عالم اور جاھل برابر ہوسکتے ہیں کیا اسطرح عالم کا سونا عابد کا سونا برابر ہوسکتا ہے۔

بتلایا گیا ھیکہ دونوں کا سونا برابر نہیں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ایک عالم عالم کو سدھار سکتا ہے

عالم ایسا باادب اور باعمل ہو اور عاشق رسول ہو اور شریعت کے مطابق زندگی گزارے پہلے خود عمل کرے پھر دوسروں کو اسکے کرنے کی نصیحت کرے عالم ایسا ہو کہ اسکو دیکھنے اور اسکے ساتھ رہنے سے لوگوں کو سنت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنا آسان ہو۔" وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون " (آیت ۵۵) ترجمہ۔ اور میں نے جن اور انسانوں کو صرف عبادت کیلئے پیدا کیا۔

عبادت عمل کا نام ہے اور عمل کیلئے علم کا ھونا ضروری ہے علم کی فضیلت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے " وقل رب زدنی علما " اور کہدیجئے کہ اے میرے رب مجھے علم میں اضافہ فرما (آیت ۱۱۳) جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ھیکہ " العلم حیاۃ الاسلام " (کنز العمال) علم اسلام کی حیات ہے۔ مسلمان کا باحیات ھونا علم کی وجہ سے ہے مقالات طاھر کی مذکورہ ذیل عبارتیں علم کی فضیلت اسکی حقیقت اور اس کی ضرورت کی غمازی ایک اچھوتے انداز والفاظ میں کررہی ہیں۔

حصول علم لازم ہے مسلمان حصول علم کو اپنے لئے لازم کرلیں اور خصوصا علم دین کو کیونکہ علم کے بغیر معرفت حق کا حصول ناممکن ہے۔ جاھل پرعالم کو فوقیت دی گئی ہے اس لئے کہ جاہل کے رات بھر کی عبادت کرنے سے عالم کا ایک دن سونا بہتر ہے (علم عبادت سے افضل ہے) علم افضل ہے عبادت سے جس سے معرفت الہی حاصل ہوتی ہے جس طرح روح جسم سے افضل ہے۔ اسی طرح علم عبادت سے افضل ہے۔ اور علم عمل کا محتاج نہیں بلکہ عبادت محتاج ہے علم کی۔

علم سے خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور عبادت سے حور و شراب طہور یعنی جنت ملتی ہے جو حظ نفس ہے اور خدا کی معرفت افضل ہے۔ حظ نفسی سے تو ثابت ہوا کہ علم عبادت سے افضل ہے عبادت جسم کا عمل ہے اور علم روح کا عمل ہے، اور روح افضل ہے جسم سے تو نتیجہ یہ نکلا کہ علم عبادت سے افضل ہے (علم مع الایمان)

محتاج ہے علم مع الایمان کی اور یہ بات حق ہے جو محتاج نہیں ہوتا وہ افضل ہوتا ہے لھذا اگر کوئی کافر ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد عمل کا موقعہ نہیں ملا انتقال ہوگیا تو بھی جنت نصیب ہے، اس سے ثابت ھیکہ علم مع الایمان محتاج نہیں عبادت کا اگر کوئی بڑی سے بڑی عمر پائے اور عبادت میں مصروف رہے علم مع الایمان کے بغیر مرتے ہی دوزخ میں جائے گا کیونکہ عبادت محتاج ہے علم مع الایمان کی لہذا علم مع الایمان افضل ہے عبادت سے یہ تین دلائل امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کی ہے چونکہ اللہ نے انسان کو عبادت کیلئے پیدا کیا جیسا کہ " وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون " واقع ہوا ہے لیکن عبادت کے لئے علم کا حصول ضروری ہے چونکہ علم سے انسان کو عبادت کا طریقہ معلوم ہوتا ہے عبادت کیسے کریں کیا کریں کیا نہ کریں لیکن معرفت سے عبادت میں لذت آتی ہے لہذا عبادت کے لئے علم اور معرفت دونوں ضروری ہے، اگر مال و دولت خزانہ قارون کی طرح مل جائے تو خرچ کرتے کرتے ایک دن ختم ہوجائے گا لیکن علم وہ خزانہ ہے جتنا خرچ کرتا جائے گا آسانی سے بڑھتا جائے گا۔

لھذا علم افضل ہے دولت سے۔ مال و دولت سے جو عزت حاصل ہوتی ہے وہ عارضی ہوتی ھے لیکن جو عزت علم سے حاصل ہوتی ہے وہ دائمی و ابدی ہوتی ہے، لھذا علم افضل ہے مال و دولت سے مال و دولت سے دوست و احباب بھی دشمن ہوجاتے ہیں لیکن علم وہ نور ہے جس سے دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں مال و دولت قبر میں آنے والی چیز نہیں لیکن علم قبر میں نور بن کر آئے گا۔ اللہ تعالی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اختیار دیا کہ وہ حکومت کو اختیار کریں گے یا علم کو لیکن انہوں نے علم کو اختیار کیا خدا تعالی نے علم کے طفیل سے حکومت عطاء کی اور مال و دولت بھی عطا فرمایا۔

" طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ " ترجمہ، علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے (ابن ماجہ) علم روشنی ہے اور جہالت اندھیرا ہے انسان علم کے بغیر دین و دنیا کی ہر نعمت سے محروم رہتا ہے علم ہی دینی اور دنیوی ترقی اور سربلندی کا زینہ ہے اس لئے علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر نہایت ضروری ہے اگر علم دین حاصل کرے تو ہی یہ بات معلوم ہو سکتی ھیکہ حلال کیا چیز اور حرام کیا چیز ہے۔

ہر چیز کا ایک راستہ ہوتا ہے اور جنت کا راستہ علم ہے ، علم ایک ایسی نعمت ھیکہ وہ خرچ کرنے سے بڑھتا ہے اور مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے ۔ مال کو کوئی چور چرا سکتا ہے لیکن علم کو کوئی چور چرا نہیں سکتا ، مال کی حفاظت انسان کرتا ھے لیکن علم انسان کی حفاظت کرتا ہے ، علم ایک ایسی لازوال نعمت ھے جو بھٹکے ہوئے انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے ہر چیز فناء ہو سکتی ہے لیکن علم کبھی فناء نہیں ہو سکتا علم حاصل کرنا بہترین عبادت ہے ، علم اسلام کی زندگی ہے اور دین کا ستون ہے ، علم روشنی ہے اور جہالت اندھیرا ہے ، علم ایک بادل ہے جس سے رحمت برستی ہے علم ایک ایسی خوشبو ہے جو انسان کے ذہن کو بہت معطر رکھتی ہے ، علم ایک ایسی بینائی ہے جو نابینا کے لئے شفایاب ہے ، علم ایک ایسا پھول ہے جسکی خوشبو ہر طرف محسوس کی جاسکتی ہے ، علم ایک ایسی نعمت ہے جو ہر انسان کو نصیب نہیں ہوتی مگر قسمت سے ہی ملتا ہے ، علم ایک ایسا خزانہ ہے جس کو کوئی چور چرا نہیں سکتا ہے ، علم ایک ایسی روشنی ہے جو بھٹکے ہوئے انسان کو صحیح راستہ دکھاتا ہے ، علم ایک ایسا لباس ہے جو پرانہ نہیں ہوتا ہے ، علم جنت کے راستوں کا نشان ہے ، علم ایک ایسی لازوال نعمت ہے جو بھٹکے ہوئے انسانوں کو رہنمائی کرتا ہے ۔

" رضینا قسمة الجبار فینا ، لنا علم و للجاهل مال " ترجمہ ۔ ہمارے درمیان اللہ تعالی کی اس تقسیم پر ہم راضی ہیں کہ ہمارے لئے علم کی دولت ہے اور جہاں کا سرمایہ مال ہے ، جب طالب علم علم دین حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے تو فرشتے اس کے لئے پیروں کے نیچے اپنا پر بچھاتے ہیں " وان الملئکة لتضع اجنحتها رضا لطالب العلم " (مشکوۃ ص ۳۴ کتاب العلم) ترجمہ ، یقینا فرشتے طالب علم کی خوشنودی کیلئے اپنے پر بچھاتے ہیں یہاں تک کہ چونٹیاں اپنی بلوں میں اور مچھلیاں پانی میں طالب علم کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں جب ایک طالبعلم کا یہ مرتبہ ھے تو پھر عالم دین کا کیا مرتبہ ہوگا ، علامہ عبد الرحمن صفوری رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت نقل فرماتے ہیں " قال النبی صلی اللہ علیه وسلم من زار عالما فکانما زارنی و من صافح عالما فکانما صافحنی و من جالس عالما فکانما جالسنی و من جالسنی اجلسه اللہ یوم القیامة فی الجنة " ترجمہ ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس نے کسی عالم کی زیارت کی گویا اس نے میری زیارت کی جس نے عالم سے مصافحہ کیا گویا اس نے مجھ سے مصافحہ کیا ، جو شخص عالم کی مجلس مں بیٹھا گو یا کہ وہ میری مجلس میں بیٹھا اور جو میری مجلس میں بیٹھا اللہ تعالی اسے روز قیامت جنت میں بٹھائے گا ۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ھیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " هل تدرون اجود جودا " کیا تم جانتے ہو کہ بڑا سخی کون ہے صحابہ نے ارشاد فرمایا اللہ اور اسکے رسول بہتر جانتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " قال اللہ تعالی اجود جودا ثم انا اجود بنی آدم و اجود من بعدی علما فنشره " (مشکوۃ ص ۳۷ کتاب العلم) اللہ تعالی نے فرمایا سب سے بڑا سخی میں ہوں اور بنی آدم میں سب سے بڑا سخی وہ آدمی ہے جو علم کو جانے پس وہ اس کو پھیلائے وہ قیامت کے دن امیر بن کر آئے گا یا پوری امت کا امیر بن کر آئے گا ۔

وسیلہ

حافظ سید مقبول احمد
متعلم مولوی اول جامعہ نظامیہ

برادران اسلام یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ حقیقی فریادرس اور مستقل طور سے مدد کرنے والا اور کارساز بلاشبہ اللہ جل شانہ ہی ہے۔ مگر کوئی مسلمان کسی بھی نبی یا ولی کو حقیقی فریادرس نہیں سمجھتا۔ مخلوق کا مخلوق سے داد خواہی کرنا اور ایک مخلوق کا دوسرے مخلوق کی فریاد رسی کرنا خود قرآن سے ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے کہ " فاستغاثہ الذی من شیعتہ علی الذی من عدوہ " (سورۃ القصص آیت ۱۵) یعنی موسی علیہ السلام سے انہی کے قوم کے ایک شخص نے اپنے دشمن کے مقابل میں فریاد چاہی۔ حدیث شریف میں ہیکہ جب کوئی شخص بحالت سفر راستہ بھٹک جائے تو " یا عباد اللہ اعینونی ،، کہے۔ یعنی اے اللہ کے بندو میری اعانت کرو۔ تو اللہ کے بندے اسکی ضرور رہبری کریں گے۔ اور مدد فرمائیں گے۔ نیز ارشاد باری تعالی ہیکہ " و ستعینوا بالصبر و الصلوۃ (سورہ البقرہ آیت ۴۵) یعنی صبر اور نماز سے مدد طلب کرو!

صبر اور نماز بندوں کا فعل ہے تو کیا یہ غیر اللہ سے استعانت نہیں ہوئی۔ اسی مضمون کی آیت اور احادیث صحیحہ بکثرت موجود ہیں۔ ضرورت وسیلہ کو سمجھکر صحیح طور سے استعمال کرنے کی بلا علم و فہم شرک و کفر کہنا جرات بیجا اور انبیاء علیھم السلام اور اولیاء کرام کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کا موجب ہے۔

بے ادب محروم گشت از فضل رب۔

وسیلہ کے متعلق ارشاد باری تعالی ہے۔ " واتقواللہ وابتغوا الیہ الوسیلہ " (سورۃ المائدۃ آیت ۳۵) واتقواللہ وابتغوا الیہ الوسیلہ میں ابتغوا الیہ الوسیلہ معطوف ہے اور اتقو اللہ معطوف علیہ ہے اور قاعدہ کلیہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت پائی جاتی ہے اس قاعدہ کی رو سے وسیلہ کا حکم دیا گیا ہے جو کہ اتقو اللہ سے الگ چیز ہے۔ خدا کی جناب میں وسیلہ تلاش کرو! لفظ وسیلہ عام ہے۔ اور ہر وہ امر مراد ہے جو خدا تک رسائی کا ذریعہ ہو۔ دینی کتب۔ مواعظ حسنہ۔ استاذ صالح۔ پیر کامل اعمال صالحہ۔ خدا کے نیک بندے یہ سب وسیلہ میں شامل ہیں۔ جبکہ وابتغوا۔ یعنی وسیلہ تلاش کرنے کا حکم ہو تو پھر رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام کا وسیلہ بنانا آخر ناجائز اور حرام کیوں ہے؟ وسیلہ طلبی عبادت نہیں کہ مشرکین کی بت پرستی پر قیاس کیا جاکر کفر و شرک کا حکم لگایا جائے ایسا قیاس۔ قیاس ابلیسی ہے کہ جس سے بجز گمراہی کچھ حاصل نہیں۔ اگر واقعی وسیلہ شرعاً ناجائز ہوتا تو ہر اذان کے بعد " آت سیدنا محمد الوسیلہ " کی دعا کا حکم نہ ہوتا۔ حالانکہ پنج وقتہ اذان کے بعد ہر مسلمان یہ دعا کرتا ہے کہ ،، خدایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر فضیلت کا اظہار فرما اور بلند مرتبہ عطا فرما اور روز قیامت ہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بہریاب فرما غور طلب امر یہ ہیکہ قیامت کے روز تو " لمن

الملک الیوم" (سورہ المومن آیت ۱۶) کہا جائیگا یعنی آج حقیقی بادشاہی کس کی ہے ۔ ؟ کل تک دنیا میں ہماری ہی دی ہوئی حکومت کی بناء پر مجازی بادشاہت پائی جاتی تھی مگر آج یہ مجازی بادشاہت بھی ندارد، ساری حکمرانی اللہ واحد قہار کی ہے ۔ ایسے وقت تو رب وعبد کے درمیان کسی قسم کا کوئی حجاب نہ ہو گا ۔ پھر اس دن کیلئے بھی وسیلہ ضروری قرار دیا گیا تو، دنیا جہاں بندے اور مالک میں حجاب ہی حجاب ہے ۔ وسیلہ کی ضرورت کا انکار بے عقلی اور لاعلمی نہیں تو اور کیا ہے ۔ اور اسی طرح اللہ تعالی کا ارشاد ہے ۔ " ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا اللّٰہ واستغفر لهم الرسول لوجدوا اللّٰہ توابا رحیما " (سورۃ النساء آیت ۶۴) (اے محبوب) اگر وہ اپنے جانوں پر ظلم کریں تو تمہارے پاس آئیں ۔ پس اللہ سے مغفرت طلب کریں اور رسول بھی انکے لئے اللہ سے مغفرت کی گذارش کریں تو بالضرور وہ اللہ کو خوب توبہ قبول کرنے والا خوب رحم کرنے والا پائیں گے

اس آیت کریمہ کے ابتدائی حصہ " ولو انهم اذظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا اللّٰہ واستغفر لهم الرسول " میں اللہ تبارک وتعالی نے حرف تاکید نہیں لایا اور نا ہی اس میں کوئی صفت مبالغہ ہے ۔ اور اس ارشاد " لوجدو اللّٰہ توابا رحیما " میں لام تاکید ہے ۔ اور اللہ کے دونوں نام (توابا رحیما) میں مبالغہ کا معنی ہے ۔ پس اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے غیر ترجیحی بنیاد پر بھی سفارش کریں گے ۔ تو بالضرور رحمت الہی کا سمندر موج مارے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کی قبولیت کے آگے آگے آئیگا ۔ اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے شفیع ہیں ۔ اگرچہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب نہ کریں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ناپسندیدہ اعمال کو دیکھتے ہیں ۔ ہر دن یا ہر ہفتہ آپکے سامنے ہمارے اعمال کا رجسٹر پیش کیا جاتا ہے ۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ بارگاہ الہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اور آپکی شفاعت توبہ واستغفار کی مقبولیت کا ذریعہ ہے (الوسیلۃ العظمی ص ۲)

اس سے چند مسائل معلوم ہوئے : (۱) مسئلہ ۔ قبر پر حاجت کیلئے جانا بھی " جاؤک " میں داخل اور خیر القرون کا معمول ہے ۔ (۲) اللہ تعالی کی بارگاہ میں عرض حاجت کیلئے اس کے مقبولوں کو وسیلہ بنانا ذریعہ کامیابی ہے ۔

۳ ۔ بعد وفات مقبولان کو " یا " کے ساتھ ندا کرنا جائز ہے ۔

۴ ۔ مقبولان حق مدد فرماتے ہیں اور ان کی دعا سے حاجت روائی ہوتی ہے (خزائن العرفان)

حضرت ابو عبد اللہ محمد بن سعید بن حماد مصری بوصیری قدس سرہ العزیز اپنے قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں ۔

یا اکرم الخلق مالی من الوذبه ۔۔۔ سواک عند حلول الحادث العمم

(ترجمہ) اے تمام مخلوق سے بزرگ ترین آپکے سوا، میرا کوئی ایسا نہیں ۔ جس سے پناہ طلب کروں حادثہ عام کے نازل ہونے کے وقت ۔

والطف بعبدک فی الدارین ان له ۔۔۔ صبرا متی تدعه الاهوال ینهزم

(ترجمہ) اور اپنے بندہ پر دونوں جہاں میں عنایت کر کے جب امور باطلہ اس کو پیش آتے ہیں تو اسکا صبر جاتا رہتا ہے ۔

عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہ۔ ایک نابینا شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنی بینائی جاتے رہنے کی شکایت کی اور عرض کیا یارسول اللہ! میری رہبری کرنے والا کوئی نہیں اور مجھے بڑی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ وضو کرو (اچھا وضو) اور دو ۲ رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا کرو۔ اللھم انی اسئلک و اتوجه الیک بنبیک محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم نبی الرحمه۔ یا محمد انی اتوجه الی ربک فیجلی لی عن بصری۔ اللھم شفعه فی و شفعنی فی نفسی۔" ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی رحمت کے صدقہ میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپکے وسیلہ سے آپ کے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوں کہ وہ میری آنکھ روشن کردے۔ اے اللہ میرے حق میں ان کی سفارش قبول فرما

عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں واللہ ہم ابھی جدا نہیں ہوئے تھے۔ نہ کوئی لمبی بات ہی ہم نے ابھی کی تھی کہ وہ نابینا شخص ہمارے پاس اس طرح آیا جیسے وہ کبھی نابینا ہی نہیں تھا۔ "قال الحاکم هذا حدیث صحیح الاسناد و لم یخرجاه و قال الذھبی عن الحدیث انه صحیح (ج ۱ ص ۵۱۹) و قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح غریب لانعرفه الامن هذا الوجه۔ من حدیث ابی جعفر و هو غیر الحطمی۔ ذکره فی آخر السنن فی ابواب الدعوات۔ قال المنذر و رواه ایضا النسائی و ابن ماجه و ابن خزیمه فی صحیحه۔ کذا فی الترغیب کتاب النوافل باب الترغیب فی الصلوۃ الحاجة جلد ۱ ص ۴۳۸)

اور اس حدیث کو بانی جامعہ نظامیہ نے بھی (انوار احمدی ص ۲۶۷۔ ۲۶۸) میں ذکر کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوالبشر آدم علیہ السلام کا توسل۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آدم علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا چنانچہ حاکم نے المستدرک میں لکھا۔ "حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو عرض کیا اے رب! میں بحق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ سے اپنی مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا اے آدم! تم نے محمد کو کیسے پہچانا؟ انہیں تو میں نے پیدا ابھی نہیں کیا ہے، آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے رب! میں نے اس طرح پہچانا کہ جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور میرے اندر روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا اور عرش کے ستونوں پر یہ لکھا دیکھا " لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ "بس میں سمجھ گیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اپنے سب سے محبوب بندے کا ہی نام منسلک کر رکھا ہے۔

اللہ نے ارشاد فرمایا اے آدم تو نے سچ کہا۔ وہ میرے سب سے محبوب بندے ہیں۔ بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے دعا کرو تو تمہیں بخش دیا جائے گا۔ اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں نہ پیدا کرتا۔ (ترجمہ. اصلاح فکر و اعتقاد بحوالہ اخرجه الحاکم فی المستدرک و صحیحه ج ۲ ص ۲۵۱۔ و رواه الحافظ السیوطی فی الخصائص النبویة و صحیحه۔ و رواه البیهقی فی دلائل النبوة و هو لا یروی الموضوعات کما صرح بذلک فی مقدمة کتابه و

صحیحه ایضا القسطلانی و الزرقانی فی المواہب اللدنیة ج ۲-۳۲) والسبکی فی شفاء السقام۔ قال الحافظ الھیثمی۔ رواه الطبرانی فی الاوسط وفیه من لم اعرفهم مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۳)

اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم ☆ نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

(علامہ جامی)

بخاری شریف کی حدیث ہے جس کا مفہوم یہ ہے ۔ یعنی لوگوں کو (میدان حشر میں اس قدر غم و تکلیف پہنچے گی جس کی انہیں طاقت نہ ہوگی اور نہ وہ برداشت کرسکیں گے تو لوگ کہیں کہ کیا تم دیکھتے نہیں جس قدر تمہیں تکلیف ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ تمہارے رب کے پاس تمہاری شفاعت کون کرے گا۔ تو لوگ استغاثہ کریں گے حضرت آدم علیہ السلام سے پھر حضرت موسی علیہ السلام سے پھر آخر کا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۔ تو غور فرمائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا استغاثہ با دم ۔ استغاثہ کریں گے آدم علیہ السلام سے تو یہ استغاثہ مجازی ہے ۔ اور حقیقۃ اللہ تعالی ہی مستغاث ہے لیکن حدیث شریف میں اس طرح مذکور ہوا تو اس کا اطلاق اس کے جواز و استحسان کی دلیل ہے ۔ (صحیح بخاری شریف کتاب التفسیر ۔ ج ۲ ص ۲۸۴) ترجمہ ۔ یعنی نبی علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کے علاوہ اور اہل قبور سے استمداد کا بہت سے فقہاء نے انکار کیا اور بعض مشائخ ۔ صوفیہ اور فقہاء کرام نے اس کو ثابت فرمایا حضرت امام شافعی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسی کاظم کی قبر شریف قبولیت دعا کیلئے آزمودہ تریاق ہے ۔ اور امام محمد غزالی رحمت اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاسکتی ہے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جاسکتی ہے ۔ (حاشیہ مشکوۃ شریف ۔ باب زیارۃ القبور ص ۱۵۴) ۔

نعت شریف

از مفتی حافظ سید صادق محی الدین فہیم، نائب مفتی جامعہ نظامیہ

چھوڑ کر سارے صحائف ایک قرآں کی طرف ۔۔۔ ساری خلقت جمع ہے اب ایک عنواں کی طرف

جانے والے جائیں شہروں کے گلستاں کی طرف ۔۔۔ لے چلو مجھ کو مدینہ کے بیاباں کی طرف

ہم نشینان زلیخا ماہ کنعاں کی طرف ۔۔۔ ماہ کنعاں خود ہے اس ماہ منیراں کی طرف

دل کے آئینہ میں ہے جس کے شبیہ مصطفی ۔۔۔ کھینچ کے جاتا ہے ہر اک دل ایسے انساں کی طرف

آنکھ میں جلوہ تصور میں خیال روئے پاک ۔۔۔ "دل جھکا جاتا ہے اپنا کوئے جاناں کی طرف"

سوزش عشق نبی سے آنکھ میں ہو گر نمی ۔۔۔ حق تعالی دیکھتے ہیں چشم گریاں کی طرف

جذبہ الفت محبت کا نہ ہو گر قلب میں ۔۔۔ حق کی ہو نظر کرم کیوں قلب ویراں کی طرف

ہر بشر کی حشر میں ہے نفسی نفسی کی صدا ۔۔۔ سب کی نظریں ہیں لگی اس شاہ خوباں کی طرف

حشر میں اذن شفاعت کا جب آئیگا سوال ۔۔۔ سب کی نظریں ہوں گی اس دم شاہ خوباں کی طرف

آپ کے قدموں کا دھوون مجھ کو ملجائے اگر ۔۔۔ پھر پلٹ کر بھی نہ دیکھوں آب حیواں کی طرف

فتح مکہ ہو، حدیبیہ ہو یا بدر وحنین ۔۔۔ سب کو دعوت دی نبی نے امن وآماں کی طرف

حق کہاں ہے جب ہوا ہے آپ سے اس کا سوال ۔۔۔ تب کہا قرآن نے دیکھو رگ جاں کی طرف

مرحبا صل علی صبح بدا کی تھی صدا ۔۔۔ اہل طیبہ کی نظر تھی شاہ ذیشاں کی طرف

بدر کامل تھا ادہر اور تھے ادھر وجہ منیر ۔۔۔ تک گئیں جابر کی نظریں روئے تاباں کی طرف

دید کی سچی تمنا ہو تو ہوتا ہے کرم ۔۔۔ گوشہ دل میں چھپے اس پاک ارماں کی طرف

رحمت عالم کی جب چشم عنایت ہوگئی ۔۔۔ بارش رحمت ہے مجھ حال پریشاں کی طرف

فضل رب سے ان کی محرومی کا اندازہ ہوا کیا ۔۔۔ انگلیاں اٹھتی ہیں جن کی کار پاکاں کی طرف

گنبد خضرا کی جانب وا کئے دل کا صدف ۔۔۔ رات دن نظریں لگی ہیں ابر نیساں کی طرف

حاضر دربار ہے با چشم نم عاصی فہیم
اور نظر اس کی اٹھی ہے اپنے عصیاں کی طرف

نعت شریف

از حافظ محمد شمس الدین زماں استاذ جامعہ نظامیہ

حجر پیدا شجر پیدا ثمر پیدا بشر پیدا
ہیں نور شاہ سے ارض وسما شمس وقمر پیدا

ہو دل میں جس کے آقا کی محبت کا گھر پیدا
تو ہوتا ہے اسی کی بات میں کامل اثر پیدا

ہوا فخر دو عالم آمنہ بی بی کے گھر پیدا
چھٹے ظلمت کے بادل جب ہوا نور سحر پیدا

خدا کے نور سے ہی ہو گئے خیر البشر پیدا
دو عالم نور آقا سے ہوئے پیدا اگر پیدا

ہے ناممکن سمجھنا میرے آقا کو مثالوں سے
سمجھنا ہو نبی کو تو کرو فکر ونظر پیدا

ازل سے تا ابد سرکار پر ہر چیز روشن ہے
ہوئے امی لقب کی شکل میں علم وہنر پیدا

نبی کے چاہنے والوں کے آگے جھکتی ہے دنیا
بڑی دولت ہے آقا کی محبت ہو اگر پیدا

کہا جبریل نے سدرہ پہ آقائے دو عالم سے
بڑھوں آگے تو جل جاؤں نہ ہوں گے بال وپر پیدا

اجالے بانٹتے رہنے لگے اصحاب شاہ دیں
حقیقت ہو گئی جب در دل حضرت عمر پیدا

غلامان شہ دیں میں زماں تم ہو گئے شامل
تمہارے دل میں کیونکر ہو کسی کا کوئی ڈر پیدا

نعت شریف

محمد شفیع احمد انواری انوار محبوب نگری فاضل جامعہ

جس راہ میں طیبہ کا پتہ ہو نہیں سکتا
رستہ وہ کبھی راہ خدا ہو نہیں سکتا

ہرگز کبھی محبوب خدا ہو نہیں سکتا
جو سید عالم پہ فدا ہو نہیں سکتا

کچھ بھی تو بنا ان کی رضا ہو نہیں سکتا
سرکار اگر چاہیں تو کیا ہو نہیں سکتا

اللہ نے تمکو بنایا ہی کچھ ایسا
رتبے میں کوئی تم سے بڑا ہو نہیں سکتا

کعبے کو اگر شمس وقمر سے بھی سجا دو
پر گنبد خضرا کی طرح ہو نہیں سکتا

دن رات برستی ہے جہاں بارش رحمت
وہ شہر مدینے کے سوا ہو نہیں سکتا

جس درد میں شامل ہو غم فرقت آقا
وہ درد داؤں سے شفا ہو نہیں سکتا

سیرت کا سبق بھولا تھا ہم نے ہی تو ورنہ
امت کا کبھی حال برا ہو نہیں سکتا

جو ڈور میں توحید ورسالت کی بندھا ہو
بندہ وہ کبھی حق سے جدا ہو نہیں سکتا

نہ ہی پاس شریعت ہے نہ ہی ذوق عمل ہے
یہ حب محمد کا نشہ ہو نہیں سکتا

سرکار نے دربار سے جن جن کو نکالا
ان کا کبھی دنیا میں بھلا ہو نہیں سکتا

انوار تو ہر حال میں دیکھ ان کی رضا دیکھ
سرکار اگر چاہیں تو کیا ہو نہیں سکتا

بضمن جلسہ تقسیم اسناد۔ عطائے خلعت و دستار بندی جامعہ نظامیہ

علمی مذاکرہ
بعنوان
”اسلام اور خاندانی حقوق“

یکشنبہ ۲۶ / جمادی الاولی ۱۴۲۴ھ م ۲۷ / جولائی ۲۰۰۳ء دس بجے دن بمقام احاطہ جامعہ نظامیہ

زیر صدارت مفکر اسلام محترم مولانا مفتی خلیل احمد صاحب شیخ الجامعہ، جامعہ نظامیہ

	مقالہ نگار حضرات	عنوانات	
(۱)	مولانا محمد خواجہ شریف صاحب شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ	میاں بیوی کے حقوق	-
(۲)	ڈاکٹر مولانا محمد عبدالمجید صاحب صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ و ڈائرکٹر دائرۃ المعارف	تعدد ازدواج	۱۳۴
(۳)	ڈاکٹر مولانا محمد سیف اللہ صاحب شیخ الادب جامعہ نظامیہ	اسلام میں نظام وراثت	۱۱۳
(۴)	ڈاکٹر مولانا سید جہانگیر صاحب صدر شعبہ عربی CIEFL	حقوق الوالدین	-
(۵)	ڈاکٹر مولانا حافظ سید بدیع الدین صاحب صابری اسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ	حقوق الاولاد	۱۴۸
(۶)	مولانا حافظ سید ضیاء الدین صاحب نائب شیخ الفقہ جامعہ نظامیہ	اسلام میں پردہ اور محارم	۱۵۹

نوٹ: سلسلہ نمبر ۱ اور ۴ کے مقالات وصول نہ ہونے کی بناء شائع نہیں ہوئے ہیں۔

تعدد ازدواج

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالمجید صاحب
کامل جامعہ نظامیہ پروفیسر عربی (عثمانیہ)

تعدد ازدواج کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جسے یورپ کے مفکرین و مستشرقین اور اسلام کے مخالفین نے خاص طور پر نقد وطعن کا نشانہ بنایا ہے۔اس حکیمانہ قانون کو ظالمانہ اور تہذیب وتمدن کے منافی قرار دیا ہے۔مغرب کے دانشوروں کا کہنا ہے کہ اس سے عورت کے حقوق پامال ہوتے ہیں۔ازدواجی رشتہ کمزور پڑتا ہے اور خاندانی ومعاشرتی نظام انتشار کا شکار ہوتا ہے اس لئے اسے ختم ہونا چاہئے۔مسلمانوں کا مغرب زدہ طبقہ جو اس فکر کا حامی ہے وہ اپنی اس غلط فکر کی تائید میں یہ کہتا ہے کہ مردوں کو ایک سے زائد شادیوں کی اجازت عدل کی شرط کے ساتھ ہے چنانچہ ارشاد ہے۔"فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی وثلاث و رباع فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ "ترجمہ: جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کرلو ایک وقت میں دو دو تین تین چار چار تک کرسکتے ہو۔اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ انصاف نہیں کرسکو گے تو پھر چاہئے کہ ایک بیوی سے زیادہ نہ کرو۔اور آگے اسی سورہ میں ارشاد ہے کہ" ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم " (النساء) ترجمہ: اور تم سے ہرگز نہ ہوسکے گا کہ سب بیویوں میں برابری رکھو گو تمہارا کتنا ہی جی چاہے۔جب آیت قرآنی کی تصریح کے مطابق بیویوں کے درمیان عدل کا قیام ناممکن ٹہرا تو تعدد ازدواج کی اس بنیادی شرط کے فقدان کی وجہ سے اسکی اجازت بھی ختم ہوگئی ۔لیکن یہ استدلال غلط ہے۔عقل ونقل اور قرآن وحدیث کی دوسری تصریحات اور چودہ سو سالہ امت کے تعامل کے خلاف ہے۔آیت کا سیاق وسباق اسکی بالکل تائید نہیں کرتا۔یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ اللہ تعالی پہلے عدل کی شرط کے ساتھ چار شادیوں کی اجازت دے اور پھر یہ کہکر ممانعت کردی کہ بیویوں کے درمیان عدل محال و ناممکن ہے۔ایسی تضاد بیانی کا تصور کسی عاقل اور باشعور انسان سے نہیں کیا جاسکتا تو پھر خدائے بزرگ و برتر سے کیسے کیا جاسکتا ہے

پھر سورہ نساء میں یہ اک وقت دو بہنوں کو نکاح میں رکھنے کی حرمت بھی بیان فرمائی اور فرمایا " وان تجمعوا بین الاختین "یعنی دو بہنوں کو ایک جگہ جمع کرنا حرام ہے۔اگر ایک سے زائد شادی کرنا حرام ہوتا تو بہنوں کی کیا تخصیص؟ بلکہ اسکی جگہ " ان تجمعوا بین الامراتین " کہا جاتا۔

غیلان ثقفی رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے پاس دس ۱۰ بیویاں تھیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کسی چار کے انتخاب کا حکم دیا اور باقی کو علحدہ کردینے کی تاکید کی۔بہر حال تعدد ازدواج کی اجازت کتاب وسنت میں صراحۃ موجود ہے۔صحابہ،تابعین،ائمہ،مجتہدین،علماء،فقہاء اور پوری امت کا ہر دور میں اس کے جواز پر قولا و عملا اجماع رہا ہے۔

جہاں تک آیت کریمہ" ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء " کا تعلق ہے۔تو اس کے سیاق وسباق سے اس کا مفہوم

متعین ہو جاتا ہے کہ اس میں جس عدل کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد عدل قلبی ہے یعنی شوہر چاہیئے کہ تمام بیویوں کے ساتھ محبت اور تعلق خاطر بھی یکساں ہو، کسی کی طرف قلبی میلان اور جھکاؤ بھی زیادہ نہ ہو تو یہ ناممکن ہے اور اسکی استطاعت سے باہر ہے، دل پر انسان کا اختیار نہیں، اگر کسی بیوی سے قلبی محبت زیادہ ہو تو یہ چیز مذموم اور قابل مواخذہ نہیں، اسی لئے آگے فرمایا "فلاتمیلوا کل المیل" اور یہ نہیں کہا گیا کہ "فلاتمیلوا بعض المیل" یعنی اس تعلق خاطر کی وجہ سے ایسا نہ کہ ایک کی طرف بالکلیہ مائل ہو جائے اور دوسری بیوی سے بالکل بے تعلق ہو جائے اور اسے معلقہ بنا کر چھوڑ دے، جیسا کہ فرمایا۔ "فلاتمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقة" اور تعدد ازدواج کے اباحت والی آیت "فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی و ثلاث و رباع" میں آگے کئے ٹکڑے "فان خفتم ان لاتعدلوا فواحدة" میں جس عدل کی شرط لگائی گئی ہے، اس سے مراد مادی حقوق مکان لباس اور شب باشی وغیرہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت تھی لیکن حقوق زوجیت، نفقہ سکنی، لباس، باری کی تقسیم میں کسی کے ساتھ کوئی امتیاز نہ تھا اس کے باوجود آپ دعاء فرماتے " اللھم ھذا قسمی فیما املک فلا تواخذنی فیما تملک ولا املک " ترجمہ: اے اللہ! جتنا میرے بس میں تھا میں نے مساوات برتی، لیکن جو بات میری طاقت سے باہر ہے (قلبی میلان) اس پر مجھے ملامت نہ فرما

حکمت و مصلحت۔ اسلام نے تعدد ازدواج کی کڑی شرطوں کے ساتھ اجازت دی اس کو لازم اور ضروری قرار نہیں دیا، انسان کے فطری تقاضوں اور معاشرتی ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے تعدد ازدواج کی محدود و مشروط اجازت دی ہے جس سے بہ وقت ضرورت بالخصوص ہنگامی حالات میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

(۱) مرد جسمانی توانائی اور صحت اور تندرستی کے لحاظ سے عورتوں پر عموماً فوقیت رکھتا ہے، عورتیں ایسے حالات سے گذرتی ہیں جن میں ان کی حالت مریض یا نیم مریض کی طرح ہوتی ہے، جس میں وہ شوہر کے جنسی تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ جس معاشرہ میں زنا و فواحش کوئی عیب کی بات نہیں، ان کے نزدیک یہ مسئلہ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اسلام کی نظر میں معاشرہ کی پاکیزگی بڑی قیمتی چیز ہے، جن ممالک میں اسے قانوناً ممنوع قرار دیا گیا وہاں عفت و پاکدامنی خاک میں مل گئی جنسی آوارگی کی ایسی گرم بازاری ہوئی کہ خدا کی پناہ۔

اخلاقی و اجتماعی ضرورت۔ بعض دفعہ عورت دائم المرض ہوتی ہے، اگر دوسری شادی کی اجازت نہ ہو تو یا تو طلاق دے کر جدا کردے یا جنسی آوارگی پیدا کرے۔ بیوی کبھی بانجھ ہوتی ہے مطلقہ، بیوہ، یتیم و لاوارث لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بھی بڑا پیچیدہ اور اہم ہے، اگر ان کی شادی کا کوئی مناسب حل نہ نکلے تو معاشرہ میں آوارگی اور جنسی انارکی پھیلنے کا سخت اندیشہ ہے

جنگی حالات۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مرد آفات و حوادث کا زیادہ نشانہ بنتے ہیں، خارجی اور بیرونی کاموں کی انجام دہی

ان کے فرائض میں داخل ہے جو دشوار اور گراں بار ہیں ۔اس لئے وہ مختلف حوادث کا شکار ہوتے ہیں ، بالخصوص جنگوں میں تو مردوں کی بڑی تعداد ختم ہو جاتی ہے اور عورتوں کی تعداد مردوں سے بڑھ جاتی ہے دنیا کے اکثر ملکوں میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے ۔اس مسئلہ کا واحد حل یہی ہے کہ مردوں کو ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی جائے ورنہ ملک ومعاشرہ میں بہت سے مفاسد اور پیچیدہ مسائل پیدا کرنے کا سبب بنے گا ۔ تعدد ازدواج کے اس مفید اور حکیمانہ قانون کے ذریعہ تھوڑے عرصہ میں افراد کی اس کمی کو تلافی بھی ممکن ہے ، مشہور انگریز جارج برناڈ شاہ اسلام کے اس الٰہی قانون کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔اس میں کوئی بڑی حکمت ہے ،کہ مرد عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ خطرات کا نشانہ بنتے ہیں ۔اگر عالم انسانیت پر کوئی بڑا حادثہ ٹوٹ پڑے جس کی وجہ سے تین چوتھائی مرد ہلاک ہوجائیں اور اس وقت اگر شریعت محمدی پر عمل کرکے ہر مرد کے لئے چار بیویاں ہوں تو تھوڑی مدت میں مردوں کی تلافی ہوجائے گی ؛ جرمنی میں دوسری جنگ عظیم کے بعد عورتوں نے تعدد ازدواج کا پر زور مطالبہ کیا ۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد جرمنی میں مردوں کی قلت اور عورتوں کی غیر معمولی کثرت کی وجہ مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لئے نوجوانوں کی تنظیم کے جلسہ میں طے ہوا کہ اس پیچیدہ مسئلہ کا حل صرف تعدد ازدواج ہے ۔اور بون کے باشندوں نے مطالبہ کیا کہ ملکی دستور میں تعدد ازواج کی اجازت کی دفعہ شامل کی جائے ، چنانچہ جرمنی کی حکومت نے تعدد ازدواج کے سلسلہ میں پوری واقفیت حاصل کرنے کے لئے شیخ الازھر کے نام ایک مراسلہ لکھا اور پھر ایک وفد روانہ کیا (المراۃ بین الفقہ و القانون) اسلام دین فطرت ہے ۔وہ انسان کی ضرورتوں اور فطری تقاضوں کی پوری رعایت کرتا ہے ۔رہتی دنیا تک کے لئے انسانوں کی رہنمائی کی اور انہیں دینی و دنیاوی سعادتوں سے ہم کنار کرنے کے لئے آیا ہے وہ انسانوں کی وقتی اور ہنگامی ضروریات کا حل بھی رکھتا ہے

تعدد ازدواج اور دیگر مذاہب و ادیان : اسلام وہ پہلا مذہب نہیں ہے جس نے سب سے پہلے تعدد ازدواج کا دروازہ کھولا ہو ، بلکہ اس کا رواج و جواز سابقہ تمام ادیان مذاہب اور اقوام و ملل میں رہا ہے ، چونکہ یہ انسان کی فطری اور ناگزیر اخلاقی ضرورت ہے ۔انبیاء علیھم السلام میں سے اکثر حضرات نے متعدد شادیاں فرمائی ہیں اور بعضوں کے یہاں بیویوں اور باندیوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی ۔ یہودیت و نصرانیت میں سے اس کی حرمت کسی نص آسمانی سے نہیں ہے بلکہ یہ حرمت بعد میں کلیسا کے افراد کے ذریعہ وجود میں آئی ،ڈاکٹر عباس محمود العقاد کے مطابق ۔ بعض عیسائی فرقے تعدد ازدواج کو ضروری قرار دیتے تھے ، (المراۃ فی القرآن ص ۸۲) ڈاکٹر مصطفی السباعی شامی نے اپنی کتاب " المراۃ بین الفقہ و القانون " میں لکھا ہے ۔ اسلام ہی نے سب سے پہلے تعدد ازدواج کی اجازت نہیں دی بلکہ تقریبا تمام قدیم اقوام مثلا یونانیوں ۔ چینیوں ،ہندوؤں ، بابلیوں ، اشوریوں اور مصریوں میں اس کا عام رواج تھا اور ان میں سے اکثر قوموں کے یہاں بیویوں کی تعداد بھی محدود نہ تھی ، چینی مذاہب

لیگی میں ایک سو تیس تک بیویاں رکھنے کی اجازت تھی اور بعض چینی سربراہوں کے یہاں تو لگ بھگ تین ہزار عورتیں تھیں، اس کے علاوہ یہودی مذہب میں بھی بغیر کسی حد کے بیویاں رکھنے کی اجازت تھی، تمام انبیاء تورات کے یہاں بہت سی بیویوں کا پتہ چلتا ہے۔ اسلام سے قبل عرب میں بھی چند بیویاں رکھنے کا رواج تھا اور زیادہ وسیع پیمانہ پر تھا اسلام نے تو آکر اسے محدود کیا اور چند شرائط کے ساتھ زیادہ سے زیادہ چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی، خود ہمارے ملک ہندوستان میں شاید ہی کوئی راجا مستثنی ہو، راجہ دسرتھ کا نام مشہور ہے ان کی تین بیویاں تھیں، کرشن جی کی دو بیویاں اور سینکڑوں گوپیاں تھیں۔

تعدد ازدواج پر امتناع کے نتائج۔ مغرب نے تعدد ازدواج کو تہذیب و تمدن کے منافی سمجھکر اس پر پابندی عائد کردی جس کی وجہ سے آزاد جنسی تعلق نے اس کی جگہ لے لی، میکس نارڈن ایک مغربی مفکر نے اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے، تعدد پر امتناع کے باوجود متمدن ممالک میں مرد تعدد ازدواج ہی کی حالت میں رہتا ہے۔ ایک لاکھ آدمیوں میں سے مشکل سے ایک آدمی ہوگا جو بستر مرگ پر یہ کہے کہ وہ اپنی پوری زندگی ایک عورت کے سوا کسی سے آشنا نہیں ہوا ہے

شرعی اور اخلاقی حدود میں جائز اور قانونی راہ نہ کھولی جائے تو زنا اور فواحش کا ارتکاب لازما ہوگا، چنانچہ ان ممالک میں جنسی جرائم اور فواحش کی ایسی کثرت ہوئی کہ پورا مغربی معاشرہ عفت و عصمت اور اخلاق و روحانیت سے عاری ہوگیا ہے اور ناجائز ولادتوں کی وہ گرم بازاری ہوئی کہ اس سے قبل انسانی تاریخ میں کبھی نہیں دیکھی گئی، حتی کہ حرام بچوں کا تناسب بہت سے ملکوں میں ۵۰ فیصد سے بھی زیادہ ہوگیا ہے۔ اقوام متحدہ کی طرف سے شائع ہونے والے سالنامہ ڈیموگرافک ۱۹۵۹ میں اس حقیقت کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا گیا، چنانچہ کہا گیا ہے کہ جدید دنیا میں جو صورت حال ہے وہ یہ ہے، بچے اندر سے کم اور باہر سے زیادہ پیدا ہورہے ہیں۔ اور حرام بچوں کا تناسب ساٹھ فیصدی ہے۔ اور پناما میں تو چار میں سے تین بچے حرامی ہیں، لاطینی امریکہ میں اس قسم کے بچوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے، عرب، جمہوریہ مصر میں ناجائز بچوں کا تناسب ایک فیصد سے بھی کم ہے۔ مسلم ملکوں میں تعداد ازدواج کا رواج ہے اس لئے وہاں ناجائز ولادتوں کا بازار گرم نہیں ہے۔ (ہندوستان ٹائمز۔ ۱۲ ڈسمبر ۱۹۲۰ء) اسلام نے فواحش کے انسداد کے لئے تعدد ازدواج کی راہ کھلی رکھی ہے، تاکہ کوئی اپنا شخصی سماجی مصالح کے پیش نظر ایک سے زیادہ عورت سے متعلق پر اپنے آپ کو مجبور پائے تو وہ شرعی، اخلاقی اور سانونی حدود میں رہ کر نکاح کے ذریعہ اسے اپنی حرم میں داخل کرے اور عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو قبول کرے، عدل وانصاف کے ساتھ تمام بیوی بچوں کے حقوق ادا کرے اس صورت میں اسکی تمام بیوی اور بچوں کو سماج میں عزت کا مقام حاصل ہوگا، انگلینڈ کے مشہور اخبار۔ ڈیلی میل۔ نے تعدد کے موضوع پر ایک مقالہ شائع کیا اور کھل کر مطالبہ کیا کہ انگلینڈ میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔ اس مشکل کا واحد حل ہے کہ کہ تعدد ازدواج کی اجازت دی جائے۔ ایک طرف مغرب کے سنجیدہ مفکرین و اہل علم کے یہ تاثرات اور نظریات ہیں۔ وہ مغرب میں رونما ہونے والی تکلیف دہ صورت حال سے بیزار ہو کر تعدد ازدواج کو نافذ کئے

جانے کا مشورہ دے رہے ہیں تو دوسری طرف مشرقی یک زوجگی کے حامی ہیں جو مغرب کی اندھی تقلید میں تلخ تنائج سے آنکھیں بند کرکے تعدد کی مخالفت کر رہے ہیں اور مشرقی ممالک کو بھی جنسی جرائم کے اس سیلاب میں ڈالنا چاہتے ہیں جس میں پورا مغربی معاشرہ بہہ رہا ہے۔

مغرب میں زنا و فواحش کی یہ کثرت اور ناجائز ولادتوں کی گرم بازاری در اصل نتیجہ ہے الٰہی نظام اور آئین فطرت سے انحراف کا، یہ تلخ تجربات و نتائج اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ انسان اپنی حماقت سے اسلامی شریعت اور قوانین قدرت سے خواہ کتنا ہی انحراف کرے، مگر ناکامی کا تجربہ کرلینے کے بعد بالاخر اسے دین فطرت کی طرف لوٹنا ہے اور انہی قوانین کی برتری تسلیم کرنی ہے۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ وصحبہ و من تبعھم باحسان الی یوم الدین

حواشی و مراجع:

(۱) ھزی ماسیہ۔ قرآن عورتوں پر مہربان نہیں ہے۔ عن الاسلام۔

(۲) گولڈ زیہر یہودی۔ عورتیں جانوروں کی طرح زندگی گذار رہی ہے کیونکہ آدمی چار تک شادیاں کر سکتا ہے

(۳) ان اللہ لا یحب الذواقین من الرجال و لا الذواقات من النساء، طبرانی، دیلمی

(۴) فالان باشروھن واتبعوا ماکتب اللہ لکم،

(۵) ان رجلا قال یارسول اللہ، فلانة جمیلة وھی لاتلد، افاتزوجھا، قال لا تزوجوا الولود الودود فانی مباہ بکم الامم، ابوداؤد، نسائی

(۶) لاتقوم الساعة حتی یکون الرجل قیما علی اربعین امراة۔

○ ○ ○

اسلام اور نظام وراثت

مولانا ڈاکٹر محمد سیف اللہ صاحب
شیخ الادب جامعہ نظامیہ

"الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا" یہ آیت کریمہ اسلام کے ایک مکمل دین ہونے پر دال ہے ۔اس کا مطلب یہی ہوا کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کی ہر میدان میں برابر رہنمائی کی ہے کہیں بھی اپنے ماننے والوں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا ہے پیدائش سے لیکر مرگ تک بلکہ اس سے پہلے ہی سے یعنی ایک اچھے باپ اور ایک اچھی ماں کے انتخاب سے لیکر داعی اجل کو لبیک کہنے تک اور اس دوران دنیائے فانی میں ایک ایسی کامیاب زندگی بسر کرنے کے ساتھ ساتھ توشہ آخرت کی تیاری تک رہنمائی کی ہے وہیں اس نے ایک بہترین صالح معاشرہ کو معرض وجود میں لانے کیلئے عائلی مسائل کو بڑی اہمیت دی ہے اور اعضاء اسرہ کے مفاد کو اسطرح ایک دوسرے سے مربوط کردیا ہے کہ محبت و قرابت کا باہمی رشتہ کبھی منفک نہ ہو۔اور اس کے لئے جن اسباب کا انتخاب کیا ہے منجملہ ان کے ایک نظام وراثت ہے ۔ زندگی میں اگر خاندان کا کوئی بھی شخص افلاس و غربت سے دوچار ہوجائے تو دوسرے اشخاص پر اس کے بود و باش کو فرض قرار دیا ہے ۔اسی طرح اس دار فانی سے کوچ کرنے کے بعد مرحوم کے قریبی رشتہ داروں میں اسکی مال و دولت منقولہ وغیر منقولہ جائداد کو تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ حیات و ممات میں خاندان کے مفاد اس طرح باہم پیوست رہے کہ فراق کا خیال ہی ان میں راہ نہ پاسکے خاندان کے اتحاد کو برقرار رکھنے کیلئے نظام وراثت میں قرابت کا اصول پیش نظر رکھا گیا ہے ۔میراث میں حصہ ملنے نہ ملنے اور اسکی کمی و بیشی ہونے میں رشتہ کے قرب و بعد کا بہت بڑا دخل ہے دوسرا اصول ضرورت ہے یعنی قریبی رشتہ داروں میں حصہ کے کم یا زیادہ ہونے میں ضرورت کو مدار بنایا ہے ۔ضرورت و ذمہ داری کے لحاظ سے اس کا حصہ طے کیا گیا ہے مثال کے طور پر مرحوم کے والدین اور اسکی اولاد کی قربت ایک درجہ کی نوعیت رکھتی ہے ۔لیکن اولاد جن کو زندگی کا سفر آغاز در پیش ہے اور اسکی ضرورت بہ نسبت والدین کے کہیں زیادہ ہوتی ہے کیونکہ والدین جو اس طویل سفر کی آخری منزل میں قدم رکھ چکے ہیں ۔چراغ سحر ہیں

قانون وراثت کے بارے میں واضح کیا گیا ہے کہ اسلامی قانون وراثت کے وہ معاشی پہلو جن کو ۔قرآن کریم ۔فقہ اسلامی کے قابل تقلید شعبے سے تعبیر کیا ہے ۔ دنیا کی تقسیم دولت کے نظام میں بے نظیر ہے ۔اسلامی قانون وراثت کا میدان یہی ہے کہ دولت کے بڑے بڑے فرق اور اختلاف کو رد کیا جائے اور اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دولت کا بہت سوں میں تقسیم ہونا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ گنتی کے کچھ لوگوں میں اس کا بڑا حصہ محدود ہوکر رہ جائے ۔

وراثت کی اہمیت :۔ میراث وہ مال وہ جائداد ہے جو کسی کے مرنے پر خواہ شرعا اسکے ورثہ پر تقسیم ہو یا وصیت کے ذریعہ سے کسی اور کو ملے ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ جانا بہتر ہے بہ نسبت اسکے کہ انھیں

نادار چھوڑا جائے اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ " انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تذرھم عالۃ یتکففون الناس " (بخاری پ ۹ کتاب الوصیت، بخاری پ ۲۷ کتاب الفرائض، مسلم ابوداؤد) میراث کے قواعد مرحوم اور زندہ رہنے والے دونوں کیلئے اہمیت کے حامل ہیں اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " تعلموا الفرائض و علموھا الناس فانھا نصف العلم (سراجی) فرائض (علم کے قواعد کو سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ وہ نصف علم ہے) جہاں تک معاشرہ میں عدم مساوات کا تعلق ہے اس کی ابتداء دولت کی غیر مساویانہ تقسیم ہی سے ہوتی ہے اسی لئے وراثت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ پروفیسر ٹاسگ، ارونگ فشر اور ڈاکٹر کیانن کا کہنا ہے کہ غیر مساوی میراث عدم مساوات کا ایک اہم سبب ہے (سرجو ویجوڈ: اکنامکس آف ان ھیری ٹیس باب ۳ ص ۸۳) پروفیسر ٹاسگ نے لکھا ہیکہ میراث کا اثر بہت بڑا ہے، یہ بات عیاں بیاں ہے کہ صرف یہی مالدار اور نادار کے درمیان ہمیشہ رہنے والی خلیج کو وسیع کرتی ہے (Principles of Economic V.. / P246) غرض میراث، زمین اور اجارہ یہی تین طریق ہیں جن سے کافی محنت و کوشش کے بغیر بڑی بڑی دولتیں افراد کے ہاتھ لگ جاتی ہیں تو ان کی ہر طرح اصلاح کرنی چاہئے کہ تقسیم دولت بہت زیادہ مساوی رہے (علم المعیشت حصہ سوم، باب چہارم ص ۲۶۷ پروفیسر اکیامی ہرنی۔)

فان کریمر نے فقہ اسلام کو بے انتہاء جدت آمیز شعبے سے تعبیر کیا ہے اور سٹر ریمز اپنی کتاب Mohammaden Law کا حسب ذیل الفاظ سے شروع کیا ہے۔

اسلام کا قانون وراثت جو اب تک مہذب دنیا کو معلوم ہوتے ہیں ان میں زیادہ معقول اور مکمل اصول پر مبنی ہے، اسکی خوبیاں اور اس کا تناسب ایسا ہے کہ یہ نہ صرف قانون ساز حضرات کیلئے قابل تحصیل ہے جن کو آئے دن ان فن کی ضرورت پڑتی ہے بلکہ ان کیلئے بھی علم کو تعلیم کی خاطر حاصل کرنا چاہتے ہیں اور نیز ان لوگوں کیلئے بھی جن کا مطمح نظر عقلی تفریح ہے (ریمزے Mohammeden Law) مرنے کے بعد مرنے والے کا متروکہ مال ورثاء اور ادصیاء کو ملتا ہے اور وہ اسکے مالک بن جاتے ہیں اسمیں چونکہ متوفی کیلئے روحانی اجر و ثواب موجود ہوتا ہے کیونکہ وہ یہ جانتے ہوئے کہ میری وفات کے بعد میرا مال و متاع میرے ورثاء کو مل جائیگا جن کا مجھ سے خونی رشتہ اور قرابت کا تعلق ہے وہ اپنی ذاتی ضرورت سے زیادہ مال کماتا اور جمع رکھتا ہے تو اس میں صلہ رحمی اور ہمدردی و خیر خواہی کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے جو قرآن و حدیث کی رو سے بڑے اجر و ثواب کا کام ہے اب رہا ورثاء میں سے والدین بیوی بچے تو زندگی میں بھی ایک شخص ان کے معاش کا کفیل ہوتا ہے اور روٹی روزی کماتا اور چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد میرا مال و متاع والدین، اولاد بہن بھائیوں کو ملے جو زندگی میں اسکے دکھ سکھ راحت و تکلیف کے ساتھ رہے ہیں اور مشکل حالات میں اسکے شانہ بشانہ رہے ہیں لہذا مرنے کے بعد مرحوم کے ورثاء کو اسکا جو مال ملتا ہے وہ اسکی مرضی کے عین مطابق ہوتا ہے اسی طرح ایک شخص زندگی کے صلہ کے طور پر کرتا ہے یا بطور احسان و ہمدردی کے کرتا ہے

بہر حال یہ بھی اس کا نیک عمل ہوتا ہے جس پر اسکو اللہ کے پاس اجر ملتا ہے اور اسمیں اسکی حقیقی رضا و رغبت پائی جاتی ہے جو اس شخص کو اس چیز کا حق دار بنادیتی ہے جس کے لئے وہ وصیت کرتا ہے۔

"للرجال نصیب مماترک الوالدین والاقربون وللنساء مماترک الوالدان والاقربون مماقل منه او کثر نصیبامفروضا"

فائدہ: اس قوت قدسی نے سینکڑوں ہزاروں برس کی پرانی رسموں کو ایک لفظ سے نیست و نابود کر دیا۔ دنیا بھر میں عورت پہلے وارث شمار نہیں کی جاتی تھی جبکہ اسلام نے ۱۴۰۰ سال پہلے خواتین کو وراثت حق دیا اور ان کے حصوں کو قرآن حکیم نے مقرر فرمادیا۔ ماں باپ یا قریبی رشتہ دار جو کچھ چھوڑا کرے ان میں مردوں اور عورتوں کا حق و حصہ شریعت کے طے شدہ ضابطہ کے مطابق ہوگا چاہے وہ وارث چھوٹا ہو کہ بڑا، امیر ہو یا غریب وطن میں ہو کہ سفر میں " للرجال و للنساء " نومولود بھی وہی حق و حصہ پائیگا جو اس کا ۷۰ سالہ بڑا بھائی پاتا ہے یہاں تک کہ جو بچہ یا بچی ابھی حمل میں ہے اس کا بھی وہی حصہ ہے جو اسکے بڑے بھائی کا ہوتا ہے چنانچہ ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے "عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استهل الصبی صلی علیه وورث (ابن ماجه والدارمی من مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بچہ پیدا ہونے کے بعد جب اس میں زندگی کے آثار ملیں وہ مرگیا تو اسکی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور وہ وارث بھی ہوگا۔ اس حدیث سے ایک اور بات کا پتہ چلتا ہیکہ جب وہ وارث ہوگا تو اس کے وفات کے بعد اسکے حصہ میں بھی میراث تقسیم ہوگی۔

مراقی الفلاح میں آتا ہیکہ " ومن استهل ان وجد منه حال ولادته حیاة بحرکة او رصوت قدخرج اکثره وصدره ان نزل براسه مستقیما وسرته ان خرج برجلیمنکوساسمی وغسل، وکفن کماعلمته، وصلی علیه، وورث ویورث.

نکتہ للرجال وللنساء۔ اللہ تعالی نے جنین کو بھی "للرجال وللنساء" سے تعبیر فرمایا یعنی اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگرچیکہ وہ چھوٹے ہیں مگر حصہ میراث میں بڑوں کے برابر ہیں

جنین کا حصہ کتنا ہوگا؟ (۱) تقسیم میراث کو تاوقت ولادت ملتوی کیا جائے یا جنین کو لڑکا سمجھ کر ترکہ نکالا جائے اگر لڑکا تولد ہوا تو ٹھیک ہے ورنہ بچی ہوئی رقم تمام ورثاء دوبارہ انکے حصہ کے مطابق تقسیم کردی جائے گی

جنین کی پیٹ میں مرجانے کی صورت۔ اما الفضل بفعل بان ضرب بطنها والقت جنینا میتا فانه یرث ویورث لان الشارع لما اوجب الغرة علی الضارب فقد حکم بحیاته۔

وجوہات: اسلام نے میت کی جائداد میں حق داروں کے حصے اس لئے مقرر کئے ہیں کہ حق داروں کے حقوق محفوظ رہیں ۱۔ اگر میت کے اقرباء اور والیوں میں سے کل جائداد ایک ہی شخص کو اختیار کلی دیا جائے ۲۔ اور دوسرے اقرباء کے حصے اس میں مقرر نہ ہوں تو اکثر ایسے افراد ہوتے ہیں کہ جائداد کو اپنی ذاتی اغراض میں اڑادیتے ہیں اور اپنے فوائد و اغراض وعیش کے سوائے حق داروں کو خرچ دینے تربیت کرنے اور اسکے حصوں کی پرواہ نہیں کرتے ۳۔ اور جائداد میں ظالمانہ تصرف شروع کردیتے ہیں۔

یہاں تک کہ سارے ترکہ کو عیش و عشرت میں اڑا دیتے ہیں لہذا خدا تعالی نے ان ظالمانہ کاروائیوں کو روکنے اور انکے انسداد کیلئے جائداد میں ہر ایک حقدار کے حصے معین و مقرر فرمادیئے تاکہ ایک ہی شخص دوسرے حقداروں کے حصوں کو اپنی اغراض میں خورد برد نہ کرسکے بلکہ حصوں کے مطابق جائداد سب اہل حقوق لے کر اپنے اپنے حصہ سے آزادی کے ساتھ فائدہ اٹھاسکے۔

حقیقت تقسیم میراث: اصول میراث کا مدار تین امور پر ہے۔ایک قومیت کے بعد اسکی جگہ۔اسکی عزت اور مرتبہ میں اور وہ باتیں جو اس قسم کی ہیں ان میں اس کا جانشین ہوجائے کیونکہ انسان کی اس بات میں بڑی کوشش ہوتی ہے۔کہ اسکے بعد اس کا کوئی قائم مقام رہے دوسرا خدمت۔غم خواری،محبت اور شفقت اور جو باتیں اس قبیل کی ہیں۔تیسرا قرابت جو ان دونوں باتوں پر مشتمل ہے اور تینوں میں زیادہ تر اسی تیسری بات کا اعتبار مقدم ہے اور پورے طور پر ان سب کا محل وہ شخص ہے جو نسب کے عمود میں داخل ہے یعنی یہ جن سے پیدا ہوا یا اس سے وہ۔مثلا باپ،دادا،بیٹا اور پوتا یہ لوگ سب سے زیادہ وراثت کے مستحق ہیں۔مگر طبیعت افساد کے اعتبار سے کہ جس پر زمانہ در زمانہ دنیا کی بناء ہے۔بیٹا،باپ کا قائم مقام۔اور اس کی لوگوں کو تمنا اور امید ہوا کرتی ہے۔اسی کی خاطر نکاح کرتے ہیں اور اولاد پیدا ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔اس کا الٹ یعنی باپ کا بیٹے کا قائم مقام ہونا وضع طبعی کا مقتضی نہیں۔اور نہ لوگوں کو اسکی آرزو اور امید ہوتی ہے کہ میرے بعد میرا باپ میری جگہ ہو کہ حتی کہ اگر کسی شخص کو اسکے مال میں اختیار دے دیا جائے تو یقینا اسکے دل پر اولاد کی غم خواری،باپ کی غم خواری پر غالب ہوگی۔اس واسطے تمام لوگوں کا دستور ہے کہ اولاد کو باپ پر مقدم سمجھتے ہیں۔اور قائم مقام ہونے کا احتمال بھائی میں ہے۔اور پھر جو اسکے مانند بمنزلہ قوت بازو کے ہیں اور اسکی قوم اور اسکے نسب ہیں۔

باقی رہی خدمت: اور شفقت تو اس کے پہلے گمان کی جگہ قرابت قریبہ والی عورت ہے اور سب سے زیادہ ماں اور بیٹی خدمت و شفقت میں اسکی مستحق ہیں اور جو ان کے مانند نانی،دادی،پڑنانی،پڑدادی،پوتی،پڑپوتی ہیں اور بیٹی بھی فی الجملہ باپ کے قائم مقام ہوتی ہے۔اور اسکے بعد بہنیں کہ یہ بھی قائم مقامی سے خالی نہیں،پھر جس عورت سے علاقہ زوجیت کا ہے۔وہ خادم ہوتی ہے پھر ماں شریک بھائی،بہن ان عورتوں کے بناء میراث صرف خدمت و شفقت یا مع القرابت،باقی عورتوں کے اندر حمایت اور قائم مقامی کے معنی نہیں پائے جاتے کیونکہ عورتیں بسا اوقات غیر قوم میں نکاح کرلیتی ہیں۔اور اسی قوم میں داخل ہوجاتی ہیں۔ہاں البتہ بیٹی اور بہن میں کسی قدر یہ معنی پائے جاتے ہیں اور اس امر کی پہلے گمان کی جگہ بہت قریب کی قرابت ہے۔جیسے ماں اور بیٹی پھر بہن۔امر اول یعنی میت کی قائم مقامی کامل طور پر باپ اور بیٹے میں پایا جاتا ہے۔اور ان کے بعد بھائی پھر اور چچا میں۔اور امر ثانی یعنی شفقت سب سے زیادہ باپ میں اور بیٹے میں پایا جاتا ہے۔علی ھذا القیاس باقی رشتہ دار وغیرہ ہیں۔چونکہ اصل وجہ قرابت ہے۔اور قرابت انسان کے اپنے اختیار کی چیز نہیں۔اللہ نے بنائی ہے۔تو انہی کے بنائے ہوئے حصوں سے ملنا چاہئے اور انہی کو معلوم ہے کہ (ایھم اقرب الیکم نفعا) کس کی قرابت کس درجہ کی اور کتنے کی حقدار ہے۔اور مرد و عورت جو قرابت قریبہ والے ہیں سب کو ہی ملنا چاہئے۔

مرد کو حصہ زیادہ کیوں؟: للذکر مثل حظ الانثیین: ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے اس پر عمل در آمد دو صورتوں میں ہوگا

پہلی صورت: یہ ہیکہ وارث میت سے بلاواسطہ جائز تعلق رکھتا ہو جیسے میاں بیوی (۲) دوسری صورت: یہ ہیکہ ورثاء رشتہ کے لحاظ سے ایک درجے کے ہوں اور میت کے سارے مال کے بحیثیت عصبہ (عصبہ ان ورثاء کو کہتے ہیں جو متعینہ حقوق کی ادائیگی کے بعد بقیہ تمام مال کے مالک ہوں) وارث ہوں، مثلا میت کی اولاد، بھائی، بہن وغیرہ۔ بظاہر ان دونوں صورتوں میں مرد و عورت کے درمیان مساوات نہیں برتی گئی اور مرد کے مقابلے میں عورت کی مالی پوزیشن کمزور کردی گئی ہے۔ لیکن اگر اسلام کے پورے خاندانی سسٹم پر غور کیا جائے تو حقیقت اسکے برعکس نظر آئے گی، اسلام نے عورت کی مالی حیثیت کو اسکی بعض فطری کمزوریوں کی بناء پر بہت زیادہ محفوظ اور مضبوط کردیا ہے جبکہ مرد کی اقتصادی حالت ہر آن غیر یقینی اور نا مستحکم ہے۔ اسلام اگر وراثت میں عورت کا آدھا حصہ مقرر کرتا ہے تو دو طریقوں سے اسکی تلافی بھی کرتا ہے ایک تو یہ کہ وہ بیوی کو شوہر سے مہر دلواتا ہے جس کی وہ بلاشراکت غیر کے حقدار ہوتی ہے اور دوسرے یہ کہ شادی میں جو مال و زیور اور تحائف دیئے جاتے ہیں ان کا بھی عورت ہی کو مالک قرار دیتا ہے جبکہ اسلام پورے خاندان کی معاشی، تعلیمی اور تربیتی ذمہ داری اصلا مرد پر ڈالی ہے خاص طور سے معاشی ذمہ داری جس سے عورت بالکیہ مستثنی ہے، یہی نہیں بلکہ وہ عورت کا معاشی بار بھی س شادی سے پہلے سر پرست کو اور شادی کے بعد خاوند کو اٹھانے پر مجبور کرتا ہے ایسی صورت میں دونوں کو وراثت میں مساوی حقوق دینا کس طرح قرین عقل و انصاف ہوسکتا ہے

عورت کا حصہ کم کیوں؟: وراثت کے ذریعہ تقسیم دولت کا جو اصول اسلامی شریعت نے دیا ہے اس میں بنیادی بات یہ ہیکہ عورت کو مرد کا آدھا حصہ ملے گا (اس میں بعض اسباب کی بناء پر صرف اخیافی بھائی بہن اس سے مستثنی ہیں) ایسا کیوں: اس سلسلہ میں چند باتیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے

(۱) شریعت اسلامیہ میں عورت اپنی معاشی ضروریات کی طرف سے بالکل بے نیاز رکھی گئی ہے اسکی ذمہ داری یا تو باپ پر ہوگی یا دوسرے قریبی اعزہ پر یا شوہر پر۔ ارشاد باری تعالی ہے "علی الموسع قدرہ و علی المقتر قدرہ" (سورہ البقرۃ ۲۳۶) خوشحال آدمی اپنی استطاعت کے مطابق اور غریب آدمی اپنی استطاعت کے مطابق معروف طریقے سے نفقہ دے، عورت کو مختلف ذرائع سے جو کچھ دولت پہونچتی ہے اس میں، ملکیت، قبضہ اور تصرف کے تمام تر اختیارات اور حقوق اسے دئے گئے ہیں جن میں مداخلت کرنے کا اختیار نہ اسکے والد کو حاصل ہے نہ شوہر کو اور نہ ہی کسی اور کو مداخلت کرنے کا اختیار ہوسکتا ہے اسکے علاوہ اگر وہ کسی تجارت میں اپنا روپیہ پیسہ لگا کر یا محنت کر کے کمائے تو اسکی مالک بھی مکمل طور پر وہی ہے، ان سب کے باوجود اس کا نفقہ ہر حال میں اسکے شوہر پر واجب ہے، اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو نفقہ نہ دے تو اسکی دو وجہیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ وہ استطاعت نہیں رکھتا دوسری یہ کہ استطاعت کے باوجود نہیں دیتا انکی تفاصیل کتب میں مفصلا ہے (۲) اسی طرح شوہر عورت کو مہر دیتا ہے، اسکے علاوہ رہنے کی جگہ دیتا ہے اسکے لئے کھانے پینے اور علاج و معالجہ کے انتظام کی ساری ذمہ داری شوہر

کے اوپر ہے (۳) اس کے بچوں کی اور اعزہ و اقارب کی کفالت کی اصل ذمہ داری مرد کے اوپر رکھی گئی (۴) بچوں کی معاشی کفالت کے ساتھ ان کی تعلیم و تربیت کا سارا خرچ برداشت کرنا یعنی مرد کو اگر دوہرا حصہ ملتا ہے تو اسکی معاشی ذمہ داری بھی عورت کے مقابلہ میں کئی گناہ زیادہ ہے اور عورت کو جو کچھ ملتا ہے اس میں اسکی ذات کے علاوہ کوئی ذمہ داری نہیں اس پر نہ بچوں کا خرچ ہے اور نہ اپنا خرچ، زیادہ سے زیادہ اپنا صدقہ اور زکوۃ ادا کرے مذکورہ بالا حقائق کے باوجود اسلامی شریعت نے لڑکے کو وراثت میں صرف دوگناہ اور لڑکی پر عطا بخشش رحم و کرم فضل و احسان کی چادر ڈال دی اور اسکو اسکے تصور سے کہیں زیادہ عطا کردیا یہی وجہ ہیکہ وہ لڑکے سے زیادہ خوشحال اور مزے میں رہتی ہے اور ایسا ہونا ہی تھا، کیونکہ وہ مرد کے شریک ہو کر وراثت پاتی ہے مگر اس پر کوئی ذمہ داری نہیں، اسلامی شریعت نے عورت کو اسکے خاوند کی موجودگی میں اس امر کا مکلف نہیں بنایا کہ وہ اپنا مال و دولت اولاد پر خرچ کرے یہاں تک کہ اپنی ذات پر بھی خرچ کرنے کی مکلف نہیں بنائی گئی چاہے وہ مالدار ہو اور کسی ملک کی رانی کیوں نہ ہو اور اگر شوہر کو دیکھا جائے تو وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت، اور اپنی بیوی بچوں کے روٹی کپڑا مکان اور بچوں کا علاج معالجہ یہ تمام ذمہ داری مرد پر ہے چنانچہ حکم ہے " وعلی المولود رزقھن و کسوتھن بالمعروف " (سورہ بقرۃ ۲۳۳)

یتیم پوتے کا کیا ہوگا؟: بہت سے ایسے مواقع بھی آتے ہیں کہ ایک شخص کے چند بیٹوں میں سے ایک کا انتقال اسکے سامنے ہوا اور اسکی اولاد یتیم و مسکین رہ گئی، دادا کی وراثت کو چچا تاؤں نے بانٹ کھالیا تو ان کے گذارہ کی کیا صورت ہوگی؟ پہلے تو شریعت کے ضابطہ وراثت میں دادا کو صرف حق ہی نہیں بلکہ قرآن و حدیث نے جگہ جگہ اسکی ترغیب دی ہے کہ ایسے غریب رشتہ داروں کا خیال رکھے جو قرآن و سنت نے یتیموں کی کفالت کا مستقل قانون کے ذریعہ انتظام کیا ہے کسی مرنے والے کی میراث کے موہوم حصہ پر ان کو نہیں چھوڑا وہ قانون یہ ہے

الف: یتیم پوتے پوتیوں کی تمام ضروریات کی کفالت جب تک دادا زندہ ہے اس کے ذمہ ہے اگر وہ اس میں کوتاہی کرے تو حکومت جبراً اس سے وصول کرکے یتیموں کا حق ادا کردے گی

ب: دادا کے انتقال کے بعد ان کی تمام ضروریات کی ذمہ داری ان کے رشتہ داروں پر درجہ بدرجہ ہوتی ہے جوان بچوں کے شرعی وارث ہوسکتے ہیں مثلاً چچا، تایا، ماموں وغیرہ اور ان میں سے ہر ایک پر ذمہ داری اپنے اپنے حصہ وراثت کے تناسب سے ہوگی قرآن کریم کا ارشاد ہے " وعلی الوارث مثل ذلک " اور یہ چچا تایوں یا ماموں کا کوئی احسان و تبرع نہیں بلکہ ان پر شرعاً لازم و واجب ہے

ج: دادا مفلس ہو تو دوسرے قریبی رشتہ داروں پر بقاعدہ " الاقرب فالاقرب "

د: کوئی بھی رشتے دار ذمہ داری اٹھانے کے قابل نہیں تو ذمہ داری حکومت پر ہوگی ہ. اگر دادا نانا کی میراث ہی میں سے یتیم پوتوں و نواسوں کو حصہ دلانے پر کسی کو اصرار ہو تو اسکی بھی جائز صورت یہ ہے کہ جب ان کے کسی لڑکے یا لڑکی کا انتقال ہو تو اولاد دادا نانا خود ہی ان

یتیموں کا خیال کرکے ایک تہائی مال کے اندر بقدر مناسب ان کو فوری طور پر ھبہ کردیں یا مرنے کے بعد کے لئے وصیت کردیں اگر وہ خود نہیں کرتے تو یتیموں کے دوسرے اعزاء واقارب دادا نانا کو اس طرف توجہ دلائیں کہ وہ ان کے لئے وصیت کے ذریعہ مناسب حصہ مقرر کریں

وارث کیلئے کوئی وصیت نہیں " عن ابی هريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول فی خطبة عام حجة الوداع ان الله قد اعطى كل ذی حق حقه فلا وصية لوارث " وصیت: انگلستان کے قانون کے رو سے ایک انگریز اپنی آخری وصیت اور دستاویز کے ذریعہ اپنی کل جائداد جسکو دینا چاہے دے سکتا ہے (اکنالک آف ان ہریٹنس باب ۴ ص ۹۰) اسی طرح دیگر ادیان میں بھی ہے مگر اسلام نے وصیت کی حد مقرر کردی ہے وصیت اسلامی شریعت میں ۱/۳ سے زیادہ نہیں اگر کوئی حج کی وصیت ہو تو وہ بھی ۱/۳ کے اندر ہونا چاہیے

متبنی: دور جاہلیت میں اگر کسی کو اولاد نرینہ نہ ہوتی تو وہ کسی کو گود لے لیتا اور اپنی تمام دولت اپنے لے پالک کے لئے چھوڑ جاتا۔ اسلام نے مسلمانوں کو متبنی بنانے سے روکا ہے کیونکہ لے پالک کو اسطرح دولت دے دینے سے خاندان محروم رہکر دولت میں جمود پیدا ہوجائے اور کئی پیچیدگیاں پیدا ہوتیں جیسے اگر وہ لے پالک اپنی اس پرورش کرنے والی ماں کا مدت رضاعت میں دودھ نہ پیا ہو تو اس ماں کو اور اسکی لڑکیوں کو اس لے پالک سے پردہ کرنا ہوگا ایسے ہی لے پالک لڑکی کا مسئلہ ہوگا

متبنی اپنے ماں باپ کے متروکہ سے محروم نہیں ہوتا اور نہ اسکو پرورش کرنے والے کے متروکہ سے کوئی تعلق ہوتا ہے شریعت میں یہ اپنے ماں باپ کا لڑکا کہلاتا ہے پرورش کرنے والے نہیں جیسا کہ سورہ احزاب کی آیت کریمہ (وما جعل ادعیائکم ابنائکم) سے ثابت ہے۔

شرع میں متبنی کا کوئی حق نہیں، اگرچہ کہ ایام جاہلیت میں متبنی بھی متروکہ کا وارث بنائے جاتا تھا مگر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے محروم کردیا گیا اور یہ صراحت کی گئی کہ کسی کو محض بیٹا کہنے سے حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا بلکہ وہ اپنے باپ ہی کا بیٹا ہوتا ہے (فتاوی نظامیہ مفتی محمد رکن الدین رحمہ اللہ علیہ ص ۵۳۲ مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ)

عاق: کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اگر کوئی کسی وارث کو عاق کرکے مرجائے اور میراث چھوڑ جائے تو اسلامی شریعت اسکو برابر حق دلائے گی)۔

ابائکم وابنائکم لاتدرون ایھم اقرب لکم نفعا": نفع ونقصان کی دو صورتیں ہیں ایک باعتبار دنیا دوسرا باعتبار آخرت

دنیاوی نفع: مثلا یہ کہ فلاں وارث ہماری خوب خدمت کریگا اکثر اوقات وہ دغا دے جاتا ہے اور دوسرا مخلص لوجہ اللہ یا محبت کی وجہ سے زیادہ خدمت کرتا ہے۔

اخروی نفع: یہ ہیکہ ہم کو یہ ثواب بخشا کرے گا یا آخرت میں شفاعت کرے گا اسلئے اسکو زیادہ دینا چاہئے کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ روزانہ مشاہدہ میں آتا ہے زید نے لڑکیوں کو بلکہ لڑکوں کو بھی محروم کرکے فلاں لڑکے کو بذریعہ ھبہ یا بیع نامہ

کر کے مالک بنادیا بس اب کیا ہے کیسے باپ کیسی ماں چپراسی سے بھی بدتر برتاؤ ہونے لگتا ہے کھانا پینا حتی کہ گھر میں رہنا بھی گراں گذرنے لگتا ہے لڑکا پھر بھی شرماں حضوری میں کہ میرا باپ ہے پھر سارے لوگوں کا حق و حصہ کاٹ کر مجھے تنہا لکھدیا ہے لحاظ کرتا ہے مگر اس کی بیوی محترمہ کا برتاؤ ایسا حقیرانہ رذیلانہ کی نقل کرتے بھی شرم آتی ہے بولی ایسی کہ زہر کا بھی تریاق ہوسکتا ہے مگر اسکی بولی کا علاج تو کیا ؟ تازندگی بھلایا نہیں جاسکتا آخر کار چاہے نہ چاہے بے چارہ لڑکیوں کے رو برو دروازے پر جاکر اپنی زندگی کے اخری اوقات گذارتا ہے جس کو کل اس نے اپنے مال وجائداد سے محروم کیا تھا۔ لیکن افسوس جب وہ خواب غفلت سے بیدار ہوا تو سب کچھ گنواں چکا تھا اب اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔

رہا آخرت کا معاملہ تو کبھی ایسا بھی برعکس ہوجاتا ہے جس سے یہ مورث بہت کچھ امیدیں وابسطہ رکھتا تھا وہ تو غافل ہوگیا، کام کاج کمانے کھانے پینے سے فرصت نہیں تو والد صاحب کی قبر کی کیا کوئی خبر لے۔

تفسیر مظہری ج ۲ صفحہ ۳۱ میں اس آیت کی تفسیر کچھ اس طرح کی ہے " ای لا تعلمون من انفع لکم من الاصول والفروع فی الدنیا و الاخرۃ، وعن بن عباس ان النبی قال اذا دخل الرجل الجنۃ یسئل ان ابویہ و زوجتہ و ولدہ فقال انھم لم یبلغوا درجتک و عملک فقال یا رب انی قد عملت لی و لھم فیؤمر بالحاقھم بہ "

یعنی لوگوں تم نہیں جانتے کے دنیا و آخرت میں اصول و فروع میں تمہارے لئے کون زیادہ نفع بخش ہے اور اس پر حضرت ابن عباس کی روایت نقل فرماتے ہیکہ رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی جنت میں داخل ہوجائیگا تو وہ اپنے والدین اور اپنی بیوی و اولاد کو یاد کرے گا اور پوچھے گا کہا جائیگا کہ وہ لوگ تمہارے درجہ اور تمہارے عمل تک نہیں پہونچ سکے اس لئے تمہاری اور ان کی ملاقات کیسے ہوگی تو کہیگا اے رب میں نے جو کچھ نیک عمل دنیا میں کیا ہے اپنے لئے اور ان لوگوں کیلئے کیا ہے تو ان کے والدین و اولاد اور بیوی کو ان کے ساتھ جنت میں داخل کردیا جائیگا

اس دور پر فتن میں جن بہت سے احکام الہی کی خلاف ورزی ہورہی ہے انہی میں سے ایک حکم شرعی کے مطابق میراث تقسیم نہ کرنا ہے اس حکم پر عمل نہ کرنے والوں کیلئے قرآن وحدیث میں بہت سخت وعیدیں آئی ہیں چنانچہ باری تعالی نے احکام میراث بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے " ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ ویدخل نارا خالدا فیھا ولہ عذاب مھین " اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنہ یوم القیامہ " (رواہ ابن ماجہ والبیہقی)

یعنی جو کوئی اپنے وارث کے میراث کو کاٹے گا تو اللہ تعالی قیامت کے دن جنت سے اسکے حصہ کو کاٹے گا۔ وما علینا الا البلاغ

عقل وایمان ہیں رفیق دائمی　　　آنی جانی اور سب چیزیں ہیں بس

حقوق الاولاد

مولانا ڈاکٹر حافظ سید بدیع الدین صابری
(کامل جامعہ نظامیہ)
اسوسی ایٹ پروفیسر عربی (عثمانیہ)

" یایھا الذین امنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارا " الخ۔

اسلام کے سواء دنیا کے مذاہب میں حقوق العباد کا کوئی جامع تصور نہیں اور اسلام نے خاندانی نظام کو جو تقدس عطاء کیا ہے اس کی نظیر کسی اور مذہب میں نہیں ملتی جس کے حقوق وقوانین کتاب اللہ اور احادیث میں وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

ایک صالح اور پاکیزہ خاندان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عورت اور مرد کے آپسی بہتر تعلقات کے ساتھ ساتھ ماں باپ اور اولاد کے باہمی تعلقات نہایت ہی پاکیزہ اور خوشگوار ہوں اور یہ امر اسی وقت ممکن ہے کہ ہر ایک اپنے فرائض منصبی اور حقوق سے واقف ہو انہی حقوق میں درج ذیل سطور میں اولاد کے حقوق پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔

جس طرح اولاد پر فرض ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے حقوق ادا کریں اسی طرح ماں باپ پر لازم ہے کہ وہ بھی اپنی اولاد کے حقوق ادا کرنے سے غافل نہ رہیں۔

اولاد کے حقوق کی اصل بنیاد یہ ہے کہ اولاد اللہ کا عطیہ اور اس کی امانت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قدر کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا۔ " اکرموا اولادکم و احسنوا ادبھم " اپنی اولاد کا اکرام کرو اور ان کو اچھا ادب سکھاؤ (ابن ماجہ)۔ اولاد کا اکرام یہی ہے کہ انسان اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ بچوں کی پوری دیکھ بھال کریں اور اللہ نے ان کو جن خطوط پر چلانے کا حکم دیا ہے انہیں خطوط پر چلایا جائے اور انھیں اللہ کی نافرمانی سے روکیں جو دخول جہنم کا سبب ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔ " یا ایھا الذین امنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارا " الخ اے ایمان والوں! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ (التحریم: ۶) قرآن کریم نے " نار " کا لفظ استعمال کر کے اس جانب ارشارہ کیا ہے کہ ان کو گناہوں سے اسطرح بچانا چاہئے جس طرح دنیا کی آگ سے بچایا جاتا ہے۔

بچوں کی پیدائش کے ساتھ ان کے حقوق کی ابتداء ہو جاتی ہے اس میں شک نہیں کہ افضلیت کے اعتبار سے ماں باپ کا حق سب سے اہم ہے لیکن ترتیب کے اعتبار سے اولاد کا حق مقدم ہے۔

کیونکہ جب بچوں کے حقوق کو ادا کیا جائے گا تو یہی بچے بڑے ہو کر ماں باپ کے حقوق کا لحاظ رکھیں گے چنانچہ یہ ترتیب فطری اور طبعی ہے۔ دنیا کی ابتداء اولاد کے حق کی ادائیگی سے ہوئی کیونکہ پہلا انسانی جوڑا حضرت آدم و حوا علیھما السلام نے بحیثیت ماں باپ سب سے پہلے اپنی اولاد کے حق کو ادا کیا کیونکہ ان کے والدین ہی نہیں تھے پھر ان کی اولاد کو حکم دیا گیا کہ وہ ماں باپ کے حق کو ادا کریں۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اولاد کے حق کی ابتداء اس کی پیدائش سے پہلے ہی کسی انسان کے اپنی بیوی کے انتخاب سے شروع ہوجاتی ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک فرزند کے سوال کے جواب میں کہا کہ بچہ کا باپ پر کیا حق ہے ؟ فرمایا کہ اس کی ماں کے انتخاب میں سوچ سمجھ سے کام لے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے مال اور اس کے نسب اور اس کی خوبصورتی کے مقابلہ میں دیندار عورت کے انتخاب کی تاکید فرمائی کیونکہ ماں کی گود بچہ کا سب سے پہلا مدرسہ ہے۔ اس کے اخلاق وعادات کا بچہ پر اثر پڑتا ہے۔

اولاد کا دوسرا حق یہ ہے کہ ماں باپ فقر وفاقہ یا کسی اور وجہ سے انھیں زندہ رہنے کے حق سے محروم نہ کریں بلکہ وہ اپنے خداداد علم سے کام لے کر رب کے پیدا کردہ رزق کے وسائل کا پتہ لگائیں۔ اللہ تعالی نے جاہلیت کی زندہ درگور کرنے کی رسم کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا" ولا تقتلوا اولادکم خشية املاق نحن نرزقهم و ایاکم ان قتلهم کان خطا کبیرا "اپنے لڑکوں کو افلاس محتاجی کے خوف سے قتل مت کرو ہم انھیں اور تم کو روزی دیتے ہیں۔ بیشک ان کا قتل بڑی خطا ہے۔ (بنی اسرائیل ۳۱)۔

ماں باپ پر اپنے نومولود بچے کا تیسرا حق یہ ہے کہ اس کے سیدھے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائیں تاکہ شیطان کی دعوت سے پہلے اس کے کانوں کے ذریعہ دل ودماغ تک توحید ورسالت کی دعوت پہنچ جائے کوئی یہ شبہ کرسکتا ہے کہ جب بچہ بے خبری کی منزل میں ہوتا ہے تو اس عمل کا کیا فائدہ؟

پہلا فائدہ تو یہ ہیکہ بچہ کو شیطان کے خلل سے محفوظ رکھا جائے، دوسرا یہ کہ ماں باپ کو اس بات کی تاکید ہے کہ بچے کے کانوں کو ہر بری بات سے محفوظ رکھیں تیسرا یہ کہ ان مبارک کلمات کے ذریعہ بچہ کے دل میں گویا ایمان و اسلام کا بیج بو دیا گیا۔ اگر آگے چلکر والدین اسلام کے آداب کے پانی سے اس بیج کو سیراب کریں گے تو وہ ایمان کی شاہ راہ پر آسانی سے دوڑے گا اور اگر ماں باپ توجہ نہ کریں تو یہ بیج پھل پھول نہ سکے گا۔

اذان و اقامت کے بعد تحنیک کرنا سنت ہے۔ تحنیک یہ ہے کہ خاندان کا کوئی نیک و بزرگ شخص کھجور یا میٹھی چیز چبا کر بچے کے تالو میں لگا دے تاکہ سب سے پہلے اس کے پیٹ میں پاک وطیب شئی داخل ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگ اپنے بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا کرتے تھے " فیبرک علیهم و یحنکهم " تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے برکت کی دعا فرماتے اور تحنیک فرماتے (مسلم)

اور اگر استطاعت ہو تو ساتویں دن عقیقہ کرنا مستحب ہے ورنہ بعد میں بھی کیا جاسکتا ہے جب بچے میں ذرا قوت برداشت پیدا ہو تو ختنہ کرائیں جو شعار اسلام ہے اور انبیاء کی سنت ہے قریب البلوغ ہونے تک تاخیر نہ کریں۔

بچوں کا والدین پر چوتھا حق یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کا اچھا نام رکھیں وہ نام جو معصیت یا غیر اسلامی یا سختی یا تکبر کے معنی پر مشتمل ہو نہ رکھیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حق الولد علی الوالدین ان یحسن اسمه و یحسن ادبه " بچہ کا ماں

باپ پر یہ حق ہے کہ اس کا نام اچھا رکھے اور اس کو حسن ادب سے آراستہ کرے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

بچے کا والدین پر پانچواں حق پرورش ہے جب تک وہ عام غذائیں کھانے کے قابل نہ ہوجائے ماں اسے دودھ پلائے اگر ماں کا انتقال ہوچکا یا طلاق ہوگئی تو باپ کا فرض ہے کہ اس کی رضاعت کا انتظام کرے خواہ اس کی ماں ہی سے درخواست کرے یا کسی اور عورت سے پلوائے اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔ والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ (البقرۃ۔ ۲۳۳)۔ باپ پر ضروری ہے کہ وہ اپنے وسائل اور امکان کی حد تک بہتر سے بہتر طریقے سے اولاد کی پرورش کرے اور ان کی زندگی کے قیام اور ان کے جسم کی نشوونما کے لئے جو کچھ ضروری ہے اس سے غفلت نہ برتیں۔

کلام الہی میں ماں باپ پر اولاد کے حق پرورش کی طرف اس دعاء میں اشارہ کیا گیا ہے جس کی تعلیم اولاد کو کی گئی ہے۔ " و قل رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا " اور کہہ اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انھوں نے میری بچپن میں پرورش کی۔ (بنی اسرائیل۔ ۲۴)

اولاد کا چھٹا حق یہ ہے کہ اپنی اولاد کی حلال کمائی سے پرورش کریں حرام کی کمائی سے خود بچیں اور اپنی اولاد کو بھی بچائیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ قیامت کے دن آدمی اس کے اہل و عیال پکڑلیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب اس سے ہمارا حق دلا یہ ہمیں حرام کی روزی کھلاتا تھا اور ہم اس سے واقف نہیں تھے۔ چنانچہ اس کی نیکیاں ان کو دلا دی جائے گی جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس شخص کے بارے میں یہ اعلان کردیا جائے گا۔" اکل عیالہ حسناتہ " یہ وہ شخص ہے جس کی نیکیاں اس کے بچوں نے کھالیا۔ (تفسیر روح البیان۔ ۱۰/ ۱۹)

جو کچھ والدین اولاد پر خرچ کریں خوش دلی سے خرچ کریں اولاد پر خرچ کرنا بھی باعث ثواب ہے کئی روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ ماں یا باپ کا اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا صدقہ یعنی نیکی ہے۔

حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے (جنھیں اپنے پہلے شوہر ابو سلمہ سے اولاد تھی) وہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں ابو سلمہ کے بچوں پر خرچ کروں تو مجھے ثواب ملے گا انھیں میں اس طرح (فقر کی حالت میں) نہیں چھوڑ سکتی کہ وہ میرے ہی بچے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ تم ان پر خرچ کروگی اس کا اجر ملے گا۔ (بخاری شریف)

حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سراقہ! کیا میں سب سے بڑا صدقہ نہ بتاؤ تو انھوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ابنتک مردودۃ الیک لیس لھا کاسب غیرک " تمھاری وہ بیٹی جو (خاوند کی وفات یا طلاق کے باعث) تمھاری طرف لوٹ آئی ہے اور تمھارے سواء اس کے لئے کوئی کمانے والا نہیں ہے۔ (متفق علیہ)

اولاد کا ساتواں حق یہ ہیکہ اپنی اولاد کی پرورش پیار و محبت سے کریں بچے اپنے ماں باپ سے صرف غذا کی احتیاج نہیں رکھتے ان کی نشو ونما کے لئے محبت و شفقت بھی ضروری ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسوں پر بے انتہا شفقت فرماتے تھے امام بخاری نے کتاب الادب میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو بوسہ لیا تو اقرع بن حابس نے کہا کہ میرے دس بچے ہیں میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا "من لا یرحم لا یرحم "جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ (متفق علیہ)

اور ایک روایت میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالی تیرے دل سے محبت سلب کرلی ہے تو میں کیا کروں (بخاری)

البتہ بچوں سے ایسا بے جا لاڈ پیار جو بچے کو بگاڑ دے جائز نہیں یہ بچے کے ساتھ شفقت و محبت نہیں۔ بچوں کی غلط حرکت پر ٹوکیں بعض ماں باپ یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ یہ ناداں بچے ہیں بچے نادان ہیں مگر ماں باپ تو نادان نہیں ماں باپ کا فریضہ ہے کہ حکمت عملی سے بچوں کو غلط بات سے نفرت دلائیں۔

علامہ اقبال اپنے لڑکپن کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے پاس ایک فقیر آیا جو جانے کا نام نہیں لیتا تھا اس پر مجھے غصہ آیا اور میں نے اسے مارا تو جو کچھ وہ مانگ کر لایا تھا وہ نیچے گر گیا میرے والد نے جب یہ منظر دیکھا تو ان کا رنگ زرد ہو گیا اور مجھے بلا کر کہا اے بیٹے! ذرا خیال کر کہ قیامت کے دن جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار ہوگا اور بڑے بڑے حافظ، غازی، شہید، زاہد عالم اور عاشقان الٰہی وغیرہ جمع ہوں گے تو یہ فقیر وہاں آکر فریاد کرے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پوچھیں گے کہ تمہیں گوشت کا ٹکڑا عطا کیا گیا تھا کیا تو اسے انسان نہ بنا سکا تو بیٹا بتا کہ اس وقت میں کیا جواب دوں نگا اے بیٹے! باپ پر ظلم نہ کر اور غلام کو اپنے آقا کے حضور شرمندہ نہ کر۔

یہی وہ حکیمانہ تربیت کا اثر تھا کہ یہی بچہ آگے چلکر قوم کا ایک عظیم آدمی ثابت ہوا بچوں کے نصیحت قبول نہ کرنے پر مارنے کی اجازت ہے لیکن ایسی شدت اختیار نہ کریں اور ایسا بے تحاشہ نہ ماریں بچے سدھرنے کے بجائے الٹے باغی نہ بن جائیں۔

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ نے ایک حکایت بیان کی ہے کہ ایک باپ نے اپنے بیٹے کو ڈنڈے سے مارا تو بیٹا بولا کہ ابا بے قصور نہ ماریئے اگر لوگ مجھ پر ظلم کریں تو میں ان کے ظلم کی فریاد آپ کے پاس کرسکتا ہوں لیکن جب آپ ظلم کریں تو کس کے پاس فریاد کروں۔

اولاد کا آٹھواں حق یہ ہے کہ انھیں مناسب وقت کے لئے کھیلنے کی بھی آزادی دی جائے ایسے کھیل جو ان کے لئے مضر نہ ہو جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسوں کو ان کے ساتھیوں کے ساتھ کھیلنے کی اجازت مرحمت فرمائے تھے۔

بخاری و مسلم کی روایت سے ثابت ہیکہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کم عمری کی وجہ سے شادی کے بعد

بھی اپنی سہلیوں سے کھیلا کرتی تھیں۔

ماں باپ پر لازم ہیکہ وہ اپنے بچوں کو خراب لڑکوں اور لڑکیوں کی صحبت میں کھیلنے اور اٹھنے بیٹھنے سے منع کریں کیونکہ صحبت اپنے اندر گہری تاثیر رکھتی ہے اسی طرح ناچ گانے سینماوغیرہ لغویات اور مخرب اخلاق کاموں سے خاص طور پر بچائیں۔

والدین پر بچوں کا نواں حق یہ ہیکہ وہ ان کے ساتھ انصاف سے کام لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اعدلو بین اولادکم، اعدلوا بین اولادکم" تم اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو تم اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو (نسائی)

بخاری و مسلم نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے ایک واقعہ نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ میرے والد مجھے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں نے اس لڑکے کو ایک غلام عطاء کیا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم نے ہر لڑکے کو اس طرح ہبہ کیا ہے تو میں نے کہا نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے واپس لے لو اور ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اتقو اللہ و اعدلوا فی اولادکم" اللہ سے ڈرو اور اپنے لڑکوں میں انصاف کرو، چنانچہ میرے والد نے اس کو واپس لے لیا۔

اسلام لڑکوں پر لڑکیوں کے ترجیح دینے کی عمل کو سخت ناپسند کرتا ہے قرآن مجید میں اہل جاہلیت کے اس فعل کی مذمت کی گئی۔ "و اذا بشر احدھم بالانثی ظل وجھہ مسودا وھو کظیم" اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی (کی پیدائش) کی خوشخبری دی جاتی تو اس کا سارا دن منہ سیاہ رہے اور دل گھٹتا رہے۔ (النحل۔۵۸)

لڑکیوں کی پرورش کو اپنے اوپر بوجھ خیال کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ احادیث میں ان کی تربیت اور پرورش پر جنت کی بشارتیں دی گئی ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ دو بیٹیاں تھیں اس نے سوال کیا اور میرے پاس ایک کھجور کے سواء کچھ نہ تھا میں نے اسے دے دی۔ اس نے اس کھجور کو اپنی دونوں بیٹیوں کے درمیان تقسیم کر دیا اور خود اس میں سے کچھ نہ کھایا پھر اٹھ کھڑی ہوئی اور چلی گئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے تو میں نے آپ کو یہ بات بتائی تو آپ نے فرمایا جو کوئی ان لڑکیوں کے بارے میں کسی آزمائش میں مبتلا ہو جائے (وہ ان سے حسن سلوک کرے) تو یہ لڑکیاں اس کے لئے جہنم کی آگ سے پردہ ہو جائیں گی (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من کانت لہ انثی فلم یئدھا ولم یھنھا ولم یوثر ولدہ علیھا ادخلہ اللہ الجنۃ" جس کی کوئی لڑکی ہو پھر وہ اس لڑکی کو زندہ درگور نہ کرے نہ اس کی اہانت کرے (ذلیل نہ سمجھے) اور نہ لڑکے کو اس پر ترجیح دے تو اللہ تعالی اسے جنت میں داخل کرے گا (ابوداد)

اولاد کا دسواں حق جو تمام حقوق میں سب سے بڑھ کر اہم ہے وہ تعلیم و تربیت ہے اور یہ حق بچوں کے بچپن سے لے کر

بڑی عمر تک ان کی زندگی کی مختلف مراحل پر حاوی ہے۔ نکاح کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد نسل انسانی کی بقاء کے ساتھ اس کی تعلیم و تربیت ہے انسان کا بچہ دوسری مخلوقات کے بچوں کی بہ نسبت بے چارہ اور عاجز ہوتا ہے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں بڑا وقت لیتا ہے جانوروں کے بچوں کے برخلاف انسانی بچے کی نشو ونما اتنی سست ہوتی ہے کہ اسے پالنے کیلئے سالہاسال کی محنت لگتی ہے اس طویل عرصہ میں والدین کو صرف بچوں کی جسمانی دیکھ بھال ہی نہیں بلکہ ان کی دینی اور اخلاقی تربیت کا بھی موقعہ ملتا ہے۔ اگر ماں باپ اس عرصہ میں فرض شناسی سے کام لے کر دین کی بنیادی باتیں اگر بچوں کے ذہن میں راسخ کر دیں تو وہ پتھر میں نقش کی طرح جم جاتے ہیں۔

دین کی بنیاد کلمہ طیبہ ہے جب بچہ بات کرنے لگے تو ماں باپ سب سے پہلے کلمہ سکھائیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" افتحوا علی صبیانکم اول کلمة بلا اله الا اللہ و لقنوھم عند الموت بلا اله الا اللہ (بیہقی فی شعب الایمان)۔

بچوں کی زبان سے سب سے پہلے لا الہ الا اللہ کہلواؤ اور موت کے وقت اسی کلمہ کی تلقین کرو بچوں کی دینی و اخلاقی تربیت کیلئے زندگی کا ابتدائی مرحلہ بہت اہم ہوا کرتا ہے۔ پودا جب تک نرم رہے تو اس کو جدھر چاہے موڑ لیا جاسکتا ہے۔

ایک ماہر اطفال حکیم سے کسی عورت نے پوچھا کہ بچے کی تربیت کس عمر سے شروع کرنی چاہئے تو حکیم نے پوچھا بچے کی پیدائش کے لئے ابھی کتنے دن باقی ہے عورت نے تعجب سے کہا آپ دن پوچھ رہے ہیں وہ چھ سال کا ہوچکا ہے تب حکیم نے کہا تو پھر آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔ تم نے پہلے ہی چھ سال تربیت کے ضائع کر دیئے ہیں فوراً چلی جاؤ اور تربیت شروع کرو۔ سب سے پہلے بچوں کو کھانے پینے کے آداب سکھائیں، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑوں اور بچوں کو یکساں طور پر ان آداب کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ جو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے فرزند اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیبت یعنی سوتیلے بیٹے تھے آپ نے فرمایا جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر پرورش تھا ایک روز کھانا کھاتے ہوئے میرا ہاتھ پیالے میں ادھر ادھر حرکت کر رہا تھا یعنی کبھی ادھر سے ایک لقمہ اور کبھی ادھر سے ایک لقمہ اٹھاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لڑکے! کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھو اور اپنے ہاتھ سے کھاؤ اور برتن کا جو حصہ تمہارے سامنے ہے وہاں سے کھاؤ اس کے بعد میرا طریقہ آپ نے ارشاد کے مطابق رہا۔

جس طرح باپ پر بچے کی جسمانی تربیت واجب ہے اسی طرح اس کی دینی تربیت بھی واجب ہے۔ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ما نحل والد و لدا من نحل افضل من ادب حسن" کسی والد نے اپنی اولاد کو حسن ادب سے بہتر تحفہ نہیں دیا (ترمذی)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باپ کا اپنی اولاد کو ادب کی کوئی بات سکھانا ایک صاع خیرات کرنے سے بہتر ہے۔ (ترمذی)

بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں قرآن کریم نے سورہ لقمان میں حضرت لقمان علیہ السلام کی جو نصیحت بیان فرمائی ہے وہ زندگی کے اہم گوشوں عقائد اعمال اور عبادات و معاشرت اور اخلاق پر حادی ہیں ارشاد باری تعالی ہے۔ "اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا، اے میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹہرا۔ بلاشبہ، شرک بڑا ظلم ہے۔ پھر اس کے بعد فرمایا "اے میرے پیارے بیٹے اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو اور وہ کسی چٹان کے اندر ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں چھپا ہو تو اللہ تعالی اس کو قیامت کے دن حاضر کردے گا بیشک اللہ باریک بین اور باخبر ہے اے میرے بیٹے! نماز کی پابندی کر اور (لوگوں کو) بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روک اور جو مصیبت تجھ پر پڑے اس پر صبر کو بیشک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے اور لوگوں کے سامنے غرور سے اپنے رخسار مت پھلا اور زمین میں اترا کے (تکبر سے) نہ چل بے شک اللہ ہر اترانے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا، اور اپنی چال میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز کو پست رکھ بلاشبہ سب سے بری آواز گدھے کی ہے۔ (سورہ لقمان)۔

بچوں کی ایمانی تربیت میں سب سے اہم انھیں بچپن سے نماز کا عادی بنانا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مروا اولادکم بالصلوۃ وھم ابناء سبع واضربوھم وھم ابناء عشر سنین وفرقوا بینھم فی المضاجع" تم اپنے بچوں کو سات برس کی عمر میں نماز کا حکم دو (نماز کی کوتاہی پر) دس برس کی عمر میں انھیں مارو اور ان کے بستر علحدہ کردو (ابوداود)

بچوں کو سن شعور ہی سے حلال و حرام کی تعلیم دی جائے جیسا کہ ابن جریر اور ابن منذر کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ "مروا اولادکم بامتثال الاوامر واجتناب النواھی فذلک لھم و لکم وقایة من النار" اپنے لڑکوں کو احکام شریعت کی تعمیل اور ممنوعات سے باز رہنے کا حکم دو کیونکہ یہ ان کے لئے اور تمہارے لئے دوزخ سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔

والدین کا فرض ہے کہ اپنی اولاد کو دنیاوی تعلیم سے پہلے شرعی آداب اور بنیادی مذہبی تعلیم سے روشناس کرائیں۔ انسان صرف اپنے بچوں کے کھانے پینے اور رہائش کا انتظام کرے تو پھر وہ کونسا کمال ہے اتنا تو چرند و پرند بھی اپنے بچوں کیلئے کرتے ہیں صرف جسم کے تقاضوں کو پورا کرنا اور روح کے تقاضوں سے غفلت برتنا یہ بچوں کی حقیقی تربیت نہیں اس سے مسلم ماں باپ کی تربیت اور غیر مسلم ماں باپ کی تربیت میں کچھ فرق نہیں رہے گا۔ کامل مسلمان وہ ہے جس کا ہر عمل اللہ کی مرضی کے مطابق ہو اپنے بچوں کی تربیت ایسے اصولوں پر کریں جن کے ذریعہ بچہ بڑا ہو کر من چاہی زندگی کے بجائے رب چاہی زندگی گذار سکیں۔ اسلام دنیوی ترقی سے نہیں روکتا، ماں باپ ضرور اپنے بچے کو ڈاکٹر بنا سکتے ہیں اور انجنیئر بنا سکتے ہیں مگر سب

سے پہلے انھیں مسلمان بنائیں اور انھیں حقوق اللہ اور حقوق العباد، فرائض اور واجبات سے واقف کرائیں۔

اگر اس فرض کو ماں باپ انجام نہیں دے سکتے تو بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کا انتظام کریں ورنہ کوتاہی کی صورت میں کل قیامت کے دن ماں باپ سے باز پرس ہوگی۔ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ میں صرف اپنی ذات کی حد تک ذمہ دار ہو ہر شخص اپنے ماتحت کی اصلاح کا ذمہ دار ہے اس سلسلہ میں درج ذیل حدیث ایک جامع قانون کی حیثیت رکھتی ہے جس میں ہر ماتحت کو رعیت قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا "کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیتیہ، الامام راع و مسؤل عن رعیته و الرجل راع فی اہلہ و مسؤل عن رعیته و المراۃ راعیة فی بیت زوجها و مسؤلة عن رعیتها" (جامع الاصول)۔

تم میں سے ہر شخص راعی ہے یعنی نگہبان و ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے قیامت کے روز اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ امام یعنی سربراہ حکومت ذمہ دار ہے اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔ مرد اپنے گھر والوں بیوی بچوں کا نگران ہے۔ قیامت کے روز اس سے اس کے ماتحتین کے بارے میں سوال ہوگا (کہ تم نے ان کی کیسی تربیت کی) عورت اپنے اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے اس سے اس کے ماتحت بچوں کے بارے میں سوال ہوگا۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ماں بھی اپنے بچوں کی تربیت کی ذمہ دار ہے تاریخ شاہد ہے کہ بہت سے بزرگان دین کی سیرت بنانے میں ان کی ماؤں کا بڑا دخل رہا ہے۔ مثلاً حضرت امام بخاریؒ کی تربیت میں ماں کا بڑا حصہ ہے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم علیہ الرحمۃ و الرضوان کی بنیادی تعلیم میں ماں ہی کا بہت اثر ہے۔ اور ربیعۃ الرای جلیل القدر تابعی کو ان کی ماں کی تربیت نے ایک بڑا محدث بنا دیا۔

ماں باپ کا فریضہ ہے کہ وہ لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کی ضروری تعلیم پر بھی توجہ دیں۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم میں فرق یہ ہے کہ لڑکوں کو وہ تعلیم دی جائے جو دین و دنیا میں ان کے لئے مفید ہو اور لڑکیوں کو وہ تعلیم دی جائے جو ان کے حق میں نفع بخش ہو اور وہ مستقبل میں بہترین مائیں بن کر اولاد کو صحیح معنوں میں مسلمان بنا سکیں۔

معاشرے کے بگاڑ کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اکثر لوگ لڑکیوں کی تعلیم و تربیت میں افراط کا شکار ہے اکثر آزاد خیال لوگ اپنی لڑکیوں کو کھلی چھوٹ دے کر کالجوں اور بازاروں میں بے پردہ آنے جانے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے جس کے برے نتائج محتاج بیان نہیں بعض لوگ وہ ہیں جو پردہ کے اہتمام کے ساتھ لڑکیوں کو تعلیم کا اہتمام کرتے ہیں۔ لیکن انھیں ضروری دینی تعلیم کا خیال نہیں اور بعض تو بالکل تعلیم ہی نہیں دلاتے ماں باپ کو ہر ہر لمحہ اللہ کے اس ارشاد و تلقین کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ "یا ایھا الذین امنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارا" الخ۔ اے ایمان والوں! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ (التحریم۔۶)

انسان جب تربیت کرنے پر آتا ہے تو جنگلی جانوروں کی بھی ایسی تربیت کرتا ہے کہ جانوروں کو اپنا فرمانبردار بنالیتا ہے سرکس کے ہنٹر ماسٹر کو دیکھئے کیسے وہ درندہ صفت جانوروں پر کنٹرول رکھتا ہے اور ایک کسان کس طرح جانوروں اور مختلف کیڑوں سے اپنے پودوں کی حفاظت کرتا ہے اور ان کے اطراف اگر کوئی جنگلی پودہ آجائے تو انھیں اکھاڑ پھینکتا ہے مگر وہی انسان جانوروں اور نباتاتی پودوں کے مقابلہ میں انسانی پودوں کی پرورش اور نگہداشت میں اس قدر احتیاط اور تربیت کے اصول اور ضوابط کو اختیار نہیں کرتا اور اپنی اولاد کو بیس یا پچیس سال زیر نگرانی رکھ کر ان پر کنٹرول رکھتے ہوئے انسان کو انسان نہیں بناتا بلکہ اسے اپنا ہی نہیں بلکہ اللہ کا بھی نافرمان بنادیتا ہے۔

بچوں کی اسلامی تربیت اسی وقت مکمل ہوگی جبکہ ماں باپ خود اسلامی آداب کا نمونہ بن جائیں اور بچے ان کی زندگی کے مختلف معمولات میں اسلام کا اثر ملاحظہ کریں گھر کا ماحول برائیوں سے پاک ہو تاکہ وہ اپنی فطرت کے مطابق بڑوں کی تقلید کریں اور اسلام کا نقش ان کے دلوں پر قائم ہو۔

آج ٹی وی، سینما بینی کی کثرت نے مسلم نوجوانوں مرد عورت کی آنکھوں سے شرم و حیاء اور عفت کا وہ مقدس سرمایہ چھین لیا ہے جس کی حفاظت اسلاف کی نگاہوں میں جان سے زیادہ اہم تھی ماں باپ کا فرض ہے کہ وہ ایسے زہریلے عناصر سے اپنی نسل کی حفاظت کریں اور بچوں کے ناجائز مطالبات کو پورا کرکے خود کی آخرت کو تباہ نہ کریں جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا۔ " یایها الذین امنوا لا تلهكم اموالكم ولا اولاكم عن ذكر الله " الخ اے ایمان والو تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں اور جو یہ کام کرے تو وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ماں باپ کے اولین فرائض میں سے ہے کہ وہ اپنے بچوں کے ذہن میں جھوٹ چوری گالی گلوج اور فحش گوئی اور تمام رذائل غضبیہ اور معائب شہویہ کی برائیاں ذہن نشین کریں اور انھیں نیک صحبتوں میں بیٹھنے کا حکم دیتے رہیں۔ حضرت امام مالک نے موطا کے اواخر میں اس روایت کو نقل فرمایا۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا بیٹا علماء کی مجلس میں بیٹھنے کو لازم کرلو (ان کی حکمت کی باتوں کو سنو) کیونکہ اللہ تعالی دلوں کو حکمت کے نور سے اس طرح زندہ فرماتا ہے جس طرح موسلادھار بارش مردہ زمین کو زندہ کرتی ہے (موطا، امام مالک)

اکثر ماں باپ اولاد کی یہ شکایت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ان کی اولاد نافرمان ہے ہمارا ادب نہیں کرتی اور ہمارا حق ادا نہیں کرتی اور وہ یہ کبھی غور نہیں کرتے کہ ان کی اولاد کی نافرمانیاں ان ہی کی حق تلفیوں کا نتیجہ ہے اگر وہ بچپن میں اپنی اولاد کی تربیت اسلامی انداز میں کی ہوتی تو آج ان کی اولاد ماں باپ کے صحیح مقام کو جانتی اور ان کے حقوق ادا کرتی۔

بچوں کے سدھار اور بگاڑ کے بڑی حد تک ماں باپ ذمہ دار ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا " کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یهودانه و ینصرانه او یمجسانه " ہر لڑکا فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے اس کے ماں

باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔

ماں باپ کی تربیت کے باوجود اگر اولاد اثر قبول نہ کریں تو اس کا وبال ماں باپ پر نہیں اس صورت میں ماں باپ پر اولاد کا اہم حق یہ ہے کہ ان کے حق میں اور اسی طرح اپنی فرمانبردار اولاد کے حق میں ہمیشہ دعائے خیر کرتے رہیں۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ جن اشخاص کی دعاء رد نہیں ہوتی ان میں ایک اولاد کے حق میں ماں باپ کی دعاء ہے۔

حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ بچپن میں نابینا ہوگئے تھے ان کی ماں کی حد درجہ دعاؤں سے ان کی آنکھوں کی بینائی لوٹ آئی۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کے والدین حد درجہ نیک تھے اور انھوں نے بیٹے کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی مگر عبداللہ پر کوئی اثر نہیں ہوا وہ کھیل کود پھر گانا بجانا سے تجاوز کرتے ہوئے غلط صحبتوں میں شراب نوشی کے عادی ہو چکے تھے والدین اللہ کی بارگاہ میں روتے اور خوب دعائیں کرتے تھے آخر وہ وقت آہی گیا جب اللہ نے اس صالح جوڑے کی التجاؤں کو سن لیا ایک رات شراب کے دور کے بعد عبداللہ بن مبارک کی آنکھ لگ گئی خواب کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خوبصورت باغ ہے اور ایک چڑیا اپنی سریلی آواز سے یہ آیت پڑھ رہی ہے۔ " الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ و ما نزل من الحق " کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں (الحدید: ۱۶)۔

حضرت عبداللہ گھبرائے ہوئے اٹھے اور فرمایا اے میرے رب وہ وقت آگیا، وہ وقت آگیا، شراب کی ساری بوتلیں پٹک دی اور غسل کر کے سچے دل سے توبہ کی۔ پھر یہی عبداللہ بن مبارک علم و عمل کے سورج بن کر چمکے اور ان کا ائمہ حدیث میں شمار ہونے لگا۔

اللہ تعالی نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو اپنے بیوی بچوں کے لئے دعا خیر کرتے رہتے ہیں " والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین و اجعلنا للمتقین اماما " جو یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما اور ہمیں متقین کا رہبر بنا (الفرقان۔ ۷۴)۔

اولاد کا آخری حق یہ ہے کہ ماں باپ اپنی بہو یا داماد کے انتخاب میں دینداری کو ترجیح دیں اور کسی بدمذہب یا بدعقیدہ شخص سے لڑکے یا لڑکی کی شادی نہ کریں ورنہ یہ اولاد کی بڑی حق تلفی ہوگی۔ اس طرح فاسقوں اور فاجروں اور سود خوروں کے یہاں بھی شادیاں ہرگز نہ کریں کیونکہ یہ بڑے مفاسد اور گناہوں کا پیش خیمہ ہے۔

والدین کو چاہیے کہ جتنا ہوسکے بچوں کے دلوں میں خوف خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنتوں کی پیروی اور آخرت کی بہتری کی تڑپ پیدا کریں۔

اور ان کی تربیت کی بنیاد حب رسول پر رکھی جائے جو معیار ایمان ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "

ادبوا اولادکم علی ثلاث خصال۔ حب نبیکم و حب اھل بتیہ و تلاوۃ القران " تم اپنے اولاد کی تربیت تین خصلتوں پر کرو (تین باتوں کی تعلیم دو) اپنے نبی کی محبت ان کے اہل بیت سے محبت اور قرآن حکیم کی تلاوت۔ (طبرانی)

ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کے ترکہ میں بچوں کو حق وراثت حاصل ہے۔ شریعت میں مقرر کردہ حصوں کے بعد بقیہ جائیداد اولاد کی میراث ہے اس میں بڑے اور چھوٹے کا کوئی فرق نہیں ہر لڑکے کو جو حصہ ملے گا اس کا نصف ہر لڑکی کو ملے گا۔ کسی غیر وارث کے حق میں ماں باپ کا ثلث (جائیداد کا تیسرا حصہ) سے بڑھ کر وصیت کر کے اولاد کو نقصان پہنچانا جائز نہیں۔

بچوں کی صحیح تربیت میں ان کی آخرت کی سدھار کے ساتھ ساتھ ماں باپ کا دائمی نفع ہے صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اذا مات ابن آدم انقطع عنہ عملہ الا من ثلاث۔ صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ " جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے سوائے تین اعمال کے (جن کا نفع اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے) (۱) صدقہ جاریہ (۲) وہ علم جس نے نفع اٹھایا جائے (۳) وہ نیک لڑکا جو اس کے حق میں دعا کرے۔

مختصر یہ کہ اہل و عیال اور خاندانی نظام اگرچہ ایک فرد کی زندگی کے لئے سکون و مسرت کا سامان ہے مگر فی الحقیقت وہ پورے تمدن و سماج کے لئے سلامتی و خیر کا سنگ بنیاد ہے۔

اسلام میں پردہ اور محارم

مولانا حافظ سید ضیاء الدین صاحب
نائب شیخ الفقہ جامعہ نظامیہ

یہ کوئی نیا عنوان نہیں ہے مگر ہر آنے والے دن اسکی اہمیت پہلے سے زیادہ بڑھتی جارہی ہے بعض مخالف اسلام طاقتیں اور خواہش نفس کا شکار تنظیمیں اسکی مخالفت کرتی رہی ہیں موجودہ حالات میں پوری دنیا کے اندر یہ مسئلہ نہایت اہم مسائل میں سے بن گیا ہے کیونکہ آج مساوات اور آزادی نسواں کے نام سے عورتوں کو یہ باور کرایا جارہا ہے کہ تم کب تک گھر کی چار دیواری کے اندر قید و بند کی آہنی زنجیروں میں جکڑی رہوگی اب آزادی کا دور ہے اور تمہیں اس جان لیوا قید سے باہر آکر مردوں کے شانہ بشانہ ہر شعبہ زندگی میں حصہ لینا ہے ، دلفریب نعروں کے ذریعہ عورت کو گھر کی خوشگوار و عصمت مآب فضاء سے نکال کر سڑکوں ، بازاروں ، کلبوں اور پارکوں میں لایا گیا اسے دفتروں و محکموں میں تھکانے دینے والے مختلف کاموں پر لگایا گیا ، دو کانوں اور ہوٹلوں میں تفریح طبع کا ذریعہ بنایا گیا یہاں تک کہ وہ عورت جسکے سر پر اسلام نے عزت و وقار کا قیمتی تاج رکھا تھا اور جس کو اخلاق و حیاء کی چادر بخشی تھی اور عفت و عصمت کی خلعت فاخرہ پہنائی تھی آج وہ تجارتی اداروں کے لئے ایک شوپیس اور تفریحی چیز بنا دی گئی وہ کلب پارکوں اور تھیٹروں میں عریاں و نیم عریاں ہوکر جنسی بے راہ روی اور خواہشات نفسی کی تکمیل کا ذریعہ بنا دی گئی ۔ صد افسوس یہ سب کچھ آزادی نسواں کے نام پر کیا گیا لوگوں کے ذہن و فکر کو ایسا مسخ کردیا گیا کہ عورت گھر کے اندر ملکہ بن کر اپنے اور اپنے شوہر ، ماں باپ ، بھائی بہن اور اولاد کے لئے خانہ داری کا نظم و نسق چلائے تو اسکو قید و غلامی کا نام دیا گیا ۔ لیکن وہی عورت بے پردہ ہو کر اجنبی مردوں کے لئے کھانا پکائے اور انکے کمروں کی صفائی کرے ہوٹلوں اور جہازوں میں انکی میزبانی کرے دکانوں پر گاہکوں کا استقبال کرے دفاتر اور محکموں میں افسر بالا کی ناز برداری کرے تو اسکو حریت اور آزادی کا نام دیا جائے ۔

خرد کا نام جنوں رکھدیا جنوں کا خرد ☆ جو چاہے تیرا حسن کرشمہ سازی کرے

یہ سب کچھ عورت کی آزادی کے نام سے ہورہا ہے اسکو پردہ سے نکال کر اجنبی مردوں کی حرص و ہوس کی بھینٹ چڑھا دیا گیا اور عورت کی عفت و عصمت اور حیاداری کی کوئی قیمت باقی نہ رہی ان حالات کے تناظر میں پردہ کا مسئلہ دور حاضر کے سلگتے مسائل میں سے ہوگیا ہے اسلام میں عورت کی آزادی پر نہایت زور دیا گیا ہے اور ہرگز یہ گوارا نہیں کیا گیا کہ عورت باندی و کنیز بن کر رہے لیکن اسکے ساتھ ساتھ اسکی عصمت و عفت کا اسی قدر پاس و لحاظ رکھا گیا اور یہ بغیر پردہ کے ممکن نہیں ، اس کا ایک عام مشاہدہ ہے کہ دس مرد اگر کہیں سے گذر جائیں تو ان کو کوئی دیکھتا بھی نہیں لیکن ایک بھی عورت گذرتی ہے تو نظریں اسکی طرف اٹھنے لگتی ہیں ، اللہ نے عورت کی ساخت میں ایک قوت جاذبیت رکھی ہے اگر اس کیلئے کوئی انتظام نہ ہو تو ہزاروں

فتنے جنم لینگے، جو آگ کے شعلوں کی طرح تہذیب و ثقافت کی فلک بوس عمارت کو چشم زدن میں بھسم کر کے رکھدینگے۔

چنانچہ، اسلام نے اس حقیقت کو واضح کیا کہ سارے انسان مرد عورت اللہ کے بندے ہیں وہ ایک ہی آدم و حوا کی اولاد ہیں آپس میں وہ کسی کے غلام نہیں سماج میں دونوں مساوی ہیں البتہ ان میں تخلیقی قوتوں کے اعتبار سے فرق ضروری ہے اسی لئے دونوں کا دائرہ عمل جدا گانہ ہے سماجی نظام کی تکمیل میں دونوں برابر شریک ہیں مرد تدبیر مملکت کیلئے ہے تو عورت تدبیر منزل کیلئے اسلام نے یہ بتایا کہ عورت کا اصلی مقام اسکا گھر ہے۔" وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی" اپنے گھروں میں رہو اور زمانہ جاہلیت کی طرح اپنے کو دکھاتی نہ پھرو۔

اس سے ظاہر ہے کہ نمائش کے لئے بن سنور کر نکلنا درست نہیں البتہ کسی ضرورت کے لئے اسکو باہر نکلنا شرعاً جائز ہے چنانچہ بخاری شریف میں ہے۔" وقد اذن لکن فی الخروج لحوائج کن" تم کو اپنی ضرورتوں کے لئے باہر نکلنے کی اجازت دی گئی ہے لیکن اس کے لئے اصول و قوانین دے گئے ہیں کہ وہ کس طرح پردہ کا اھتمام کریں کیونکہ پردہ انکی عفت و عصمت کا محافظ ہے اور عفت و عصمت عورت کا جوہر ہے جس عورت کا یہ جوہر داغ دار ہوجاتا ہے وہ اخلاق کی بلندی سے اتر کر قعر مذلت میں جا پڑتی ہے۔ اس لئے پردے کا حکم دیا گیا اسلام نے عورت کے اصولی طور پر گھر میں رہنے اور بوقت ضرورت باہر نکلنے ہر دو صورتوں میں پردے کے معتدل و متوازن حدود و قیود مقرر کئے ہیں۔ حجاب کے سلسلے میں پہلا درجہ حجاب اشخاص کا ہے کہ عورتوں کا شخصی وجود اور انکی نقل و حرکت مردوں کی نظروں سے مستور ہو وہ اپنے گھروں میں رہیں اور انکے لباس و پوشاک پر بھی اجنبی مردوں کی نظر نہ پڑھے یہ اعلی درجہ کا پردہ ہے چنانچہ اس سلسلے میں باری تعالی کا ارشاد ہے" وقرن فی بیوتکن ہو لا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی ن" اور تم اپنے گھروں میں ٹھری رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کی طرح اپنی نمائش کرتے ہوئے مت پھرو۔ اور ارشاد خداوندی ہے" واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب" جب عورتوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ سورہ طلاق میں ہے" لاتخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن" یعنی عورتوں کو انکے گھر سے مت نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔

ام سلمہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ وہ اور میمونہ رضی اللہ عنھما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھیں اتنے میں عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے فرمایا" احتجبا منہ" ان سے پردہ کرو ام سلمہ رضی اللہ عنھا کہتی ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ وہ تو نابینا ہیں ہم کو تو وہ دیکھ نہیں سکتے آپ نے جواب میں فرمایا کیا تم بھی نابینا ہو اور کیا تم ان کو نہیں دیکھ سکتیں۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد بحوالہ مشکوۃ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے صحابہ کرام سے سوال فرمایا" ای شئی خیر للمراۃ" عورت کے لئے کیا چیز بہتر ہے صحابہ کرام نے سکوت اختیار کیا کوئی جواب نہیں دیا پھر جب میں اپنے

گھر گیا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا " لا یرین الرجال و لا یرونھن " عورتوں کے لئے بہتر یہ ہے وہ مردوں کو نہ دیکھیں اور مرد انکو نہ دیکھے میں نے انکا یہ جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " صدقت انھا بضعۃ منی " انہوں نے وہ سچ کہی ہیں بیشک وہ میرا ہی ایک حصہ ہے

ضرورت کے وقت عورت کو جب باہر نکلنا پڑے تو حکم دیا گیا کہ وہ کسی برقع یا لمبی چادر کو سر سے پیر تک اوڑھ کر نکلے اس طرح کہ بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو اور وہ خوشبو لگائے ہوئے نہ ہو ۔ بجنے والا کوئی زیور نہ پہنے ہو راستہ کے کنارے پر چلے ۔ مردوں کے ہجوم میں داخل نہ ہو ۔ چنانچہ ارشاد باری ہے " یا ایھا النبی قل لازواجک و بناتک و نساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذلک ادنی ان یعرفن فلا یوذین " اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ازواج مطہرات و بنات طیبات اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرمادیجئے کہ اپنے اوپر ایک بڑی چادر اوڑھ لیں اس سے باسانی ان کا شریف زادی ہونا معلوم ہو جائیے گا انہیں ستایا نہیں جائے گا ۔

گھر کے اندر رشتہ داروں ، عزیزوں ، ملازمین و احباب کے آنے جانے اور انفرادی و اجتماعی طور پر کھانے پینے سے منع نہیں کیا گیا البتہ اس سلسلے میں اصولی ہدایات دی گئیں ۔ " وقل للمؤمنات یغضن من ابصارھن و یحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او آبائھن او آباء بعولتھن او ابنائھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن او نبی اخوانھن او نبی اخواتھن او نساء ھن او ما ملکت ایمانھن اوالتابعین غیر اولی لاربۃ من الرجال اوالطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن و توبو الی اللہ جمیعا ایھا المؤمنوں لعلکم تفلحون " ترجمہ ۔ اور آپ حکم دیجئے ایماندار عورتوں کو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور حفاظت کیا کریں انے عصمتوں کی اور نہ ظاہر کیا کریں اپنی آرائش کو مگر جتنا اس سے خود بخود نمایا ہو اور ڈالے رہیں اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر نہ ظاہر ہونے دیں اپنی آرائش کو مگر اپنے شوہروں کیلئے یا اپنے باپ کے لئے یا شوہر کے باپ کیلئے یا اپنے بیٹوں کے لئے یا اپنے خاوند کے بیٹوں کیلئے یا اپنے بھائیوں کے لئے اپنے بھانجوں کیلئے یا اپنی ہم مذہب عورتوں پر یا اپنی باندیوں پر یا اپنے ایسے نوکوں پر جو (عورت) کے خواہشمند نہ ہوں یا ان بچوں پر جو عورتوں کی پوشیدہ چیزوں سے واقف نہ ہوں اور نہ زور سے ماریں اپنے پاؤں زمین پر) کہ معلوم ہوجائے وہ بناؤ سنگار جو وہ چھپائے ہوئے ہیں اور رجوع کرو اللہ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو تاکہ تم) بامراد ہوجاؤ

جہاں تک مرد اور عورت کے تعلق کا مسئلہ ہے تو اس میں بعض ایسے رشتے آتے ہیں جو فطرۃ عورت کی عصمت و عفت کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں یہ وہ رشتے ہیں جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح کرنا حرام ہے ان کو محارم کہتے ہیں ۔ جیسے باپ ، داد ، نانا بھائی چچا ماموں بھتیجا ، بھانجہ ، پوتا ، نواسہ ، خسر وغیرہ اور بہت سے وہ رشتے ہیں جن سے نکاح کرنا جائز و درست ہے انکو غیر

محارم کہا جاتا ہے جیسے چچازاد بھائی، ماموں زاد بھائی، خالہ زاد بھائی، پھوپھی زاد بھائی، دیور جیٹھ وغیرہ اور یہ ایک فطری بات ہے کہ تمام رشتے آپس میں برابر نہیں ہوسکتے بعض تو وہ ہیں جن کی طرف نظریں اُٹھتی ہی نہیں اور وہ خود اسکی عفت و عصمت کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں، اور بعض تو وہ ہیں جن کی طرف نظریں اٹھ سکتی ہیں اس لئے اسلام نے پردہ کے احکام میں بھی فرق کردیا ہے اس لحاظ سے اسکی دو قسمیں بنتی ہیں۔

عورت کے پردہ سے متعلق احکام قرآن مجید کی سات آیات میں بیان کئے گئے ہیں سورہ نور کی تین آیات اور سورہ احزاب کی چار آیات، اور بعض اہل علم کی تصریح کے بموجب پردے سے متعلق احکام تقریباً ستر، احادیث شریفہ میں بتلائے گئے ہیں شوہر سے پردے کا تو کوئی مسئلہ نہیں وہ اپنی بیوی کے سر سے لیکر قدم تک کے ہر حصہ بدن کو دیکھ سکتا ہے تاہم اداب میں یہ بات داخل ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کی شرمگاہ کو نہ دیکھیں" و قال الحنفية من الادب ان يغض كل من الزوجين النظر عن فرج صاحبه" (الموسوعۃ الفقہیہ ج ۳۱ ص ۵۳) البتہ باپ دادا اور دیگر محارم سے پردے کے سلسلہ میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ عورت ناف سے لیکر گھٹنے تک، پیٹ پیٹھ اور ران کو مستور رکھے۔ محارم میں سے کسی کو بھی ان اعضاء کے دیکھنے کی اجازت نہیں۔ ان کے علاوہ دیگر اعضاء جیسے چہرہ، سر، سینہ، پنڈلی، اور بازو وغیرہ تو اسکو دیکھنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ کا نہ ہو جیسا کہ ہدایہ کتاب الکراھیہ میں ہے" وينظر الرجل من ذوات محارمه الى الوجه والراس والصدر والساقين والعضدين ولا ينظر الى ظهرها و بطنها و فخدها، والاصل فيه قوله تعالى ولايبدين زينتهن الا لبعولتهن الاية. ولمراد الله اعلم مواضع الزينة وهي ماذكرنافي كتاب ويدخل في ذلك الساعد والاذن والعنق والقدم لان كل ذلك موضع الزينة بخلاف الظهر والبطن والفخذ لانها ليست موضع الزينة" محارم کو دیکھنے کی دلیل اللہ تعالی کا ارشاد ہے" ولايبدين زينتهن الا لبعولتهن" اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں بجز اپنے شوہر کے۔ اس آیت میں ذکر کئے گئے محارم کیلئے زینت کو ظاہر کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور زینت سے مراد مواضع زینت ہے اسمیں کلائی، کان، گردن اور قدم داخل ہیں کیونکہ یہ سب مواضع زینت کہلاتے ہیں، غیر محارم سے پردہ کا جہاں تک معاملہ ہے اگر فتنہ کا اندیشہ ہے تو پورے بدن کو مستور رکھنا چاہئے حتی کہ چہرہ پر بھی نقاب ڈالنا چاہئے اور اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو چہرہ اور ہتیلی کے کھلا رکھنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے" ولايبدين زينتهن الا ماظهر منها" اور وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر اسی قدر جو اسمیں خود بہ خود نمایا ہو چنانچہ ہدایہ میں ہے۔

" ولا يجوز ان ينظر الرجل الى الاجنبية الا الى وجهها و كفيها لقوله تعالى ولايبدين زينتهن الا ما ظهر منها قال علي وابن عباس رضى الله عنهما، ماظهر منها الكحل والخاتم والمراد موضعهما وهو الوجه والكفان" حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسکی تفسیر میں فرمایا ماظہر منہا سے مراد سرمہ اور

انگوٹھی ہے مجاز مرسل میں حال کہہ کر محل مراد لیا جاتا ہے اسی طرح یہاں زینت کہکر مواضع زینت یعنی چہرہ اور ہتیلی مراد لی گئی ہے۔

حدیث شریف۔ " ان اسماء بنت ابی بکر دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و علیھا ثیاب رقاق فاعرض عنھا وقال یا اسماء ان المراۃ اذا بلغت المحیض لم تصلح ان یری منھا الا ھذا و ھذا واشار الی وجھہ و کفیہ " (سنن ابی داؤد) اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور ان پر باریک کپڑے تھے (پتلے) تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اپنا رخ انور پھیر لیا اور فرمایا اے اسماء عورت جب بالغ ہوجائے تو اسکے کسی عضوء کا دکھائی دینا مناسب نہیں سوائے اس کے اور اس کے اور آپ نے اپنے چہرہ انور اور دونوں ہتھیلی مبارک کی طرف اشارے فرمایا۔

اجنبی عورت کے چہرہ اور ہتھیلیوں کو دیکھنے کا جواز اس صورت میں ہے جبکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو یہ جائز نہیں ہے بلکہ بنظر شہوت دیکھنے کی شدید وعید آئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے " من نظر الی محاسن امرۃ اجنبیۃ صب فی عینہ الانک یوم القیامۃ " جو کسی اجنبی عورت کے محاسن کی طرف شہوت سے دیکھے تو قیامت کے دن اسکی آنکھ میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائیگا اجنبیہ عورت کے چہرہ کی طرف جبکہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو دیکھنا گو کے شرعاً جائز ہے تاہم اس پر آشوب اور پر فتن دور میں بہر طور چہرہ پر نقاب ڈالنا ہی احوط و اولی ہے البتہ گواہ اور قاضی کے لئے اسکے چہرہ کو دیکھنا جائز ہے اسی طرح جس عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ ہے اس کو دیکھنا جائز ہے۔ حدیث شریف میں ہے جس سے نکاح کرنا چاہتے ہو اس کو دیکھلو یہ بقائے محبت کا ذریعہ ہے۔ طبیب و ڈاکٹر کو اجازت ہیکہ وہ مریضہ کے مقام مرض کو دیکھے۔ عورت کے جن اعضاء کو دیکھنا ازروئے شرع جائز نہیں اگر وہ اعضاء اس کے بدن سے جدا ہوجائیں تب بھی اس کو دیکھنا جائز نہیں اسی طرح عورت کے سر کے بال اور پیر کے ناخن کا حکم ہے۔

عورت کے جس حصہ کو دیکھنا منع ہے اس کو چھونا اور مس کرنا بھی منع ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے " من مس کف امراۃ لیس منھا بسبیل وضع علی کفہ جمرۃ یوم القیامۃ (تکملہ فتح القدیر) جو شخص کسی عورت کی ہتھیلی کو چھوئے گا جس کے ساتھ اس کا جائز تعلق نہ ہو تو قیامت کے دن اسکی ہتھیلی پر انگارہ رکھا جائیگا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے لاینظر الرجل الی عورۃ الرجل ولا المراۃ الی عورۃ المراۃ (صحیح مسلم)۔ " قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الکاسیات العاریات " اللہ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو لباس پہن کر بھی ننگی رہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے باپنی عورتوں کو ایسے کپڑے نہ پہناؤ جو جسم پر اس طرح چست ہوں کہ اس سے سارے جسم کی ہیئت نمایاں ہوجائے (المبسوط کتاب الاستحسان) عن عقبہ بن عامر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل یا رسول اللہ ارایت الحمو قال الحمو الموت متفق علیہ (عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے پاس آمد ورفت سے بچا کرو ایک صحابی

نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھلا دیور کے حق میں کیا فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا دیور تو موت ہے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہیکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " المراۃ عورۃ فانھا اذا خرجت من بیتھا استشرفھا الشیطان و انھا لاتکون اقرب الی اللہ منھا فی قعر بیتھا " (طبرانی شریف) عورت تو سراپا ستر ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاک نے لگتا ہے اور اس کے حسن کو دوبالا کرکے دکھاتا ہے اور بلاشبہ عورت اس وقت سب سے زیادہ اللہ سے قریب رہتی ہے جبکہ وہ اپنے گھر کے اندر ہو۔

البتہ احرام کی حالت میں عورتیں اپنے چہرہ کو کپڑے سے بچائے رکھیں گی کیونکہ عورت کا احرام تو اس کے چہرہ میں ہوتا ہے اگر غیر محارم کا سامنا ہو اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو چہرہ پر نقاب ڈالے پھر فوراً اس کو ہٹالے۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت کان الرکبان یمرون بنا ونحن محرمات مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسم فاذا حاذونا سدلت احدانا جلبابھا علی وجھھا فاذا جاوزوا اکشفناہ (ابوداؤد) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں سوار ہمارے پاس سے گذرتے تھے جب کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ کے ساتھ احرام کی حالت میں رہتیں جب وہ ہمارے برابر سے گذرتے تو ہم میں سے ہر ایک اپنے چہرے پر دوپٹہ ڈال لیتیں جب وہ آگے بڑھ جاتے تو ہم اسکو ہٹالیتے (ابوداؤد)

جوان عورتوں سے متعلق جو پردے کے احکام ہیں اس سے بوڑھی اور عمر رسیدہ عورتیں مستثنی ہیں چنانچہ ارشاد ہے " والقواعد من النساء التی لا یرجون نکاحا فلیس علیھن جناح ان یضعن ثیابھن غیر متبرجات بزینۃ وان یستعففن خیر لھن " (النور) اور عمر رسیدہ عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں اگر اپنے دوپٹے اتار کر رکھا کریں تو اسمیں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ اپنی زینت کی نمائش مقصود نہ ہو اور اگر وہ احتیاط رکھیں تو ان اکے لئے یہ بہتر ہے۔

ان اسلامی احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی بھی عورت کی سب سے قیمتی چیز اس کی عفت و عصمت کی حفاظت و صیانت ہے تاکہ اس کی شرافت و کرامت اور معاشرہ میں اس کا مقام و مرتبہ قائم رہے اس لئے پردہ کے احکام دیئے گئے ہیں معاشرتی و سماجی ضرورتوں کے پیش نظر اس کی حدبندیاں کردی گئی ہیں کہ غیر محارم کے سامنے مکمل حجاب کریں اور ضرورت ہو تو چہرہ، ہتھلیاں اور قدم کھلا رکھ سکتی ہیں ان کے علاوہ محارم کے سامنے سر، چہرہ، سینہ پنڈلی اور بازو کھلا رہ جائے تو کوئی حرج نہیں بے ضرورت کھلا رکھ کر پھرنا مناسب نہیں ہے۔ شوہر کیلئے وہ مکمل زینت کر سکتی ہے۔ اس کیلئے کوئی حجاب و پردہ نہیں ہے۔ کسی ناگزیر ضرورتوں کیلئے نکلنا پڑے۔ مذکورہ حدود کی مراعات کے ساتھ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔

صالح معاشرہ کے قیام اور عورت کی آزادی و عصمت کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ افراط و تفریط کو چھوڑدیں اور اسلام نے مرد و عورت کے ربط و ضبط کیلئے جو حدود و قیود مقرر کے ہیں اس کی مکمل پابندی کی جائے اسی سے ان شاء اللہ معاشرہ و سماج عفت و عصمت کی پاکیزگی سے پر فضاء وہ خوشگوار رہے گا۔

القسم العربی

محتو يات العدد

فن التوشيح

الدكتور محمد سيف الله غفرله
شيخ الادب بالجامعة النظامية

ان فضل فن التوشيح يرجع الى الأندلس اذ انهم انشاؤه ثم حذا حذ وهم غيرهم فمن ناحية الانشاء وهو فن اندلسى خاص ، و قال ابن بسام الشنتريني فى كتابه : الذخيرة فى محاسن أهل الجزيرة يقرر أن أهل الأندلس هم الذين وضعوا حقيقة صنعة التوشيح و نهجوا طريقتها (الذخيرة / ٢ / ١) وصلاح الدين ايبک الصفدى يقول فى كتابه ، توشيح التوشيح : الموشح فن تفرد به أهل المغرب و امتازوا به على أهل المشرق و توسعوا فى فنونه و أكثروا من أنواعه وضروبه (توشيح التوشح ص ٢٠)

نشاءه الموشح : اتفق الدارسون والباحثون على أن الموشحات فن أندلسى خالص و لكنهم اختلفوا فى مخترعها و ذلک .

ان أبا الحسن على بسام (ت ٥٤٢ / ١١٤٧) يقول ذلک و اول من صنع أوزان هذه الموشحات بافقنا و اختراع طريقتها : محمد بن محمود القبرى الضرير وقيل ان عبد ربه صاحب (العقد الفريه) اول من سبق الى هذا النوع من الموشحات عندنا (الذخيره ١/٢/١) .

و لكن ابن خلدون خالفه و ذهب الى أن المخترع لهذه الموشحات الاندلسية ، هو مقدم بن معافى القبرى وهو احد من شعراء عبدالله بن محمد المروانى تم قلده فى ذلک بن عبد ربه صاحب (العقد الفريد) ، و لكن هذين الاثنين لم يبرعا فى الموشحات المتاخرين ، فكان اول من برع من هولاء عبادة الفراز شاعر المعتصم من صمادح صاحب المرية (و لكن الفضل للمتقدم) ثم ظلت الموشحات بفضل من نظموا فيها بعد ذلک ترقى و تطور حتى صارت فنا قائماً بذاته على يد أبى بكر عبادة ماء السماء (ت ٤٢٢ هـ) وهو كان فى ذلک العصر شيخ الصناعة و امام الجماعة سلک الى الشعر مسلكا فقالت له غرائبه : مرحبا و أهلا ، و كانت صنعة التوشيح فاقامها عبادة و قوم ميلها و سنادها و اشتهربها اشتهارا (الادب العربى فى الاندلس بتصرف) كل الوشاحين عيال على عبادة القزاز فيما اتفق له من القول .

بدرتم - شمس ضحى - غصن نقا - مسک شم
ما أتم - ما أوضحا - ماورقا - ما أنم
لا جرم - من لمحا - دعشقا - قد حرم

و هذه يعنى ان هذا الفن لقد برز الى حيز الوجود فى اواخر القرن الثالث و أقبل الشعراء عليها والتفتوا اليها فى القرن الرابع ، و يبدأ تاريخ النبوغ فى التوشيح فى زمن ملوک الطوائف فى القرن الخامس على يد عبادة بن ماء السماء ثم جاء من بعده كثيرون لكنهم لم يفلحوا فلاح الوشاح ابن أرفع رأسه' شاعر المامون بن ذى النون صاحب طليطلة و قد احسن هذا فى ابتدائه الموشحة الذائعة الصيت .

العود ثد ترنم بأبدع تلحين

و شقت المذانب رياض البساتين

كما احسن فى انتهائه منها بقوله

تخطر ولم تسلم عساک المامون

مروع الكتائب يحى بن ذى النون

التوشيح : اشتق من الوشح والوشاح ، والجمع ، وشائح ، معناه ، لغة ، . شبه قلادة من نسيج عريض يرصع بالجوهر تستخدمه المراة بين عاتقيها و كشحيها .الوشاح والوشاحة بكسر الواو السيف و القوس و به سمى سيف سيدنا عمر بن الخطاب رضى الله عنه 'ذو الوشاح (المنجد و شح)

الموشح : هو اسم مفعول من التفعيل ، وقد اشتق اسم هذ اللون من النظم من الوشاح ، معناه فى عرف العروضين : ضرب من الشعر ينظم على تقاطيع وقواف معلومة بحيث لا يتقيد فيه الناظم بقافية واحدة ، وهو من اختراع الاندليسين و سمى بذلک لانه يشبه الوشاح بأشكاله .

و قال محب الدين محمد الامين بن فضل الله صاحب خلاصة الاثر فى اعيان القرن الحادى عشر (ت ١٦٩٩) : لان خرجاته و و أغصانه كا الوشاح بكسر الواو وضمها والاشاح . بسكر الواو والهمزة . هو كرسان من لؤلؤ و جوهر منظومان مخالف بيتها معطوف احدهما على الآخر تتوشح المراة به و ذكر حنا الفاخورى (التاريخ الادب العربى ٩٤٧/١) فهو ماخوذ من وشاح المرأة و هو قلادة من نسيج عريض مرصع بالجوهر تشد المرأة بين عاتقيها و كشحيها . و يدل على أن الناظم قد وضع منظومته على شكل الوشاح ، و هو ايضاً اسم مكان وهو الجزء من الجسم الذى يلتصق به الوشاح(خلاصة الاثر فى اعيان القرن الحادى عشر ١٠٨/١) .

و من معانى التوشيح ، التنميق ، اى منمق للاحاديث و قول الزور كما جاء بهذا لمعنى الشاعر ابوبكر بن عمار :

سياتيک فى أمرى حديث و قد أتى . بزرو بنى عبد العزيز موشح

(فن التوشيح للدكتور مصطفى عوض الكريم ص ١٩)

و قد وصف ابو عبدالله بن الحجاج البغدادی من شعراء القرن الرابع قصائده بانها موشحة لما تضمنته من المعانی السامية فقال

وهذه القصيدة مثل العرو . س موشحة بالمعانی الملاح (اليتيمة ٢ / ٢١٤)

والمنظومة من هذ اللون تسمی موشحا او موشحة وقد اصبحت الكلمتان تعبيرين اصطلاحيين يحملان معنى محددا و لا يجوز اطلاقه على أی نوع آخرمن النظم كما قد وهم بعض الناس فاطلق كلمة الموشح على المخمس (ای ذو خمسة اركان فهو عند الشعراء :ان يضاف ثلاثةاشطر بين شطری البيت)

و منهم الفقيد كامل كيلانی ' و ابراهيم أنيس الذی وصف بها فی كتابه موسيقی الشعر (ديوان ابن زيدون ص ١٩٢ و ٢٢٩)

حد الموشح : و اذا استعرضنا على اقوال الرجال الاعلام الذين بحثوا و فتشوا عن هذه الفن المخترع من قبل الاندلسيين و جدنا بانهم قد قيد واحد الموشح باراء تختلف بعضا عن بعض كما قد عرف ابن سناء الملک الموشح بأنه : كلام منظوم على وزن مخصوص '(دار الطراز ص ٢٥) و هذا تعريف لاغناء عنه 'لان كثيرا من الموشحات لاتختلف فی وزنها عن القصائد التقليدية وليس لها وزن خاص (دائرة المعارف الاسلامية مادة موشح) .

ثم نجدالاستاذ محمد بن ابی شنب الجزائری (دائرة المعارف الاسلامية مادة موشح) انه يقول : بانه قصيدة نظمت من اجل الغناء ' والجدير بالذكر ان القصيدة تسمی ايضا موشحة كما ذكرها اللغويون (المنجد مادة وشح) ولكن لا يمكنناان نوافق على تسمية الموشح قصيدة ' لان المنظومات التی وضعت من اجل الغناء ليست كلها موشحات ' فكثير من قصائد عمر بن ابی ربيعة (هو شاعر غزلی من سراة القريش رقيق الاسلوب لطيف العواطف فی غزله صاحب ديوان توفی (٧٧١م) والوليدبن يزيد (الخليفة الاموی ' كان ذامواهب فنية بالشعر والموسيقی توفی سنة ١٢٦ ه) وابی العتاهية (هوابواسحاق اسماعيل بن القاسم 'شاعر مكثر سهل الاسلوب توفی سنة ٨٢٥) قد وضعت من اجل الغناء ' ولانوافق ايضا ابراهيم انيس الذی يقول : وليست الموشحات قبل تلحينها الا نوعامن الشعر المسمط (المسمط فی الشعر :ماكان مقسما على اجزاء عروضية مقفاة على غير روی القافية ويسمی ايضا المخمس) ' لانها لو كانت كذلک لما بقی للاندلسيين

شئی من فضل باختراعها وعلاوة علی ذلک ان المسمطات عرفت فی الشرق قبل ظهور الموشحات بزمن طویل

واما بهاء الدین محمد الابشیهی (ادیب ' له " المستطرف " فی کل فن ' المستطرف فی الادب والحکم واخبار العرب) (المنجدفی الاعلام ص ۸) فانه اخرج الموشحات من الشعر وجعلها فنا قائما بذاته فقال :والفنون السبعة المذکورة عندالناس هی :الشعر القریض(الشعر لانه اقتطاع من الکلام)' والموشح والدوبیت ' والزجل والموالیا ' الکان وکان ' والقوما ' وهذا المعنی قد اکده محب الدین محمدبقوله : وزبدة القول عنها انها لا ریب فی کونها خارجة عن الشعر لانه یطلق علی ابیات کل من القصیدة والزجل ...... وانما هی داخله فی النظم(خلاصة الاثر ۱۰۸/۱)

واما ابن خلدون (هو عبد الرحمن ' ابوزید ' مؤرخ فیلسوف اجتماعی عربی توفی سنة ۸۰۸ه) فقد ورد کلامه بصورة مبهمة غامضة حیث یقول ! واما اهل الاندلس لما کثر الشعر فی قطرهم و تهذبت مناحیه و فنونه و بلغ التنمیق فیه الغایة استحدث المتاخرون منهم فنا سموه الموشح (مقدمة ابن خلدون ص ۳۹۰) وقال ابن دحیة : الموشحات وهی زبدة الشعر وخلاصة جو هرة و صفوته وهی من الفنون التی اغرب بها اهل المغرب علی اهل المشرق و ظهروا فیها کالشمس الطالعة و الضیاء المشرق (المستطرب ص ۱۸۶)

اما تسمیة اجزائه فهو من اختصاص النقاد الذین انعموا النظر فیه للالمام بطریقة نظمه و تمیزه عن غیره من فنون المنظوم واول من قام بذلک ' کما اشار الی ذلک الدکتور مصطفی عوض الکریم فی کتابه " فن التوشیح " : القاضی السعید ابو القاسم هبة الله بن جعفر بن سناء الملک المتوفی سنة ۶۰۸ه/۱۲۱۱ م فی کتابه دار الطراز فی عمل الموشحات

اسماء اجزاء الموشح :المطلع والمذهب ' القفل ' الخرجة ' البیت ' الغصن ' السمط الدور '

مطلع الموشح و یسمی مذهبه : وهو المجموعة الاولی من الاقسمة ' واقلها اثنان او اربعة اشطر ومطلع هذا الموشح قول الناظم .

یاشقیق الروح من جسدی اهوی بی منک ام لمم

نلاحظ ان قافیته مختلفتان ' یعنی فی الشطر الاول (الدال) وفی الثانی (المیم) ولنعرف ان هذا لیس شرطا فانهما قد تکونان متفقتین فیقول صفی الدین الحلی :

یالیلة الوصل والسعود .. بالله عودی

وهذا البيت موافق بما قبله ' و يحسن بنا الذكرهنا انه لايشترط ان يكون لكل موشح مطلع ' فان وجد المطلع او القفل الاول سمى ذلك الموشح "موشحاتاما" والافهو "موشح اقرع"

القفل : اذا تردد قوافى المطلع بنفس العدد و النظام فى الموشح بطريقة معينة يقال لها حينئذ "الاقفال" وليس لها عدد محدود ' و بعبارة اخرى : القفل هوالجزء المتكرر فى الموشحة والمتفق مع المطلع أو القفل الاول فى وزنه وقافية ' ولكن ابن سناء الملك يفيدناان اغلب الموشحات لها خمسة أقفال (دارالطرازص٢٦) واليكم موشحة ابن زهر :

كل مافات وانقضى . ليس بالحزن يرجع

اى الذى جاء بعد المطلع اوالقفل الاول ' واما القفل الثالث فيها فهو :

فيه برق قد اومضا . ورحيق مشعشع

ويجد ربنا ان نذكربان القفل يتكرر فى الموشح التام ست مرات وفى الموشح خمس مرات (الادب العربى فى الاندلس ص ۳۴۸)

الخرجة : هى آخر قفل فى الموشح اونقول : هى عبارة عن القفل الاخير من الموشحة ' ومع ان المطلع ليس ركنا اساسيا فى الموشح الاان الاقفال والخرجة فى غاية الاهمية ' وبدونها لايستوفى الموشح اشراطه ' والخرجة هى الجزء الوحيد من اجزاء الموشح الذى يباح فيه اللحن بل و يستحسن وليعلم ان اللحن فيها مباح ليس بشرط لازم

وهذه الخرجة مربوطة باشراط ' فمنها : ان يكون الموشح الذى جاء ت فيه موشح مدح 'واشتملت الخرجة على اسم الممدوح كقول ابن بقى :

انمايحى سليل الكرام واحدالدنيا معنى الانام

ومنها : ان تكون الفاظ الخرجة غزلة جدا هزارة سحارة خلابة بينها و بين الصبابة قرابة ' وهذا معجز ' ومايوجد منه فى الموشحات سوى موشحين اوثلاثة كقول ابن بقى :

ليل طويل ولامعين يا قلب بعض الناس اما تلين

وفى نسخة " وما معين " بدلامن لا معين ' راجع الادب العربى ص ۳۵۰)

ومنهاان تكون مستعارة من خرجة مشهورة لوشاح آخر ' وكذلك ان يكون بيت شعر مضمنا .

وهذا ملخص من كتاب فن التوشيح ' وهناك بحث ممتع طويل ' راجع فن التوشيح ص ۲۳ ۔ ۲۵

البيت : ومفهوم البيت فى الموشحة غير مفهومه فى القصيدة التقليدية ' فالبيت فى الموشحة

يتكون عادة من الدور ومن القفل الذى يليه مجتمعين ' كقول الشاعر :

ودع الصبر محب ودعك ذائع من سره ماستودعك

والبيت فى الموشحة نوعان : بسيط ومركب . فالبيت البسيط ماكان اعداد اسماط دوره ثلاثة أوأربعة أو خمسة . والنوع الشائع فى الموشحات من البيت البسيط هو ماكان عدد اسماط دوره ثلاثة '

واماالبيت البسيط الذى يتالف دوره من اربعة او خمسة اسماط فوجوده فى الموشحات قليل . ومن امثلة مايتالف دوره من اربعة اسماط البيت التالى . وهو من موشحة الوزير ابى بكرالدانى ' المعروف بابن اللبانة

ليست شعرى هل درى

من نفى عنى الكرى

انه لو امرا

لتوخيت السرى

وادرعت الفسقا . مثل نجم طرقا ؟ (جيش التوشيح ص ٦٩)

واماالبيت المركب فى الموشحة فهو ماتالف كل سمط من دوره من فقرتين او ثلاث او اربع او خمس فقرات .

ومن امثله البيت المركب الذى يتالف دوره من ثلاثة اسماط وكل منها مؤلف من فقر تين قول ابى عيسى بن لبون :

سلاب النفوس امير قدير مسلط

الدر النفيس من فيه اذا فاه يلفظ

قمر للجليس وورد بمسک منقط

فما يمثل ... الاوترى السحر يسجد (جيش التوشيح ص :١٦٣)

الغصن : هو القسيم الواحد من المطلع او القفلة او الخرجة فى الموشح و اقل عدد للاغصان فى المطلع اثنان من نفس القافية كقول لسان الدين بن الخطيب

رب ليل ظفرت بالبدر ونجوم السماء لم تدر

وقد تكون اغصان المطلع ثلاثة كقول ابن نباتة :

ماسح محمر دموعى وساح ـ على الملاح ـ الاوفى الاحشاء منه الجراح .

وقد تکون اربعة ، کقول ایدمرا المحوی

بات و سماره النجوم۔ ساهر فمن تری۔ علمک السهد یاجفون

وهذالعدد من الاغصان قد انتشرت من کثیر عندالوشاحین ولکن منهم من تجاوز الحد حتی اغرب ، کما قد جاء ابن نباتة بعشرة اغصان (دیوان ابن لبانة ص ۵۹۴) وکما جاء ابن سناء الملک بعشرة اغصان واحد عشر غصنا (دارالطراز لابن سناء الملک ص ۹۷۔۹۸)

السمط : هواسم اصطلاحی لکل شطر من اشطر الدور کماراینا الکلام الموشح بانه دور یتکون من ثلاثة اقسمة ، فکل قسیم منها یسمی سمطا واول سمط من هذا لموشح کمایلی

ضعت بین العذر والعذل

واخر سمط فیها هو قوله

حین اشدو ها بکم طربا

وقد یکون السمط مفردا وقد یکون مرکبا من فقرتین او اکثر منهما مثلا من ثلاث فقرات ومن اربع فقر . فالامثلة علی الترتیب کمایلی :

صلاح الدین الصفدی :

(۱) لاتحسب القلب عن هواک سلا .. وانما حاسدی الذی نقل. حرف

ابن اللبانة :

(۲) اقم عذری فقد آن ان اعکف

علی خمر یطوف بهاوطف

کما تدری هضیم الحشامحطف

قول الاعمی !

(۳) لله مااقرب ..علی محبیه . وابعدا

حلوا اللمی اشنب .. آسی الضنی فیه .. واسعد

احبب به احبب .. ویاتجنیه ... طال المدی

ابن القزاز :

(۴) بدرتم ۔ شمس ضحی ۔ غصن نقا ۔ مسک شم

ماتم ۔ مااوضحا ۔ ما او رقا ۔ مانم

لاجرم - من لمحا - قد عشقا - قد حرم

ان ماذکره ابن خلدون وما نلاحظ یبدو بانه یسمی الموشح قطعة قطعة و یعده ضربا ر اقیامن الشعر بلغة الاندلسیین بعد اکتمال الشعر فی بلدهم

الدور : و یتالف الموشح ایضا من الدور ' وهو مایعقب المطلع فی الموشح ' ویقع بین الاقفال ' وهو یتالف من اجزاء اقلها ثلاثة فصاعدا الی خمسة ' ولا یتجاوز الخمسة الا نادرا ' وجمیع الادوار متماثلة فی عدد الاجزاء دون المعانی والالفاظ والقوافی شرطا من شروط الموشح (نفح الطیب ج ۹ ص ۲۲۵)

فموشح ابی بکر محمد بن زهر خیر وسیلة لایضاح عند الکلام علی بناء الموشح نجد اول دور فیه

وافقتم حین اقبلا

وجه بدر تهللا

لا تقل با لهموم لا

فهذا الدور یتکون من ثلاثةاشطر اواسما ط ذاتقافیة واحدة ثم یعقبه قفل یلیه الدور الثانی وهو قوله :

واصطبع بابنة الکروم

من یدی شادن رخیم

حین یفتر عن نظیم

ثم یاتی قفل یلیه الدور الثالث ' وهکذا ختام الموشح ' و یشترط فی الدور ان یکون وزنه من وزن المطلع او القفل الاول ' ولکن قافیته الموحدة فی اشطر او اسماطه تختلف عن قافیة المطلع ولیس للموشح عدد معین من الادوار یلتزم به الوشاح ' وان کان ابن سناء الملک قد لاخط انها فی اغلب الموشحات لم تتجاوز خمسة ادوار .

والموشحات التی لم تتجاوز خمسة ادوار هی فی الغالب " الموشحات الغنائیة " ای التی کانت تنظم اصلا یتغنی بها ' اما الموشحات الشعریة ' فلم یتقید الوشاحون فیها بعدد معین من الادوار 'کماهو الشان فی موشحات المتاخرین من امثال لسان الدین بن الخطیب و تلمیذه ابن زمرک ومن عار ضوهافی بعض الموشحات ' فمن هولاء من بلغ عدد الادوار فی بعض موشحاته عشرة ادوار ' کموشحة لسان الدین بن الخطیب التی مطلعها

جادک الغیث اذا الغیث همی   یازمان الوصل بالاندلس

لم یکن وصلک الاحلما   فی الکری او خلسة المختلس

(مقدمة ابن خلدون ج ۹ ص ۲۲۵)

فزبدة البحث ان کل بیت من الموشحات یشتمل علی اسماط واغصان ولکن ابن خلدون یعبر عن ھذہ الحقیقة قائلا : ان کل بیت علی اغصان وبالاضافة الی ذلک ان ابن سناء الملک یستعمل کلمة " بیت " ولکن الجمھور من ھذا الفن یستعملون کلمة " دور " وذلک واضح ' لان الموشح کلام منظوم علی وزن مخصوص ' وھو یتالف فی الاکثر من ستة اقفال وخمسة ابیات فان کان کذالک یقال له : " موشح تام "

وفی الاقل من خمسة ابیات وخمسة اقفال " لمثل ذلک یقال : "الاقرع " فالحاصل ان ما ابتدی فیه بالاقفال وھو موشح تام ' وکل ما ابتدی فیه بالابیات موشح اقرع قد اشار الی ذلک ابن سناء الملک (دارالطراز لابن سناء الملک ص ۲۵)واماالدکتور مصطفی عوض الکریم فی کتابه " فن التوشیح "یتالف الموشح فی الاکثر من مطلع وخمسة ابیات وھو التام ' وقد یتکون من خمسة ابیات وھو الاقرع .

و أیا کان البادی بھذ الفن عنیت فن التوشیح ' فانی عزیزی القاری ' اعجاباً باھمیة ھذا اللون الشعری الجدید ' و حرصاً منی علی اختیار الموشحات لاتم بھا ما قیل فی فنون الشعر العربی علی اختلاف اغراضه کانت ھذہ المقالة الوجیزة بین یدیک فالله أسال أن یحقق لنا ما نروم فانه علی ذلک قدیر .

المؤامرة الاستعمارية وانشاء الوطن القومي اليهودي في فلسطين

يس . ايم سراج الدين
كامل فى التاريخ بالجامعة النظامية
والباحث فى الدكتوراة بالمعهدالمركزى للغة الانجليزية واللغات الاجنبية بحيدرآباد .

من المعروف اساسا ان الغرب كان يحمل حقد الحروب الصليبية فى اعماقه لم يتخل عنه، وكان يخاصم الدولة العثمانية التى مدت نفوذها الى قلب اوربا و سيطرت عليها خمسة قرون، وان هذا الاحقاد والخصومات قد جرت فى دمائهم جيلا بعد جيل، كما يقول انور الجندى فى كتابه والاستعمار البريطانى هو الذى هدم دولة المسلمين فى الهند وازال اهلها للمسلمين وهو الذى ازال الدولة العثمانية (دولة الخلافة) واستعمر بلادها و مزقها كل ممزق والغى الخلافة وحال بين المسلمين وبين اعادتها .

ولذلك فمن غير المعقول انهم ينصفون الاسلام والمسلمين والعرب والدولة العثمانية اويصدرون فيها عن رأى مجرد من الهوى، او عقل و ضمير متحرر من الاحساس الذاتى تبعاً لذلك لم يكن الاهتمام البريطانى بفلسطين والمنطقة العربية مردة تامين الطريق التجارى للهند وحمايةهذ الطريق عسكريا، بل هدفت بريطانيا فى الدرجة الاولى الحلول دون قيام قوة حقيقة فى المنطقة واثر تقدم جيوش محمد على فى المشرق العربى اقدمت بريطانيا على الالتزام سياسة ثابتة هدفها الحفاظ على المصالح التجارية البريطانية تحت ستار حماية الاقليات الدينية، كما ينعكس الشاعر الفلسطينى ابو سلمى عبدالكريم الكرمى فى ديوانه :

ياحاد بين على الضعيف رويدكم ... تاريخكم فى صفحتيه العار
فهنا تجرون القيود دواميا ... وهنافى ايديكم الازهار
وهنا الشياطين استجارت منكم ... وهنا انتم قبة ومزار
لاتذكروا حق الضعيف فكلكم ... مستعمرون وكله مستعمار (۱)

وكان من جراء تلك السياسة ان اقانت بريطانية اول قنصلية غربية فى القدس عام ۱۸۳۹م ووجهت مسالةحماية اليهود فى فلسطين، فالجالية اليهودية كانت ںصغيرة جدالا تتجاوز تسعة آلاف وسبع مائة يهودى، موزعين بين القدس والخليل، وصفد وطبريا حسب تقرير نائب

القنصل البريطاني ' (۲)

ولقد كان هدف بريطانيا استقدام يهوديا لأسباب ودوافع استعمارية .

استعمارية بينها بوضوح الفايكونت بالمر ستون رئيس وزراء بريطانيا فى رسالة بعث بها الى سفيرة استانبول ' شرح فيها المنافع السياسية والمادية التى تعود على السلطان العثمانى من جرأ تشجيع الهجرة اليهودية الى فلسطين ' فكانت صيغة الرسالة على النحو التالى " ان عودة الشعب اليهودى الى فلسطين بدعوة من اللسطان وتحت حمايته تشكل سدا فى وجه مخططات شريرة يعدها محمد على أو من يخلفه " (۳) وهكذا جاء ت الفكرة الصهيونية كتعبير عم فقدان الأمل لقيام مجتمعات أو روبية تحريرية قادرة على استيعاب اليهود اقتصاديا ' و اجتماعيا و سياسيا ' وكاستجابة لرغبة الدول الاستعمارية الكبرى فى استخدام الجاليات اليهودية لأغرض استعمار الشعوب الأخرى ' نوتبعا لذلك أخذ بعض المفكرين اليهود بالدعوة الى العمل من أجل الهجرة اليهودية الى فلسطين و استعمارها ' و يعتبر كتاب ليون بينسكر (۱۸۲۱ ـ ۱۸۹۱) "التحرر الذاتى "الصادر عام ۱۸۸۲م والذى حلل الوضع اليهودى العام وخلص الى المناداة بوطن قومى فى فلسطين او أمريكا أقوى الكتابات الصهيونية الاولى وأعمقها أثرا ' ولكن الحركةالصهيونية ماكانت لتنمو ' لولا الاجراء ات الروسية ضد اليهود فى روسيا اثراغتيال القصير الروسى اسكندر الثانى فى مارس ۱۸۸۱ و ۱۸۸۲ ' فلم تكن تلك الاجراء ات الروسية ضد اليهود حرثا عابرا فى تاريخ الحركة الصهيونية ' فكانت الحصيلة استمرار الهجرة اليهودية من روسيا ' وخلال الفترة (۱۸۸۱ ـ ۱۹۰۴) هاجر من روسيا ودول أوروبا الشرقية الاخرى .خصوصا رومانيا .مايقارب المليون و نصف مليون يهودى ' توجه معظمهم الى أمريكا . بينما اتجهت قلة منهم تقدر بنحو (۲۵ ـ ۳۰) ألف يهودى الى فلسطين (۴) عاد قسم و نزح عنها فيما بعد ' ومع بداية الهجرة من روسيا فى عام ۱۸۸۲ بدأ التسلل الاستيطانى الصهيونى الى فلسطين ' فوصل عدد المستوطنات التى اسستها طلائع الهجرة الاولى فى فلسطين ' خلال السنوات مابين (۱۸۸۲ ـ ۱۸۸۴) الى ثمان مستوطنات (۵) وعلى الرغم من تلك المقدمات التى اعطت دفعا هاما للنشاط الصهيونى المكثف للجمعيات الصهيونية المختلفة ' بقيت الحركة الصهيونية مفككةدون تنظيم شامل ' الى أن تمكن ثيودور هرتزل من عقد المؤتمر الصهيونى الاول فى مدينة بال اسويسرية فى ۲۹ ـ ۳۱ أغسطس من عام ۱۸۹۷م ' وذلك بحضور (۲۰۴) أعضاء يمثلون جمعيات

صهيونية متناثرة فى أرجاء مختلفة من العالم و قد حدد الموتمر المذكور هدف الحركة صهيونية كمايذكرنبيل محمود السهلى بما يلى :

"ان غاية الصهيونية هى خلق وطن للشعب اليهودى فى فلسطين ' يضمنه القانون العالم " اما وسائل تحقيق هذا الهدف فكانت : أولا : العمل على استعمار فلسطين بواسطة العمال الزراعيين والصناعيين اليهود وفق أسس مناسبة .

ثانيا : تنظيم اليهودية العالمية و ربطها بواسطة منظمات محلية و دولية تتلاء م مع القوانين المتبعة فى كل بلد .

ثالثا : اتخاذ الخطوات التمهيدية للحصول على الموافقة الحكومية الضرورية لتحقيق غاية الصهيونية (٦) نشبت الحرب العالمية الاولى سنة ۱۹۱۴ بين كل من بريطانيا و فرنسا روسيامن جهة ' وألمانياوالدولة العثمانية من جهة أخرى ' و اتصلت بريطانيا بالعرب الناقمين على الحكم فى البلادالعربية وألبتهم على الدولة العثمانية والانفصال عنها ' كماينعكس الشاعر الفلسطينى العربى اسكندر الخورى البيتجالى فى اشعاره مخاطبا للانكليز يقول :

أولم نساعد كم على الاتراک والخصيم اللدود ؟

لولاتعشقنا لكم لبقيتم خلف الحدود

ولما دخلتم أرضنا بالانكليز وبالهنود (۷) .

وخوض الحرب ضدها الى جانب الحلفاء . بريطانيا و فرنسا و روسيا . وقطعت لهم العهود و المواثيق لتحقيق حريتهم و استقلالهم فى البلاد العربية ومن بينها فلسطين اذا هى انتصرت فى الحرب . وكانت هذه العهود مسجلة فى مكاتبات رسمية تبادلها كل من ممثل بريطانيا فى مصر السير هنرى مكماهون ' وممثل العربى شريف مكة الحسين بن على واطمأبون العرب الى عهود بريطانياووعودها شأن الاحرار اشرفاء فأعلنوا ثورتهم الكبرى على الدولة العثمانية بقياده شريف مكة فى ۱۰ ايونية سنة ۱۹۱۶' ولكن بريطانيا تنكرت لعهودها ووعودها مع العرب والشاعر العربى العراقى محمد مهدى الجوهرى يشير الى وعد الانكليز لليهود ووعودهم للعرب :

ذبحتم فلسطين يا ويحنا أبحتم حماها لمسترزقه

أكانت مواعيدهم حكمة وكانت مواعيدنا زندقة (۸)

والحرب لاتزال مشتعلة اللظى ' مشبوبة الاوار ' و دماؤهم تروى كل جزء فى الوطن العربى '

وضباطهم و جنودهم يتساقطون على أرض المعركة ، اذ ماكادت بوادر انتصار ها تلوح فى الافق حتى أخذت تكشف عن نواياها ، وتبدى ماأخفت من غدر و خيانة ، و تبرم المعاهدة السرية بينها وبين فرنسا المعروفة بمعاهدة سايكس بيكوالتى تقضى بتقسيم الشام الى مناطق نفوذ بين الدولتين .

وجاء وعد بلفور منطلقا مشؤوما من الماسى ومن الشدائد التى عاناها العرب ، وفى الثانى من نوفمبر سنة ۱۹۱۷ م أصدرت البريطانية وعد بلفور الذى جعل من فلسطين وطنا قوميالليهود ، وهى عند اصدارها هذا الوعد الظالم لم تكن تملك فلسطين ، يذكر اسكندر البيتجالى حول وعدد بلفور :

وعد ولا هو كالوعود خدعوأأمم اليهود
أم تنوم طفلها والطفل يخدع بالنشيد
كالمغرم المفتو ن يقنع بالتعلل بالوعود
والختل فى شرع السيا سةليس بالامر الجديد

* * * * * *

مهلا بنى " التاميز بالاعراب " والامل الوطيد
لاتعبثوا بالله بالود القديم وبالعهود
أو تؤثرون على العرو بة ود ناعمة الخدود ؟
أم أنكم قد بعتم ودالاعارب بالنقود ؟ (۹)

ولم تأخذرأى أهلها وعند ما تهيا لها احتلال فلسطين فى أواخر سنة ۱۹۱۸ م قسمت الشام . سورية ولبنان وفلسطين ، والاردن . قسمين : قسما شماليا . سورية ولبنان . وضع تحت الادارةالفرنسية ، وقسما جنوبيا .فلسطين والاردن . وضع تحت الادارة البريطانية .

وقسمت بريطانيا القسم الجنوبى قسمين : أحدهما يقع الى الشرق من نهر الاردن سمته شرق الاردن ، وثانيهما يقع الى غرب النهر وسمته فلسطين ، كماقسمت فرنسا الجزء الشمالى من الشام قسمين جمهورية سورية فى الشمال والشرق ،جمهورية لبنان الى الجنوب الغربى ، وبذلك مزقت بلادالشام شر ممزق ، وقطعت أوصالها ، ووجزئت هذه الوحدة الطبيعية اربعة أجزاء فى كل جزء حكومة ، وأقامت دولتاالانتداب بريطانيا وفرنسا بين هذه الاجزاء حدودا وهمية ، وحواجز مصطنعة لتقطع الصلات والاواصر بين ابناء الوطن الواحد . واحكاما لخيوط هذه المؤامرة الاستعمارية ، تولت بريطانيا الانتداب على فلسطين .

وثبت ذلک سميا فى سنة ۱۹۲۲م حين أقرت عصبة الامم صک الانتداب الذى اصبحت بريطانيا بمقتضاه دولة منتدبة على القسم الجنوبى من بلا دالشام " سورية الجنوبية " (۱۰)

لقد اعلنت الحكومة البريطانية فى أوائل يولية سنة ۱۹۲۰م انتهاء الادارة العسكرية فى فلسطين، وقيام ادارة مدنية، وعينت السير " هربرت صموئيل " أول مندوب سام لفلسطين، وهو يهودى الاصل، بريطانى الجنسية، من اقطاب الصهيونية المتعصبين لها، وقدأخذ على عاتقه تنفيذ برنامج " تهويد " البلاد، وطفق يسير بخطوات حثيثة نحو ذلک الهدف، مبتدئا بتنفيذ المادة الثانية من صک الانتداب التى تحتم على بريطانيا وضع البلاد فى ظروف وأحوال اداريةاسياسية و اقتصادية تضمن انشاء الوطن القومى اليهودى فى فلسطين.

ولکى تنفذ بريطانيا برنامجها الاستعمارى، ولکى تحقق لليهود أملهم فى انشاء دولة فى فلسطين. اقرات هيئة الامم مشروع تقسيم فلسطين فى ۲۹/نوفمبر سنة ۱۹۴۷ كما يقول جمال الشريدة، وفى ۲۹/نوفمبر عام ۱۹۴۷ أصدرت الامم المتحدة قرارها بتقسيم فلسطين الخ (۱۱)

ثار عليه ابناء فلسطين، وصمموا على محوه بدمائهم، واشتبكوا فى معارک طاحنة مع اليهود حتى دخلت الجيوش العربية فلسطين، فى ۱۵/مايو ۱۹۴۸، كما يقول المهندس ابراهيم غوشة: بعد الخامس من (ايار) مايو ۱۹۴۸م دخلت الجيوش العربية فلسطين وأهمها الجيش المصرى والاردنى والعراقى والسورى (۱۲) وانتهت حرب فلسطين بالكارثة التى لم يعرف لها التايخ مثيلااذ اغتصبت العصابات الصهيونية فلسطين، وشردت ابناء ها عن أرضهم و ديارهم و أقامت دولة اسرائيل، كما ينعكس الشاعر الفلسطينى محمد العدنانى فى قصيدته باسم " الدولة اليهودية "

أجهضت هيئة الامم	عندما باعت الذم
جهضها دولة الربا	والمواخير والنقم
جيشهما المكروالنسا	تبذل العرض فى الظلم
تحسب المال أنه	يخلق العز والشمم
وترى فية فخرها	وذرا مجدها الاشم
بئس والله دولة	للخناترفع العلم

* * * * * *

وترى الخلق أنه	لايساوى العدم

ولدت أمس ميتة　　　دولة الشرو القدم
فاذا قيل :انها　　　حية مهجة ودم (١٣)

المراجع :

العالم الاسلامی والاستعمار السياسی والاجتماعی والثقافی ص ٤٢٨ ' دار المرفة ابريل ١٩٧٠م
(١) ديوان أبی سلمی عبدالكريم الكرمی 'ص ٣٨ درار العودة بيروت ١٤٠٩ / ١٩٨٩م
(٢) تاريخ فلسطين الحديث للدكتور عبدالوهاب الكيالی ' المؤسسة العربية للدراسات للنشر بيروت و لبنان ' الطبعة الثانية ١٩٨٣م
(٣) نفس المرجع
(٤) القضية الفلسطينية فی نصف قرن ' نبيل محمود السهلی ' نخبة من الكتاب والباحثين لندن ١٩٩٩م
(٥) تاريخ الصهيونية الجزء الاول ' صبری جريس مركز الابحاث ' منظمة التحرير الفلسطنية بيروت ١٩٧٧م
(٦) القضية الفلسطينة فی نصف قرن ' نخبة من الكتاب والباحثين لندن ١٩٩٩م
(٧) الادب العربی المعاصر فی فلسطين للدكتور كامل السوافيری ' ص ٩٠ دار المعارف . ١١١٩ كورنيشا النيل ' قاهرة
(٨) ديوان محمد مهدی الجوهر ی ج . ١ . ص ١٨٣
(٩) الاتجاهات الفنية فی الشعر الفلسطينی المعاصر 'للدكتور كامل السوافيری ' ص ٨٧ ـ ٨٨ دار المعارف القاهرة .
(١١) جمال الشريدة الشؤون السياسة والاقتصادية ص ٦٥ ' القضية الفلسطينية فی نصف قرن ' نخبة من الكتاب والباحثين لندن ١٩٩٩م
(١٢) المهندس ابرهيم غوشة نكبة عام ١٩٤٨ م ص ٦٣ ١ منشورات فلسطين المسلمة لندن ١٩٩٩ م
(١٣) الادب العربی المعاصر فی فلسطين للدكتور كامل السوافيری ص ١١٧ ' دار المعاف القاهرة

إعجاز القرآن الكريم من ناحية الفصاحة و البلاغة

سعيد بن مخاشن

الكامل للسنة الاولى بالجامعة النظامية

الحمد لله الذى انزل القرآن و اعجز به فصحاء عدنان و بلغاء قحطان و الصلوٰة و السلام على سيد الاكوان و اله الطاهرين من الرجس و الادران و اصحابه الذين هم نجوم الهداية و البرهان و على من تبعه من الانس و الجان ' لاسيما على شيخ الاسلام حامى السنة و القرآن . اما بعد

فالقرآن هو كلام الله القديم و دستوره العظيم هو كتاب ﴿لاياتيه الباطل من بين يديه و لا من خلفه﴾ هو هداية و نور و شفاء لما فى الصدور وهو منزل على رسوله الكريم و معجزته الخالدة على الزمن

المعجزة امر خارق للعادة مقرون بالتحدى و سالم عن المعارضة وهى ضربان (۱) حسية (۲) عقلية و اكثر معجزات الرسول قبل الرسالة المحمدية ﷺ حسية و مادية لبلادة اقوامهم و قلة بصيرتهم كناقة صالح و طوفان نوح و نار ابراهيم عليهم السلام واكثر المعجزات لهذه الامة عقلية لفرط ذكاوتهم و كمال عقولهم ولان هذه الشريعة لها بقاء على صفحات الدهر الى يوم القيامة خصت بالمعجزة العقلية ليراها ذووا البصائر فى كل زمان و مكان .

و هذا من الطبيعى أن الذى يشاهد بعين الرأس ينقرض بانقراض المشاهدة والذى يشاهد بعين العقل يبقى لامكان النظر فيه فى كل عصر من العصور فلذا انقرضت معجزات الانبياء بانقراض اعصارهم .

و معجزة القرآن مستمرة الى يوم القيامة لخرقه العادة فى اسلوبه و فصاحته و بلاغته و اخباره بالمغيبات . فلا يمر عصر من العصور الا و يظهر فيه شئ من اخباره .

و يذكر خمسة شرائط للمعجزة

الشرط الاول : ان تكون مما لا يقدر عليها الا الله سبحانه و تعالى

الشرط الثانى : ان تخرق العادات

الشرط الثالث : ان يستشهد بها مدعى الرسالة على الله عز و جل فيقول ايتى ان يقلب الله هذا الماء زيتا

الشرط الرابع : ان تقع علی وفق دعوی المتحدی بها المستشهد بکونها معجزة له .

الشرط الخامس : ان لا یاتی احد بمثل ما اتی به المتحدی علی وجه المعارضة (۱)

و لا شک فی هذا القرآن ان الکریم معجزة لا یقدر احد علی معارضته بعد تحدیهم بذلک قال تعالی ﴿ و ان احد من المشرکین استجارک فاجره حتی یسمع کلام الله ﴾ (۲) فلولا ان سماعه حجة علیه لم یقف امره علی سماعه و لا یکون حجة الا و هو معجزة و قالی تعالی ﴿ وقالوا لو لا انزل علیه آیات من ربه قل انما الایات عند الله و انما انا نذیر مبین ا و لم یکفهم انا انزلنا علیک الکتاب یتلی عیلهم (۲)

فاخبر ان الکتاب اية من اٰیاته کاف فی الدلالة قائم مقام معجزات غیره و اٰیات من سواه من الانبیاء . ولما جاء به النبی ﷺ الیهم و کانوا افصح الفصحاء و مصاقع الخطباء و تحداهم علی ان یاتوا بمثله و امهلم طول السنین فلم یقدروا کما قال تعالی ﴿ فلیأتوا بحدیث مثله ان کانوا صادقین ﴾ (۴) ثم تحداهم بعشر سور منه کما فی قوله تعالی ﴿ ام یقولون افتراه قل فاتوا بعشر سور مثله مفتریات و ادعوا من استطعتم من دون الله ان کنتم صادقین ﴾ ثم تحداهم بسورة فی قوله تعالی ﴿ ام یقولون افتراه قل فاتوا بسورة مثله ﴾ (۲) ثم کرر فی قوله تعالی ﴿ و ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله ﴾ (۷)

فلما عجزوا عن معارضته مع انهم کانوا فحول الفصاحة والبلاغة و امراء الکلام و ارباب البیان نادی علیهم باظهار العجز و إعجاز القرآن فقال ﴿ قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذا القرآن لا یأتون بمثله و لو کان بعضهم لبعض ظهیرا ﴾ (۸)

لیس فی استعداد ای مخلوق ان یاتی بمثل کلام الله تعالی لان کلام الله صفته کما لیس لذاته مثل فکذلک لیس لصفته مثل ۔

و جهة اعجازه لیست مفردات الفاظه والا لکانت قبل نزوله معجزة و لا مجرد تالیفها و الا لکانت کل تالیف معجزا

و لا مجردة اسلوبه و الا لکان الابتداء باسلوب الشعر مجعزا

و لان الاعجاز یوجد دونه ای الاسلوب . فی نحو فلما استیأسوا منه خلصوا نجیا (۹) ﴿ فاصدع

بما تومر ﴾ (۱۰) .

ولا بالصرف عن معارضتهم لان تعجبهم كان من فصاحته ولان مسيلمة و ابن المقفع و المعرى وغيرهم قد تعاطواها فلم ياتوا الا بما تمجه الاسماع و تنفر منه الطباع و يضحک منه فی احوال تراكيبه و بها . ای بتلک الاحوال أعجز البلغاء و اخرس الفصحاء (۱۱)

بل القرآن معجز بكثير من الجهات و هو جامع بين غزارة المعنى و احكامه و رصانة اللفظ و فصاحته وهو شامل على نواح فكرية و روحية و علمية و عملية انه كتاب دينى علمى ادبى اجتماعى خلقى تاريخى ‘ و يشتق منه علوم يطول شرحها و يصعب حصرها وله اسلوب لا يبلى على مر العصور و فيه من روائع البيانى ما يعجز عن و صفه اللسان و يتجلى فى الأيات حيناً فخامة المعنى و جلالة الموضوع كما فى سورة الحج و سورة مريم و سورة الانبياء وله تناغم و ايقاع جميل كما فى سورة " ق " و سورة الفرقان و سورة القمر و سورة الرحمن و سورة المرسلات و غيرها .

و كذلک نجد اسلوب القرآن مليئاً بتصوير المعانى و المشاهد تصويرا صادقا محسوسا وله سلطان على النفوس و تاثير فى القلوب و قارئه لا يكل و سامعه لا يمل (۱۲)

ان القرآن الكريم له حظ وافر فى تاثيره فى الادب العربى من الناحية اللفظية والمعنوية (۴) فمثلا اثر القران فى نفوس الشعراء البارزين اثرا واضحا من ناحية الفصاحة والبلاغة و ثبتت عظمة القرآن فى قلب لبيدبن ربيعة احد اصحاب المعلقات السبع الى ان اعرض عن الشعر و حفظ القران الكريم .

و بلغ هذا الخبر الى درجة الشهرة ان عمر بن الخطاب رضى الله عنه كتب الى المغيرة بن شعبة وهو عامل الكوفة ان ادع من قبلک من الشعراء فاطلبهم من الشعر ما قالوا فى الجاهلية والاسلام فقال للبيد بن ربيعة انشدنى فقال لقد ابدلنى الله بذلک سورة البقرة و ال عمران فكتب سورة البقرة و ارسلها الى المغيرة بن شعبة ففرح امير المومنين عمر بن الخطاب رضى الله عنه بذلک العمل و اجرى له وظيفة شهرية فكان لبيد يرى ان لا حاجة الى اى ادب بعد ادب القران (۱۳)

و ان القرآن الكريم لمعجزة خالدة ارسل الله بها نبيه الكريم و لم يعط الا مة من الامم كتاب مثله من حيث البلاغة والتاثير فى القلوب وهو المعجز ببيانه و بلاغته و فكره فى كل زمان و مكان لا تنقضى عجائبه و لا تنتهى غرائبه فعجز اهل العرب من الفصحاء والبلغاء الذين كانوا يفتخرون بفصاحة

کلامهم و بلاغته فغلبت على نفوسهم سطوة القرآن حتى اقر المشركون والكفار باعجازه و تاثروا بفصاحته و بلاغته و قد يروى ان طفيل بن عمر والدوسى اتى الرسول ﷺ فعرض رسول ﷺ الاسلام فقال له الطفيل انى رجل شاعر فاستمع ما اقول فقال ﷺ هات فانشد ابياتا فاجابه النبى ﷺ و انا اقول فاستمع فقرأ أعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم قل هو الله احد الخ) ثم قرا قل اعوذ برب الفلق الى اخر الاية .

فاسلم الطفيل بتلاوة النبى ﷺ على فوره

لا تنكر هذه الحقيقة أن من تبحر فى الادب العربى فقد تاثر باعجاز القران اكثر من غيره ا التبحر ينافى التاثر فى اكثر الاحيان و لكن الامر هنا بالعكس و لها شواهد كثيرة يصعب استيعابها و هاانا اقدم قصتين الاولى تتعلق بالعصر القديم والثانية بالحديث .

لما شاهد اعداء الاسلام غلبة نور القران على العالم هيأوا لاطفاء نوره رجلا كان اماما من ائمة الادب فى زمانه و هو معروف بابن المقفع ' و بعد ان قضى شهورا عديدة فى هذا السبيل ما حصل على اى شئ الا القراطيس الممزقة كان يكتب فيها و يمزقها كلما يطلع على النقص فيها' وخلال هذه الايام مربه صبى فسمعه يقرأ الاية ﴿ و قيل يارض ابعلى ماء ک و يسماء اقلعى وغيض الماء و قضى الامر واستوت على الجودى و قيل بعد اللقوم الظالمين ﴾

فتأثر به ابن المقفع تاثيرا شديداً حتى انقطع عن عمله و قال اشهد هذا لا يعارض ابدا و ما هو من كلام البشر .

والقصة الاخرى قال الشيخ الطنطاوى قابلنى الاديب المصرى الاستاذ الكامل الكيلانى فى يوم ۱۳ يونيو ۱۹۳۲ ء فحدثنى حديثا عجيبا ' قال الكيلانى : كنت مع الاستاذ " فنكل " وهو من افاضل المستشرقين الامريكيين و كانت بينى و بينه صلات ادبية و ثيقة و كان ياخذ رائى فى ذكر المشاكل التى تقابله فى الادب . ففى ذات يوم همس فى اذنى متهيبا ' فقال خبرنى عن رايک افمن يعتقدون إعجاز القرآن انت ؟ ام لعلک تجارى جمهوى المسلمين الذين يتلقنون ذلک كابرا عن كابر و ابتسم ابتسامة كل معانيها وهو يحسب أنه قد القى سهما لا سبيل الى دفعه فابتسمت كما ابتسم لى و قلت : لكى نحكم على بلاغة اسلوب بعينه يجب ان نحاول ان نكتب مثله او نقلده و نناقش

لیظهر لنا انحن قادرون ام عاجزون عن محاکاته و تقلیده ، فلنجرب عن سعة جهنم فماذا نحن قائلون ؟ فامسک بالقلم و امسکت به. فکتبنا نحو عشرین جملة متخیرة الاسلوب فعبربها عن هذا المعنی منها ان جنهم واسعة جدا... (۲) ان سعة جهنم لا یتصورها عقل انسان (۳) ان الجن والانس اذا دخلوا جهنم لتسعهم و لاتضیق بهم . (۴) ان سعة جهنم لا یصفها و صف ولا یتخیلها وهم ولا تدور بحسبان (۵) کل وصف لسعة جهنم انما هو فضول وهزیان .

فکتبنا مثل هذا عشرین جملة تدل علی سعة جهنم ، فقلت مبتسما ابتسامة الظافر الواثق الآن تتجلی لک بلاغة القران واعجازه بعد ان حاولنا جهدنا ان نحاکیه فی هذا المعنی فقال هل ادی القران هذا المعنی بابلغ مما ادیناه ! فقلت له لقد کنا اطفالا فی تادیته فقال مد هو شا و ما ذا قال : قلت له قال ﴿ یوم نقول لجهنم هل امتلات و تقول هل من مزید ﴾ فصفق و فتح فاه کالابله امام هذه البلاغة المعجزة و قال لی صدقت و انا اقرر لک مغتبطامن کل قلبی فقلت لیس عجیبا ان تذعن للحق و انت ادیب خبیر بقیمة الاسالیب (۱۵) وهناک کثیر من مثل هذه الوقائع و کلها یوحی الی ان الادباء المصاقع والبلغاء العباقرة والشعراء خبیروالفصحاء النابغین لم یتجروؤا علی معارضة الکتاب الحکیم بل اضطروا الی الاعتراف بتاثیر القران الکریم علی القلوب و اعجازه و فصاحته و بلاغته بقولهم و بعملهم و ملخص القول ان القران الکریم لمعجزة خالدة لم یاتوا بسورة من مثله ولن یاتوا به الی ابد الاباد والذین لم یومنوا فخابوا وخسرو و ان الذین امنوا به فاولئک هم المفلحون والله هوالموفق

و اخر دعوانا ان الحمد لله ربالعالمین

الهوامش (۱) اتقان . (۲) التوبة (۷) ، (۳) العنکبوت (۵۰ ، ۵۱ (۴) الطور ، (۵) هود (۱۳/۱۴) (۶) یونس (۳۸) ، (۷) البقرة (۲۳) (۸) الاسرار (۲۸) (۹) یوسف (۸۰) (۱۰) الحجر (۹۴) (۱۱) اتقان (۱۰۰۸) (۱۲) القران مجعز فی کل زمان و مکان (۱۹) (۱۳) الاغالی (۱۲/۱۵) (۱۴) تاریخ اداب اللغة العربیة لجرجی زیدان (۱/۱۹۳ (۱۵) الجواهر (۲۳/۱۰۷)

زجاجة لمصباح شيخ الاسلام

سيد واحد على القادرى
الفاضل للسنة النهائية

الحمدلله الباطن عن الاذهان والابصار والصلوة والسلام على سيدنا سيد المرسلين الاخيار و اله الذين تزكوا من الادران و الاقذار و اصحابه الذين نشروا الدين فى جميع الاقطار و على من تبعهم باحسان الى يوم القرار .

فهذه كلمة و جيزة عن حبر نحرير لوذعى لبيب عنا له مصادع البلغاء و دناله مصاقع الخطباء و فاحت من انفاسه الاجواء و اشرقت بنور وجهه الاضواء وطار صيته فى الانحاء و انقشعت به السحائب السوداء ، الا وهو سيد الادباء شمس العرفاء كنز الاسرار والمعارف بحر الحقائق والدقائق سيدى وشيخى الشيخ السيد ابراهيم الاديب . هو ابن السيد عباس بن السيد ابراهيم بن السيد حيدر بن السيد عباس بن السيد على بن السيد عبد القادر بن السيد محمد بن السيد ابى الحسن الرضوى القادرى النجفى قدس الله اسرارهم . وكان الشيخ السيد ابو الحسن الرضوى ظعن من النجف الى بلاد الهند ونزل بحيدآباد واستوطنها ، و ينتمى الى سيدنا الامام السيد على رضا عليه السلام .

وكان رحمه الله خير خلف لخير سلف وقد عاش عيشة راضية اثرالباقية على الفانية واختيارالأجلة على العاجلة وسلك لنشر علوم الدين مسالك مفروشة بالاشواك والشوائب محاطة بالألام والمصائب ولم يحتفل بشانها ولم يلتفت الى زخرفة الدنيا وبها ئها ولم يصده فى سبيله مانع .

ولادته : كانت امه رات فى المنام ـــ وهى حملت به ـــ ان اسدا دخل فى المنزل ففزعت وقالت له " إنصرف" نطق الاسد " ماانتيت لأ نصرف " وذكرت هذه الرويا لاحدالثقات من المعبرين فعبر بانه ليس اسد الغابة انما هو اسد العلم والمعرفة يفوق اقرانه بعلمه وذكائه و يسود اترابه بفضله و سمائه فتبلجت هذه الذكا سنة ۱۲۹۵ من الهجرة فى اسرة السراة بقرية من قرى ابراهيم بتن .

صفته : كان رحمه الله شخت الخلقة خفيف العارض لم يكن طويلا ولا قصيرا وهو اسمر اللون ادعج العين يلبس العمة الكبيرة الخضراء ويكتسى الجبة الطويلة واخذيتزر فى اوا خر عمره ، وكان رحمه الله مع انه متمكن من الفنون الظاهرة متضلع فى العلوم الباطنة بعيدا عن الخيلاء والسمعة متصفا بالاستكانة والمسكنة ، وكان مطواعا محافظا للاذكار والا وراد لاتلهيه الخزعبلات والهذيان وعلى مثله يصدق قوله تعالى " رجال لاتلهيهم تجارة ولابيع عن ذكرالله " .

دراسته وتدريسه : كان رحمه الله قرأ على ابيه مبادى العلوم ولما رآه والده مولعا بطلب العلوم الدينية مقبلا عليها اقبال الظامئ على الماء البارد منح له الالتحاق بالجامعة النظامية وهى منهل فى ذلك الاوان ـــ كما هى فى هذا الزمان ـــ لاعلام العلماء مصدر لاعيان الفضلاء يردونه من زواياالارض وارجاء ها و ينهلون ثم يعلون و يصدرون عنه مرتوين فالتحق بها واخذالعلوم العالية والأليه من التفسير والحديث والفقه والكلام والادب وغيرها عن مهرة الاساتذة واستفاد من الشيوخ الجهابذة كسماحة الشيخ عبدالكريم الافغانى والمحدث البارع الشيخ محمد يعقوب والفقيه النبيل الشيخ المفتى محمد ركن الدين رحمهم الله تعالى . وكان تلميذا فى الا دب العربى للعلامة السيد على بن السيد ابى الحسن وهو من فرسان مجال الادب العربى ، وحصل له الاجازة فى الحديث من الشيخ المحدث عبدالرحمن السهارنبورى للصحاح الستة سنة ١٣٢١ من الهجرة وهو ابن ست وعشرين من عمره . نبغ فى المعقول والمنقول و برع فى الفروع و الا صول حتى تفوق اصحابه وبرزعلى لداته وتعين للتدريس بهذه الجامعة الغراء فى اول الامر بعد ان تخرج ثم درس بالجامعة العثمانية من حيث استاذاللغة العربية كان اسلوب تدريسه ان يبين للطلبة الا بواب المجردة والمزيد فيها لكل كلمة مع معانيها فضلا ان تجئ الكلمة اثناء الدرس مرارا ، ولم يزل الطلبة ومن سواهم ينتفعون به ويسائلونه عن شكوكهم فى المواقيت الدراسية وغيرها ، وقد كانوا يحيطون به احاطة الهالة بالقمر .

من تلاميذه شخصيات عباقرة وافذ اذ فاخرة يحاكون نجوماساطعة تهتدى بها السارية فى الليل البهيم مثل شيخ الفقهاء الشيخ ابى الوفاالافغانى مؤسس احياء المعارف النعمانية والشيخ المفتى رحيم الدين شيخ الجامعة فيما سبق من الزمان والعلامة السيد محمد باشاه الحسينى القادرى والشيخ حكيم محمد حسين شيخ الحديث و امير الجامعة فى السابق ونجله الكريم رئيس المفسرين سيدى ومرشدى ومولاى وثقتى ورجائى الشيخ السيد طاهر الرضوى القادرى النجفى صدرالشيوخ بالجامعة النظامية عليهم سحائب الرحمة والرضوان ، ومن عداهم كثير لا يسع لذكرهم صدر هذه المقالة الموجزة .

وكان الشيخ رحمه الله من تلاميذ شيخ الاسلام استاذالملوك الاصفجاهية محى السنة قامع البدعة العارف بالله الامام الحافظ محمد انوارالله الفاروقى مؤسس الجامعة النظامية وقد من شيخ الاسلام على المسلمين بانه كتب تعليقات على الاحاديث من الصحاح وسماهاب " المجموعة المنتخبة من

الصحاح" ونسخ الشيخ رحمه الله من اجزائها بقلمه كان مبانيها لأل منتظمة و درر مستجادة لانه كان ناسخا مجيدا ينسخ مؤلفاته بخط انيق ونسخ بعض كتبه اكثرمن نسخة فلشرح الشواهد نسختان ولمطالع النور ست نسخ ، وكان يكتب كتبه الاردية باللغة العربية لانه لافرق بين اللغتين عنده فاذا كتب بالاردية كان كاتبا بديعا و اذا كتب بالعربية فكانه سحبان .

بيعته : بايع رحمه الله اغر المناقب اعز المراتب الشيخ الجليل سيدى و شيخى السيد جمال الدين الشاه الحسنى والحسينى القادرى وارتوى بسقيه وسحابة جوده حتى تولى الخلافة وصار بحرا خضما مملوء بدر ر الاسرار غنيا بجواهر المعارف .

شعره : كان من فحول الشعراء فى عصره ' ذاع خبر براعته فى الادب العربى من بين العرب والعجم فاتى اليه فرسان اليراعة حتى العرب وبخعوا بمكانته السامية فى الادب ' لايتمكن الناظر من الفرق بين شعره و شعر العرب العرباء التى لم تخالط اعجميا قط ' كان الشيخ رحمه الله بعيد الخيال وبديعه ' وشعره شامل على العلوم البلاغية بأسرها ' ياتى بالاستعارة ويزينها بالترشيح اكثر منه بالتجريد ' يجيد وصف المعشوق بان يحرق العاشق بالجوى ويقلقه بالهجر و يضجره بالدلال والتبختر و يبدع وصف الوامق بالقلق والتذمر ' شبه البصر بالنصل والصارم ' والندامى بعيون الافاعى ' والسقم باللباس ' والذهن الثاقب بالنجم الدائم الزهو ر وما الى ذلك من التشبيهات البديعة ' ويذكر تشبيه التمثيل اكثر من التشبيه الضمنى ولكنه استعمل جميع اقسام التشبيه ' وكذلك توجد فى شعره المحاسن اللفظية والمعنوية .

لامية الدكن : قصيدة شهيرة من قصائده مسماة ب " صمصامة الزمن " من البحر الطويل والقافية متدارك ' قالها فى سيد نا زين المرسلين صلى الله عليه وسلم واله واصحابه رضى الله عنهم وفق منهج لامية العرب للشنفرى كماقال فى المقدمة " لمافرغت من شرح لامية العرب للشنفرى الازدى على ماسنح لى من افادة طلاب الادب العربى سنة ست و خمسين بعد الالف و ثلثمائة من الهجرة رايت ان اقول قصيدة على بحرها وقا فيتها ورويها فى النبى واله واصحابه ". افتتحها بذكر سيلمى كما من دأب الشعراء انهم يفتتحون قصائدهم بذكر الحبيبة كماقال كعب بن زهير رضى الله عنه .

بانت سعاد فقلبى اليوم مبتول متيم اثرها لم يفد مكبول .

فاولها: الاحت سليمى فى البراقع ترفل او الشمس تجرى فى الغمام و تذأل

استعار سليمى لذات الله تعالى والديار لصفاته وقوله " فى البراقع ترفل "و"تجرى فى الغمام "

ترشیح ، وذکر ان الشمس والقمر والانجم تستضئی بنورها والخلائق کلها تدنولها و تطأطئ الرء وس امامها من مشی نحوها اهریق دمه ومن احبها وقصد الیها قتّل ومن استهیم فؤاده بغرامها ضلّل فلامحجة الیها ولا مغنی الا ان تلوذ بالذی یقرب منها ویوصل الیها ، ان هو الاالمصطفی سید الوری سیدنا و نبینامحمد النبی الامی صلی الله علیه وسلم وطفق یمدحه ویذکر فضائله و فواضله ثم ذکر من امنوا به و اٰدابهم فی حضرته ، والکتاب المبین الذی لایدع رطبا ولایابسا و بیّن ارتحاله صلی الله علیه وسلم الی جوار ربه وامرا ستخلاف سیدناابی بکر و سیدنا عمر وسیدنا عثمان و سیدنا علی ، ومدح السیدین الحسنین وسیدتنا فاطمة رضی الله عنهم وفضائلهم ، وهذه القصیدة اربعة عشرومائتابیت وهی داخلة فی المنهج الدراسی بالجامعة النظامیة .

من قصائده قصیدة طویلة فی مدح سیدنا سیدالانبیاء والرسل صلی الله علیه وسلم وهی من البحر الطویل والقافیة متدارک اولها :

سحرت وان السحر نفث موثر بعین مهاة فی سماالسحرتزهر

بدأها بذکر " مهاة " وهی استعارة لواجب الوجود المستجمع للصفات الکمالیة المستحق لجمیع المحامد ، ذکرامرها بطریق الاستعارات الصریحة والمکنیة فی ابیات ثم اعرض عن التشبیه والاستعارة وقال :

ففی الذوق معنی من مدیح محمد نبی الوری لله سیف مذکر .

وجعل ینظم دررالمدح والثناء حتی صارت عقدا من اثنین و ثمانین و مائة . وله قصیدة اخری فی شان قطب الاقطاب فرد الافراد غوثناالغوث الاعظم السید عبد القادر محی الدین الجیلانی رضی الله عنه وهی خمسة عشربیتا من البحر البسیط وقافیتها متراکب . اولها

البر والبحر والاقلام والکتب والشرق والغرب والایام والحقب .

وله قصائد کثیرة اخر فی مدح اهل البیت السراة والصحابة الهداة رضی الله عنهم وفی الملوک والاقیال والامراء .

مصنفاته : کان هذا البحر الزاخر الذی لاینکف ابدی للطالبین جواهره ولألئه فیأخذوا منها ویطالعوها و یقتبسوا من فرائدها ، بعضها قد تحلت بالطبع والبعض یطبع ان شاء الله تعالی ، فالی حضرتکم تعلیقا موجزا علی بعض مؤلفاته .

امانت الهیه : هذه رسالة فی تاویل الایة " اناعرضناالامانة علی السمٰوات الخ " من الواضح

الملموس أن الصحابة والتابعين ومن بعدهم من المفسرين اختلفت اقوالهم فی تاویل الامانة و تعیین مصداقها فبعضهم قالوا انها الطاعة وبعضهم قالوا انها الفرائض والبعض قالوا هی التکالیف و غیرها من الاقوال . بحث رحمه الله فیها بحثا شاملا واثبت ان الامانة لایراد بهاالا " الخلافة " وهذا مماتفرد به . وذکر فی هذه الرسالة أن لم یخرج فرد من افراد الناس فی حمل الامانة کاملا کان او ناقصا ، وما عدا الجن والانس من الاعیان لاتطیق حملها ، والانسان محمود بحملها وان کان متصفا بالظلم والجهل لعدم المواظبة علیها او التقصیر عنها .

شرح شواهد : کتاب فی شرح شواهد استشهد بها رئیس المفسرین سیدنا عبدالله بن عباس رضی الله عنهما حینما ساله نافع بن الازرق عن عدة آی من الکتاب المبین ، شرح مفرداتها شرحا وافیا وبین معانیها عند الخفاء بیانا کافیا ، واورد فی مواضع حینا علی مسئلة نافع بن الازرق وتارة علی استشهاد ابن عباس رضی الله عنهما و طورا علی قول الشاعر ، فقال فی موضع بعد ماذکر مسئلة نافع بن الازرق عن قول الله تعالی (یکاد سنابرقه) " ومعنی السنا معروف مبتذل عند عامة العرب ولا اری احدا منهم یذهل عنه فضلا ان یسئل ابن عباس " (شرح شواهد ص ۳)

وقال فی مقام بعد ماشرح قول الشاعر :

والزعفران علی ترائبها شرقابه اللبات والنحر

" ولو قال شرقت به اللبات والنحر لکان افصح واظنه قال هذا " (شرح شواهد ص ۳۱) وقال فی موضع آخر موردا علی استشهاد ابن عباس فی قوله تعالی (لم یتسنه) بقول الشاعر ۔

طاب منه الطعم والریح معا لن تراه متغیرا من اسن

" والاسن وان کان مرادفا للتسنة و لکنه غیره فی التلفظ ولذا لا یکون شاهدا علی مادعاه " ای مادعاه ابن عباس رضی الله عنهما لا نه سئل عن کلمة التسنة واجاب مستشهدا بمرادفه " ثم قال " وقوله متغیرا من اسن مخل بوزن الشعر ولو قال یتغیر من اسن لاستوی الوزن ومع ذلک لایکون شاهدا ولو کان موضعه یتسنه من اسن لا ستوی الوزن وصح ان یکو ن شاهدا " (شرح شواهد ص۳۳) واشباه ذلک کثیر فیه .

فصول اکبری : کتاب للعلامة الشیخ علی اکبر رحمه الله بالفارسیة ، کتبه الشیخ بالاردیة علی انه زاد الیه ونقده فی مواضع کثیرة کما قال فی اول مزایاالابواب " یصح ان تعدالمتداخلة والمشترکة من باب حسب الا ثلاث لغات وغرٌ ، وحرٌ ، ووهلٌ ، لانها لاتعد راسا من باب حسب ، وقول

المؤلف الهمام بان هذه الثلاث تعد من باب حسب او يمكن اعدادها منه غير صحيح " (فصول اكبرى ص٣) وذكر فى مميزات التفعل " تبوب بوابا اتخذه " ثم قال : "ان المؤلف الفاضل بين تبوب اتخذالباب وهذا ليس بصحيح " (فصول اكبرى ص ٩) وقال فى باب المركبات (الافعال التى تكون مهموزة بعد ان كانت معتلة) " صأى يصأى كسعى يسعى " ثم نقد " ظن المولف الهمام ان مهموزالعين بعد ان كان ناقصا يائيا مااستعمل فى اى لغة ' وذكر بعض الشراح صأى يصأى من باب ضرب وهو من باب فتح ' ولم يستعمل صأى يصأى من باب ضرب " (فصول اكبرى ص ٢١)

تفسير سورة والتين وسورة قريش :

من يرى تفسير ها تين السورتين يتضح له قدره و منصبه فى تفسير ايات التنزيل و تبيين غوامض اسراره و توضيح معضلات دقائقه' فسرهما اجود التفسير و اسلوبه كاسلوب القاضى البيضاوى وانتقد فيه كلام الامام محمود بن عمر جار الله الزمخشرى الذى كل من بعده اتبعه واقتدى به و ذكر وجه النقد . وبين ما هو عنده اولى وانسب 'و مثل هذا لا يصدر الاعن اديب اريب و مفسر كبير و امام فى جميع العلوم العربية من اللغة و الصرف و النحو والمعا نى والبيان ولا يمكن هذا الا لمن غاص بحرا سرار المعرفة ودقائقها ' فاليكم نبذة منه :

ذكر قول صاحب الكشاف الزمخشرى فى تفسير (ثم رددنا ه اسفل سافلين) ثم رددناه بعد ذلك التقويم والتحسين اسفل من سفل فى حسن الصورة والشكل حيث نكسناه فى خلقه فقوس ظهره بعد اعتدا له وابيض شعره بعد سواده .... فمما لا يقبل لان الانسان لايكون اسفل من كل سافل لتقوس ظهره وهرمه وضعف سائر قواه وفيما خلق الله ماهواسفل منه خلقا .... (تفسير سورة والتين ص١٣'١٤) وقال فى موضع : فالخطاب فى قوله تعالى (فما يكذبك بعد بالدين) على ماقاله الزمخشرى للانسان مطلقا على طريقة الالتفات لايصح بوجه لان الانبياء والصالحين والمؤمنين الذين امنوا بالله ورسله لا يخاطبون بذلك تارة ومن رد اسفل سافلين حيث لم يشكر نعمة ربه فى حسن تقويمه وكان من اصحاب النار لايخاطب بمثله ... فلم يبق مرجع الخطاب اذا الا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فانه هو المخاطب بذلك لاغير . (تفسيرسورة والتين ص ١٨)

وقال بعد ما رد على الزمخشرى " وليس احد بمعصوم من الخطا والزلل والسهو الاالانبياء ومن تولاه الله بعنايته الخاصة ' والقران المجيد بحر لاينكف و لطائف معانيه وغوامض اسراره و نفائس خزائنه لا تنفد ابد الأباد " (تفسير سورة والتين ص ١٩) ثم ذكرشطرا لشعر:

وللناس فيما يعشقون مذاهب .

ورسالة باسم " مطالع النور " فى بيان حقيقة النور ومرتب المختلفة عند اختلاف العوالم ' ورسالة فى بيان ثمان وعشرين حرفا وثمان و عشرين اسما الهيا ومنا زلها وبيان الحروف المقطعات التى هى اربعة عشر ' وماخلاهذه الكتب رسائل و كتب بالعربية والاردية فى مختلف الفنون من التصوف واللغة والعروض والادب مثل "شرح لامية العرب للشنفرى " و"الحاشية والتعريب على كتاب الفائق " و"ميزان الاشعار " فى علم العروض و" شجرة النور " فى النور المحدى و"نظام الوجود فى وحدة الوجود " و " هداية رب العالمين " فى الفلسفة وقال الشيخ رحمه الله : طالعت كتب التصوف العربية اربعين سنة و كتبت فلذكة تلك الكتب و زبدتها .

مازال هذا السحاب ممطراحتى ياتيه اليقين وفاضت روحه الطاهرة الى جوار ربه الثانى من شوال المكرم سنة ١٣٧٢ من الهجرة وهو ابن اثنين و ثمانين .

وصلى الله تعالى وسلم على خير خلقه واله واصحابه اجمعين والحمد لله رب العالمين .

محدث الدكن قدس سره العزيز فى ضوء زجاجة المصابيح

محمد الياس حسين

الفاضل للسنة الأولى بالجامعة الظامية

ان ارض الهند مليئة بوجود العارفين و رجال الله الذين جمعوا بين علم الظاهرو الباطن و بين معرفة الخلق و بين معرفة الخالق . و ان تاريخ الهند الثقافى يحمل بين جنبيه مادة غنيئة خصبة من القصص الروحانية و الصلة الوثيقة بالله تعالى التى صارت غذاء للقوب و مقوية للعواطف والاحاسيس و مرققة للحس والشعور

و ان هناک امثلة كثيرة مما يحمل فى جنبه درسا كبيرا و عبرة صادقة لمن كان يومن بالله واليوم الاخر و هى امثلة لا ينفد مداد بحرها و لا يغور معينها فمن هولاء العلماء المشاهير الذين حياتهم اسوة و مماتهم رحمة المحدث الكبير العالم الجليل صاحب الدرجات الرفيعة والمنازل العالية الفريد فى دهره والوحيد فى عصره محدث الدكن مجدد الزمن ابو الحسنات السيد عبدالله الشاه الحنفى النقشبندى الحيدرآبادى.

نبذة من حياته: ولد الشيخ محمد ث الدكن رحمه الله فى العاشر من ذى الحجة يوم الجمعة بحيدرآباد سنة ۱۲۹۲هـ م ۱۸۷٦ ميلادى و فى نفس هذه السنة تم وضع الحجر الاساسى لاشهر الجامعات و اقدمها فى قطر جنوب الهند . الجامعة النظامية الغراء بيد شيخ الاسلام فضيلت جنک الحافظ العارف بالله مولانا محمد انوار الله الفارقى نورالله مرقده . و هاجر جده الاعلى من الحجاز بايماء النبى المطصفى ﷺ الى مديرية بيجابور من ولاية كرناتكا بالهند و اقام هنا بامر الملک فى عهد عادل شاهى فى قرية نلدرک من ولاية مهاراشترا . ثم رحل والد الشيخ مولانا الحافظ السيد مظفر حسين النقشبندى الى حيدرآباد الدكن عصمها الله عن الشرورو الفتن و اقام هنا الى ان انتقل الى رحمة الله .

و كانت حيدرآباد يومئذ متعارفة عليها من العلوم الاسلامية والمعارف الدينية و لا تخلو اية قرية من قراها من العلماء والفقهاء والشعراء و كانت تمتاز اسرة الشيخ فى العلوم الباطنة فان والده لم يكن عالما و فاضلاً فحسب بل كان صوفياً كبيراً و شيخاً عظيماً فقد بايع الشيخ مسكين

الشاه النقشبندی قدس سره فی السلسة العالیة النقشبندیة و قد فاز بالخلافة منه .

کما کانت والدته زاهدة ورعة عابدة صاحبة الرویا الصادقة فقد فتح محدث الدکن عینیه فی اسرة علمیة دینیة واعتُنِی بتربیته و تعلیمه تمام الاعتناء و غایة الاهتمام و لم یال ابواه ای جهد فی طریق تربیته و تعلیمه .

ثم اقبل فضیلته بعد انهاء المرحلة الابتدائیه من تعلمه الی کبار العلماء و عظام الفقهاء واستفاد منهم بجد عظیم و ولع شدید فمن مشاهیر اساتیذه مایلی :

(۱) شیخ الاسلام العارف بالله الحافظ محمد انوارالله الفاروقی نور الله مرقده موسس الجامعة النظامیة

(۲) سماحة الشیخ منصور علی خان

(۳) فضیلة العلام مولانا حبیب الرحمن بیدل السهارنفوری

(۴) سعادة الاستاذه محمد یسین

(۵) حضرت الشیخ المحدث محمد حکیم عبدالرحمن السهارنفوری

و یتصل سندا الشیخ فی الحدیث بطریق استاذه محمد حکیم عبدالرحمن بالشاه محمد اسحاق الدهلوی و تشرف الشیخ بالبیعة فی الطریقة علی ید الشیخ محمد باشاه البخاری و منح له شیخه الخلافة بما رای فیه من مؤهلاته الظاهرة و استعدادته الباطنة و اتصل محدث الدکن بالرفیق الاعلی صباح یوم الخمیس فی الیوم السابع والعشرین من شهر اُغسطس سنة ۱۹۶۴ء و ۱۸/ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ و دفن فی الحدیقة النقشبندیة بحیدرآباد .

یعد فضیلة محدث الدکن من جهابذة علماء الحدیث و کبار فقهاء الاحناف الذین کرسوا حیاتهم لخدمة الشریعة الاسلامیة فقد عاش رحمه الله منذ نعومة اظفاره فی الاشتغال بهذا الجانب العلمی والعکوف علی خدمة السنة الشریفة تحقیقا و تخریجاً و تدریساً و تالیفاً فان له من المآثر العلمیة و التحقیقیة مالم تزل تتجمل به المکتبة الاسلامیة و یهتدی به الامة الاسلامیة .

لقد کان محدث الدکن قدس سره نجما لامعا فی کوکبة من الشیوخ الاعلام الذین نبغوا فی الحدیث النبوی الشریف فی بدایة هذا القران و لا یخفی علینا ماکه من دور بارز فی العنایة بعلوم الشریعة الاسلامیة المطهرة . کان الشیخ محدث الدکن مثالا للطراز القدیم من العلماء العاکفین

علی الدراسة والمطالعة و اصلاح الناس و تربيتهم الاسلامية وتزكيهم الروحانية. امامكانته الروحية التى تملكها فقد كانت رفيعة غاية الرفعة' عاليةفى غاية العلو . وقد نال الشيخ محدث الدكن القبول العام فى اوساط العلماء و الشيوخ بفضل معرفة وغزارة علمه كما ان مآثره التى قام بها فى الدكن لن تنسى ابدا فكم من قلوب مغلقه فتحها للايمان و كم من قلوب عاتية عطفها على الاسلام وكم من قلوب وسخة صقلها بالعلم والعرفان واثار فى المجتمع الاسلامى الغيرة على الدين ودوافع التضحية والفداء فى المسلمين ولفت انظارهم الى فهم الدين الصحيح والعمل به لكى ينالوا ماوعدهم الله و رسوله . انه كان آية من آيات الله قد نور العالم بنوره واضاء ا لكون بضيائه وبدد ظلمات الجهل والبدع بيمن توجهاته العلمية و احواله السنيه وصار مآت من الرجال محرما للاسرار الخفية و تحققوا بالحالات السنيه لشرف صحبته العلمية حتى قيل ان عدد من بايعه فى الطريقة قد تفوق ماته الف . ومما لاشک فيه ان المنزلة الرفيعة التى بلغها الشيخ من افادة خلق كثير وجم غفير لا يمكن حصرها وكلماته الواضحة و خطاباته التى كان يلقيهافى مجالسا العا مة تعد من اهم مبادئ الاصلاح والارشاد وكانت تحتوى على معان دقيقة ومفاهيم عالية عن الحياةالاسلاميةوالمسائل الاجتماعية . فقد عاش قدس سره العزيز راسخا فى اتباع الشريعة وسنة رسول اللهﷺ وكان يقوم بنفسه بامامة خمس صلوات ويجلس بعد الفجر الى واحدة ونصف ساعة لذكر الله ثم يتلو القرآن بالمو اظبة يداوم على الادعية المأثورة خاصة الحزب الاعظم وكان يأوى الى بيته بعدصلاة الاشراق ثم يظل يعظ النساء من بعد اخذ الفطور الى الظهر ولا يعود الى بيته حتى الساعةالثانية عشرمن اليل واثناء ذالک كان الناس يردون اليه زرافات ووحداناويستفيدون منه علما وعرفانا وكان يداوم على ختم ا لقرأن فى التهجد وكان يصوم رمضان مهمااشتدالحرويحي اليالى بالتراويح ويعتكف فى العشر الاواخرمن رمضان فى المسجد وعلى الرغم مما ذكرمن هواياته اليوميه المتضافرة كان يواظب على تاليف ا لكتب الاسلامية فله مقدره كاملة فى كل من اللغة العربية والفارسيةوالاردية على السواء كماتشهدله مصنفاته القيمة وطويت كشحى عنها مخافةالتطويل فاشهر تصنيفاته وافيدها"زجاجةالمصابيح"الذى انا بصدده الان.

ان المدارس الاسلامية والجامعات الدينية على اختلاف مذاهبهالم تزل تهتم غايةالاهتمام على

کر العصور و مر الایام بدراسة المؤلف المشهور فی علم الحدیث مشکاة المصابیح فی الفقه الشافعیة فقد افتقرت المدارس الاسلامیة الدینیة و بالاخص المدارس الحنفیة الی مجموعة فی الحدیث یمشی المؤلف فیها مشیة مشکاة المصابیح مع ایراد الاحادیث التی احتج بها علماء الاحناف فی مسائلهم الشرعیة و استدلوا بها فی معظم قوانینهم الفقهیة فقد تناثرت هذه السعادة فی وطاب الشیخ الجامع بین العلوم معقولها و منقولها خفیها و جلیها و الهمه الله و ایده من وراء ظهر الغیب کما یلوح من بیانه فی دیباجة الکتاب فقد الف کتابا شاملا فی الفقه الحنفی و بذل قصار ی مجهوده فی جمع تلک الاحادیث و ترتیبها التی منها تستنبط مسائل الفقه الحنفی و بها تؤید (وحذا فی ذلک حذو المشکاة) وذلل صعابها و انار غیاهبها برؤیته الثاقبة و فکرته الغامضة حتی وجد ضالته المنشودة علی احسن ما یرام جعل الله امنیته ضاحکة مستشبرة بابهر نجاح و. و یجدر بنا ذکر بعض التوجیهات المکتوبة فی مقدمة زجاجة المصابیح و الیک.

و لقد کشف (الشیخ) الغطاء عن من یقدح فی قول الامام الاعظم ابی حنیفة رحمه الله اثبت انه ما من قول من اقواله (الا لدیه رقیب عتید) و سند یعتمد علیه و یحتج به و هو اما روایة احد من الصحابة الابرار و اما قول احد من التابعین الاخیار و مما یزاد به القاری بصیرة ان المولف العلام قد الزم علی نفسه عدة امور فی تالیف هذا و هی کما تلی.

الامر الاول: قد جمع لکل موضوع کبیر من موضوعات الکتب ما یتلعق به من الایات القرآنیة و قد تلا فی ذلک تلو الصحیح للبخاری

الثانی: قد سلک المولف فی تبویب هذا لکتاب مسلک المشکوة غایته لم تکن الا ان یدخر ذخیرة جامعة علی اسلوبها توفی بمقصود اصحاب الفقه الحنفی و تشفی غلتهم

الثالث: کما ان صاحب المشکوٰة راعی فی التبویب وجهة الفقه الشافعی ولا حظه ثقه به و تأییدا ایاه أقام الفاضل المؤلف مقامه وجهة الفقه الحنفی تحقیقا ایاه و تأکیدا علیه.

الرابع: لا توجد مسئلة فی المشکوٰة الا و قد انتشرت احادیثها التی یستدل بها فی ثلاثة فصول و ذلک ما یشق علی القراء التفحص عنها و الوقوف علیها لان القاری فی هذه الصورة لم یستطع ان یلم بما قصد الیه فی نظرة خاطفة. و لکن الفاضل المؤلف اجاد فیها افاد من انه جمع لکل مسئلة کل ما ینوط به من الاحادیث النبویة فی موضع واحد لاتری فیها عوجا و لا فصلا.

الخامس : لا خفاء فی ان الفقه الحنفی بحر لا ساحل له فما من مسئلة من مسائله الا و فیها اقوال یفوتها . فلذلک تسهیلا علی القراء الکرام و تقریبا الی الافهام اخد المؤلف اللبیب اولا : قولا افتی به و ثانیاً : شفعها و اتبعها بحدیث من الاحادیث الذی یوافقه و یوثقه وثالثا : مهد السبیل الی ما یردعلیه من القدح فیه و قد ذیل اکثر الاحادیث بالنقد علی الرواة لینقشع غمام الریب عما هو الحق .

السادس : لقد زین المؤلف حواشی الکتاب بالاجوبة الموٰیدة بالحجج الدامغة و کشف القناع عن المقاصد الحنیفة بعد التعبیر الصحیح عن الاحادیث و کتب المسائل علی احوط الطرق .

السابع : یشتمل هذا الکتاب الجلیل علی خمسة اجزاء نحو الفین و خسمائة صفحه (۲۵۰۰) و قد تمت ترجمة ثلاثة اجزاء منها باللغة الاردیة علی ید الشیخین الکبیرین فضیلة الشیخ الحاج محمد منیرالدین رحمه الله شیخ الادب بالجامعة النظامیة والخطیب بمکه مسجد سابقا من بدایة الکتاب الی کتاب العتق للجزء الثانی و من ثم بسعی شیخ الحدیث بالجامعة النظامیة حالیاً الی اربعة اجزاء منها(و للترجمة صلة) و زبدة القول ان هذا الکتاب قد ازدان بمزایا باهرة تنکشف علیک محاسنها عند ما تطالعه فلیعلم القراء ان مشکوٰة المصابیح کما هی نعمة عظمی لاصحاب المذهب الشافعی فکذلک زجاجة المصابیح خیر هدیة اهدیت الی اصحاب المذهب الحنفی

و ینبغی لنا ان نذکر بعض التقاریظ من العلماء العلام عن هذا لکتاب و مولفه فقد ذکر فی مقدمة الجزء الرابع من هذا الکتاب تقریظ الفاضل الاجل مولانا عبدالفتاح ابو غده من بلدة حلب من مملکة الشام فهو یقول :

أما بعد : من الفقیر الیه تعالی عبدالفتاح ابو غدة الی السید الهمام ابی الحسنات و الاثار الطیبات المبارکات مولانا السید عبدالله بن مولانا السید مظفر حسین حفظه الله و کان من جملة تلک المنافع العظیمة (التی فزت بها هذه السنة) أن تلقیت بالجزالاول من کتابکم زجاجة المصابیح فاستناربه بصری و بصیرتی و شکرت الله تعالی علی ما آتاکم و سددکم فجزا کم الله عن الاسلام والسادة الحنفیة افضل الجزاء .

و یقول سماحة الشیخ مولانا ابو النصر محمد اعظم برنابادی هروی : قد فزت بما رجوت بعد دراسة الجزئین الاولین من وصول ثلاث نسخ من الجز الثالث من أفضالکم و ألطافکم ففرحت فرحا بلیغاً و حمدت الله تعالی و تشکرت لکم حمد العاجزین و شکر القاصرین بارک الله تعالی

فیکم فقلت الحمد لله الذی أنشأ رجالا یحیون رسوم الدین والصلوة والسلام علی من بشرنا بظهور المجددین للدین فی کل قرن و حین . و علی اله الهادین المهتدین و بعد

فقد قرت عینی بدارسة الجزئین الاولین من زجاجة المصابیح و وسع قلبی و شرح صدری بوصول الجز الثالث من منبع الاصاحیح .

فقد فزت فی بحر زاخر فی بابه کاف و برهان باهر للاحناف و قانون لسقام الجهل والقدح فی المذهب شاف لا یستقصی فوائدها الا من عمق النظر فی عوائدها جزی الله تعالی عنا مولفها و من سعی فیها .

و بالختام نسال الله العظیم ان ینفعنا بمآثره العلمیة و مواعظه القیمة و نصائحه النیرة و ان یلحقنا بعباده الذین انعم الله علیهم وصلی الله تعالی وسلم علی خیر خلقه سیدنا محمد و علی آله و صحبه اجمعین والحمد لله رب العالمین .

علیک باصحاب الحدیث فانهم خیار عباد الله فی کل محفل
ولا تعدُوَنْ عیناک عنهم فانهم نجوم الهدی فی اعین المتأمل

ایاک اقصد

نظمها الحافظ محمد قاسم الصديقى تسخير
المدرس بالجامعة النظامية

بطيبة دار للحبيب و مرقد ◆ و روضة عدن بالجوار ومسجد
معالمها تبقى دواما بروحها ◆ تتوق اليها النفس شوقا و تزهد
و ما راقنى منذ غداه فراقها ◆ حدائق بهجة ولا عيش يرغد
تهب النسيم والدبور بطيبها ◆ تصيبجروحا و الغموم تجدد
و قالت عواذلى و أنى وصولها ◆ فليس لک زاد و لارحل يوجد
ركبت مطيا للمحبة أنه ◆ سفينة نوح لا تضل سترشد
و إن دموع العين تجرى صبابة ◆ لأرض الحجاز عاش فيها محمد
رؤوف رحيم شافع و مشفع ◆ و مظهر حق فى الحظيره مفرد
يلوح حبيبنه بأليل ليلة ◆ كمصباح نور فى الدجى يتوقد
و قام مقام الحمد فى الخلق وحده ◆ و يعطى لواء الحمد فى الحشر احمد
يحيئ به الله على كل امة ◆ شهيدا عليهم شاهد الله يشهد
وإن سماء المجد يسمو بمجده ◆ و من مجده مجد الاماجد يمجد
و لست أريد عيشة و بضاعة ◆ سواک رسول الله اياک اقصد
أيا خير مأمول و يا خير منعم ◆ رضاؤئک أرجو بالرفاقة أسعد
و يا ليت جسمى فى المدينة يدفن ◆ يقلب ملحا فى المعادن وارد

المديح النبوى الشريف على صاحبه افضل الصلوات و ازكى التسليمات .

قرضها سعيد بن مخاشن

الكامل السنة الاولى بالجامعة النظامية

وانک مصطفى انت الحبيب	ومحمود وليس لک الضريب
وانک قاسم تعطى دواما	تضاء لت الغمائم والسحاب
مفاتيح الارضى والسماء	حباه الله ذو العرش المجيب
ومن ياتيک يسئل لا يخيب	سواء ذا بعيد او قريب
وانک صادق نور منير	وتشهده الكواكب والتراب
وذا هاد يعين الناس يهدى	وذا حق وصدق والصواب
ونطلب منه عونا فى الخطوب	ببركة وصفه زال الصعاب
وانک رحمة للعالمين	ومحمود ومختار حبيب
ومن عرق النبى يفوح كل	به مسک ريا حين وطيب
نفوس جميعنا وقلوب كل	فداءک انت والله قريب
وحقا سؤلنا يا رب منک	لسان صادق قلب منيب

فى رئيس المفسرين سيد الادباء المعاصر سيد طاهر الرضوى القادرى قدس سره العزيز

صدر الشيوخ بالجامعة النظامية

لسيدنا علو واعتلاء	وراح الى الاله له العطاء
من الصلحاء مرشدنا الولى	وصوفى به هذا الرواء
لزكيتم نفوس السالكين	لهم حصل المعالى والرضاء
وذا شيخ عظيم فى العلوم	أديب قد أتت منه الذكاء
وذا صدر و شيخ للشيوخ	فقل من مثله ظلت سماء
عليه الفضل من رب السماء	منار للهداية و الضياء
الاصدر الشيوخ له الايادى	له حمد وشكر والجزاء